اطلاع:۔ یہ رسالہ باجازت صدر انجمن احمدیہ قادیان شائع کیا گیا + تمام حقوق محفوظ ہیں +

انبیاء روشن گہر ہستند لیک — ہست احمد زان ہمہ روشن ترے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بغیر مہر یا دستخط قلمی مؤلف کے مال سرقہ سمجھا جاوے گا

عصمت انبیاء

جسکو

شیخ صلاح الدین صاحب لاسوی سابق ہیڈ ڈرافٹسمین موجودہ ... پشاور

ملٹری ورکس نے مشہور و معروف رسالہ ریویو آف ریلیجنز

کے

مضامین کو فائدہ عام کے لئے

مطبوعہ ... باہتمام ... بخش ... میں طبع کرایا

ربیع الاول ۱۳۲۴ ہجری مطابق مئی ۱۹۰۶ء

تعداد ایکہزار .... قیمت مجلد ۱۰/

اول آدم آخر شاہ احمد ...

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

عصمت انبیا علیہم السلام

نجات اور شفاعت کی حقیقی فلاسفی

مذہبی مسائل میں سے نجات اور شفاعت کا مسئلہ ایک ایسا عظیم الشان اور مدارالمہام مسئلہ ہے کہ مذہبی پابندی کے تمام اغراض اسی پر جا کر ختم ہو جاتے ہیں اور کسی مذہب کے صدق اور سچائی کے پرکھنے کیلئے وہی ایک ایسا صاف اور کھلا کھلا نشان ہے جس کے ذریعہ سے پوری تسلی اور اطمینان سے معلوم ہو سکتا ہے کہ فلاں مذہب درحقیقت سچا اور منجانب اللہ ہے اور یہ بات بالکل راست اور درست ہے کہ جس مذہب نے اس مسئلہ کو صحیح طور پر بیان نہیں کیا یا اپنے فرقہ میں نجات یافتہ لوگوں کے موجودہ نمونے کھلے کھلے امتیاز کے ساتھ دکھلا نہیں سکا اُس مذہب کے باطل ہونیکے لئے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں مگر جس مذہب نے کمال صحت سے نجات کی اصل

حقیقت دکھلائی ہے اور نہ صرف اِس قدر بلکہ اپنے موجودہ زمانے میں ایسے انسان بھی پیش کیے ہیں جن میں کامل طور پر نجات کی روح پھونکی گئی ہے اُس نے مہر لگا دی ہے کہ وہ سچا اور منجانب اللہ ہے ؛

یہ تو ظاہر ہے کہ ہر ایک انسان طبعاً اپنے دل میں محسوس کرتا ہے کہ وہ صدہا طرح کی غفلتوں اور پردوں اور نفسانی حملوں اور لغزشوں اور کمزوریوں اور جہالتوں اور قدم قدم پر تاریکیوں اور ٹھوکروں اور مسلسل خطرات اور وساوس کیوجہ سے اور نیز دنیا کی انواع و اقسام کی آفتوں اور بلاؤں کے سبب سے ایک ایسے زبردست ہاتھ کا ضرور محتاج ہے جو اس کو ان تمام مکروہات سے بچاوے کیونکہ انسان اپنی فطرت میں ضعیف ہے اور وہ کبھی ایکدم کے لئے بھی اپنے نفس پر بھروسہ نہیں کر سکتا کہ وہ خود بخود نفسانی ظلمات سے باہر آسکتا ہے۔ یہ تو انسانی کانشنس کی شہادت ہے اور ماسوا اسکے اگر غور اور فکر سے کام لیا جاوے تو عقل سلیم بھی اسی کو چاہتی ہے کہ نجات کیلئے شفیع کی ضرورت ہے کیونکہ خدا تعالےٰ نہایت درجہ تقدس اور تطہر کے مرتبہ پر ہے اور انسان نہایت درجہ ظلمت اور معصیت اور آلودگی کے گڑھے میں ہے اور بوجہ فقدان مناسبت اور مشابہت عام طبقہ انسانی گروہ کا اس لائق نہیں کہ وہ براہ راست خدا تعالےٰ سے فیض پاکر مرتبہ نجات کا حاصل کرلیں۔ پس اس لئے حکمت اور رحمت الٰہی نے یہ تقاضہ فرمایا کہ نوع انسان اور اللہ تعالےٰ میں بعض افراد کاملہ جو اپنی فطرت میں ایک خاص فضیلت رکھتے ہوں درمیانی واسطہ ہوں اور وہ اس قسم کے انسان ہیں جنکی فطرت نے کچھ حصہ صفات لاہوتی سے لیا ہوا اور کچھ حصہ صفات ناسوتی سے تا باعث لاہوتی مناسبت کے خدا سے فیض حاصل کریں اور بباعث

ناسوتی مناسبت کے اُس فیض کو جو اُوپر سے لیا ہے نیچے کو یعنے بنی نوع کو پہونچا دیں اور یہ کہنا واقعی صحیح ہے کہ اس قسم کی انسان بوجہ بیاد کمال لاہوتی اور ناسوتی کے دوسرے انسانوں سے ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں گویا یہ ایک مخلوق ہی الگ ہے کیونکہ جسقدر ان لوگوں کو خدا کا جلال اور عظمت ظاہر کرنے کیلئے جوش دیا جاتا ہے اور جس قدر انکے دلوں میں وفاداری کا مادہ بھرا جاتا ہے اور پھر جسقدر بنی نوع کی ہمدردی کا جوش انکو عطا کیا جاتا ہے وہ ایک ایسا امر فوق العادت ہے جو دوسرے کے لئے اس کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔ ہاں یہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ یہ تمام اشخاص ایک مرتبہ پر نہیں ہوتے بلکہ ان فطرتی فضائل میں کوئی اعلیٰ درجہ پر ہے کوئی اس سے کم اور کوئی اُس سے کم +

ایک سلیم العقل کا پاک کانشنس سمجھ سکتا ہے کہ شفاعت کا مسئلہ کوئی بناوٹی اور مصنوعی مسئلہ نہیں ہے بلکہ خدا کے مقرر کردہ انتظام میں اندر سے اسکی نظیریں موجود ہیں اور قانون قدرت میں اس کی شہادتیں صریح طور پر ملتی ہیں۔ اب شفاعت کی فلاسفی یہ سمجھنی چاہیئے کہ شفع لغت میں جفت کو کہتے ہیں پس شفاعت کے لفظ میں اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ وہ ضروری امر جو شفیع کی صفات میں سے ہوتا ہے یہ ہے کہ اُسکو دو طرفہ اتحاد حاصل ہو یعنے ایک طرف اُس کے نفس کو خدا تعالےٰ سے تعلق شدید ہو ایسا کہ گویا وہ کمال اتحاد کے سبب حضرت احدیت کے لئے بطور جفت اور پیوند کے ہو اور دوسری طرف اس کو مخلوق سے بھی شدید تعلق ہو گویا وہ اُن کے اعضا کی ایک جز ہو۔ پس شفاعت کا امر مترتب ہونے کے لئے درحقیقت یہی دو جز ہیں جنپر ترتب اثر موقوف ہے +

یہی راز ہے جو حکمت الٰہیہ نے آدم کو ایسے طور سے بنایا کہ فطرت کی ابتدا سے ہی اُسکی سرشت میں دو قسم کے تعلق قائم کر دیئے یعنے ایک تعلق تو خدا سے قائم کیا جیسا کہ قرآن شریف میں فرمایا فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ یعنے جب میں اِس کو ٹھیک ٹھیک بنا لوں اور میں اپنی روح اس میں پھونک دوں تو اے فرشتو اسی وقت تم سجدہ میں گر جاؤ +

مذکورہ بالا آیت سے صاف ثابت ہے کہ خدا نے آدم میں اُسکی پیدائش کے

اِس آیت میں ایک عمیق راز کیطرف اشارہ ہے جو انتہائی درجہ کے کمال کا ایک نشان ہے اور وہ یہ کہ انسان ابتدا میں صرف صورت انسان کی ہوتی ہے مگر اندر سے وہ بیجان ہوتا ہے اور کوئی روحانیت اُس میں نہیں ہوتی اور اس صورت میں فرشتے اسکی خدمت نہیں کرتے کیونکہ وہ ایک پوست بے مغز ہے لیکن بعد اسکے رفتہ رفتہ سعید انسان پر یہ زمانہ آجاتا ہے کہ وہ خدا سے بہت ہی قریب جا رہتا ہے تب جب ٹھیک ٹھیک ذوالجلال کی روشنی کے مقابل پر اس کا نفس جا پڑتا ہے اور کوئی حجاب درمیان نہیں ہوتا کہ اُس روشنی کو روکدے تو بلا توقف الوہیت کی روشنی جسکو دوسرے لفظوں میں خدا کی روح کہہ سکتے ہیں اس انسان کے اندر داخل ہو جاتی ہے اور وہی ایک خاص حالت ہے جسکی نسبت کلام الٰہی میں کہا گیا کہ خدا نے آدم میں اپنی روح پھونکدی اس حالت پر نہ کسی تکلف سے اور نہ ایسے امر سے جو شریعت کے احکام کے رنگ میں ہوتا ہے فرشتوں کو یہ حکم ہوتا ہے کہ اسکے آگے سجدہ میں گریں یعنے کامل طور پر اسکی اطاعت کریں گویا وہ اِس کو سجدہ کر رہے ہیں یہ حکم فرشتوں کی فطرت کے ساتھ لگا ہوا ہوتا ہے کوئی مستحدث امر نہیں ہوتا یعنے ایسے شخص کے

ساتھ ہی اپنی روح پھونک کر اُسکی فطرت کو اپنے ساتھ ایک تعلق قایم کر دیا۔ سو یہ اسلئے
کیا گیا کہ تا انسان کو فطرتاً خدا سے تعلق پیدا ہو جاوے ایسا ہی دوسری طرف یہ بھی
ضروری تھا کہ ان لوگوں سے بھی فطرتی تعلق ہو جو بنی نوع کہلائیں گے کیونکہ جب کہ
اِن کا وجود آدم کی ہڈی میں سے ہڈی اور گوشت میں سے گوشت ہو گا تو وہ ضرور اس روح
میں سے بھی حصہ لینگے جو آدم میں پھونکی گئی۔ پس اس لئے آدم طبعی طور پر اُن کا شفیع

مقابل پر جسکا وجود خدا کی صورت پر آجاتا ہے خود فرشتے طبعاً محسوس کر لیتے ہیں کہ اب
اسکی خدمت کیلئے ہمیں کرنا چاہئے ورنہ ایسے قصے در حقیقت قصے نہیں ہیں بلکہ قرآن کریم میں عادت
الٰہی اسیطرح واقع ہے کہ ان قصوں کے نیچے کوئی علمی حقیقت ہوتی ہے پس اسجگہ یہی علمی حقیقت ہے کہ خدا تعالےٰ
نے اس قصے کے پیرایہ میں ظاہر کرنا چاہا ہے کہ کامل انسان کی نشانی کیا ہے۔ پس فرمایا کہ انسان
کامل کی پہلی نشانی یہ ہے کہ انسانی خلقت کے کسی حصہ میں وہ کم نصیب نہو اور اسکے روحانی
جسمانی اعضائے بشری بناوٹ سے پورا حصہ لیا ہو اور کمال اعتدال پر اُسکی فطرت واقع ہو
(۲) اور دوسری یہ نشانی ہے کہ الٰہی روح نے اسکے اندر دخول کیا ہو (۳) اور تیسری یہ نشانی
ہے کہ فرشتے اسکو سجدہ کریں یعنے تمام فرشتے جو زمین اور آسمان کے کام میں لگے ہوئے ہیں اُسکے خادم
ہوں اور اسکی منشا کے موافق کام کریں۔ اصل بات یہ ہے کہ جب خدا تعالےٰ کسی بندہ کے ساتھ ہوتا
ہے تو اس کا تمام لشکر ملائکہ کا بھی اس شخص کے ساتھ ہو جاتا ہے اور اسکی طرف جھک جاتا
ہے تب ہر ایک میدان میں اور ہر ایک مشکل کیوقت میں فرشتے اسکی مدد کیلئے ہیں اور اسکی اطاعت کیلئے
ہر دم کمر بستہ رہتے ہیں گویا وہ ہر وقت اُسکے سامنے سجدہ میں ہیں کیونکہ وہ خدا کا خلیفہ ہے لیکن
ان باتونکو دنیوی خیال کے لوگ سمجھ نہیں سکتے کیونکہ آسمانی روح سے اُن کو حصہ نہیں دیا گیا۔ منہ

ٹھیریگا کیونکہ بباعث نفخ روح جو راستبازی آدم کی فطرت کو دیگئی ہے ضرور ہے
کہ اس کی راستبازی کا کچھ حصہ اس شخص کو بھی ملے جو اس میں سے نکلا ہے جیسا
کہ ظاہر ہے کہ ہر ایک جانور کا بچہ اسکی صفات اور افعال میں سے حصہ لیتا ہے۔
اور در اصل شفاعت کی حقیقت بھی یہی ہے کہ فطرتی وارث اپنے مورث سے حصہ
لے کیونکہ ابھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ شفاعت کا لفظ شفع کے لفظ سے نکلا ہے جو
زوج کو کہتے ہیں پس جو شخص فطرتی طور پر ایک دوسرے شخص کا زوج ٹھیر جائیگا ضرور
اسکی صفات میں سے حصہ لیگا۔

اسی اصول پر تمام سلسلہ خلقی توارث کا جاری ہے یعنے انسان کا بچہ انسانی
قوے میں سے حصہ لیتا ہے اور گھوڑے کا بچہ گھوڑے کے قوے میں سے حصہ لیتا
ہے اور اسی وراثت کا نام دوسرے لفظوں میں شفاعت سے فیضیاب ہونا ہے
کیونکہ جب کہ شفاعت کی اصل شفع یعنے زوج ہے پس تمام مدار شفاعت
فیض اٹھانے کا اس بات پر ہے کہ جس شخص کی شفاعت سے آدمی مستفیض ہونا
چاہتا ہے اس سے فطرتی تعلق اسکو حاصل ہو۔ تا جو کچھ اسکی فطرت کو دیا گیا ہے اسکی
فطرت کو بھی وہی ملے یہ تعلق جیسا کہ وہبی طور پر انسانی فطرت میں موجود ہے کہ
ایک انسان دوسرے انسان کی جز ہے ایسا ہی کسبی طور پر بھی یہ تعلق زیادت
پذیر ہے یعنے جب ایک انسان یہ چاہتا ہے کہ جو فطرتی محبت اور فطرتی ہمدردی
بنی نوع کی اس میں موجود ہے اس میں زیادت ہو تو بقدر دائرہ فطرت اور مناسبت
کے زیادت بھی ہو جاتی ہے اسی بنا پر قوت عشقی کا تموج بھی ہے کہ ایک شخص ایک
شخص سے اس قدر محبت بڑھاتا ہے کہ بغیر اسکے دیکھنے کے آرام نہیں کر سکتا

آخر اُسکی شدت محبت اس دوسرے شخص کے دلپر بھی اثر کرتی ہے اور جو شخص انتہا درجہ پر کسی سے محبت کرتا ہے وہی شخص کامل طور پر اور سچے طور پر اُسکی بھلائی بھی چاہتا ہے چنانچہ یہ امر بچوں کی نسبت اِن کیطرف سے مشہود اور محسوس ہے +

پس اصل جز شفاعت کی یہی محبت ہے جب کہ اِس کے ساتھ فطرتی تعلق بھی ہو کیونکہ بجز فطرتی تعلق کے محبت کا کمال جو شرط شفاعت ہے غیر ممکن ہے اِس تعلق کو انسانی فطرت میں داخل کرنے کے لئے حوا کو علیحدہ پیدا نکیا بلکہ آدم کی پسلی سے ہی اسکو نکالا۔ جیساکہ قرآن شریف میں فرمایا ہے وَخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا یعنے آدم کے وجود میں سے ہی ہم نے اِس کا جوڑا پیدا کیا جو حوا ہے تا آدم کا باہم تعلق حوا اور اُسکی اولاد سے طبعی ہو نہ بناوٹی۔ اور یہ اس لئے کیا کہ تا آدم زادوں کے تعلق ہما ور ہمدردی کو بقا ہو کیونکہ طبعی تعلق غیر منفک ہوتے ہیں مگر غیر طبعی تعلق کے لئے بقا نہیں ہے کیونکہ اِنمیں وہ باہمی کشش نہیں ہے جو طبعی میں ہوتی ہے۔ غرض خدا نے اِس طرح پر دونوں قسم کے تعلق جو آدم کے لئے خدا سے اور بنی نوع سے ہونے چاہیئے تھے طبعی طور پر پیدا کئے پس اِس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ کامل انسان جو شفیع ہونے کے لائق ہو وہی شخص ہو سکتا ہے جسنے اِن دونوں تعلقوں سے کامل حصہ لیا ہو اور کوئی شخص بغیر ہر دو قسم کے کمال کے انسان کامل نہیں ہو سکتا اسی لئے آدم کے بعد بھی سنت اللہ اسی طرح پر جاری ہوئی کہ کامل انسان کے لئے جو شفیع ہو سکتا ہے یہ دونوں تعلق ضروری ٹھہرائے گئے یعنے ایک یہ تعلق کہ اُن میں آسمانی روح پھونکی گئی۔ اور خدا نے ایسا اِن سے اتصال کیا کہ گویا اِنمیں اُتر آیا اور دوسرے یہ کہ بنی نوع کی زوجیت کا وہ جوڑ جو حوا اور آدم میں باہمی ہمدردی اور محبت کے ساتھ مستحکم کیا گیا

کہ منجی ہونے اور معصوم ہونے میں کوئی تعلق نہیں اور ہرگز عقل سمجھ نہیں سکتی کہ عصمت سے
شفاعت کو کوئی حقیقی تعلق ہے ہاں عقل اس بات کو خوب سمجھتی ہے کہ شفیع کے لئے
یہ ضروری ہے کہ مذکورہ بالا دو قسم کے تعلق اسمیں پائے جائیں اور عقل بلا تردد یہ
حکم کرتی ہے کہ اگر کسی انسان میں یہ دو صفتیں موجود ہوں کہ ایک خدا سے تعلق شدید
ہو اور دوسری طرف مخلوق سے بھی محبت اور ہمدردی کا تعلق ہو تو بلاشبہ ایسا
شخص ان لوگوں کے لئے جنھوں نے عمداً اُس سے تعلق نہیں توڑا دلی جوش سے
شفاعت کریگا اور وہ شفاعت اُسکی منظور کیجائے گی کیونکہ جس شخص کی فطرت
کو یہ دو تعلق عطا کئے گئے ہیں اُن کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ وہ خدا کی محبت تامہ کیوجہ
سے اس فیض کو کھینچے اور پھر مخلوق کی محبت تامہ کیوجہ سے وہ فیض ان تک پہنچائے
اور یہی وہ کیفیت ہے جسکو دوسرے لفظوں میں شفاعت کہتے ہیں۔ شخص شفیع
کے لئے جیسا کہ ابھی میں نے بیان کیا ہے ضروری ہے کہ خدا سے اس کو ایک ایسا

حاشیہ

تو وہ باوجود اسکے کہ شریعت اس کو نہیں پہونچی تب بھی مجرم ہے کیونکہ جس توحید کو قرآن لایا
ہے وہ عیسائیوں کی تثلیث کیطرح ایسا امر نہیں ہے جو انسانی فطرت میں منقوش نہو بلکہ وہ
روز ازل سے بشری فطرت میں منقوش ہے۔ لہذا اسکی خلاف ورزی کیلئے شریعت کا پہونچنا
ضروری نہیں صرف عقل انسانی کا پایا جانا ضروری ہے اور اگر شریعت موجود ہے اور ایک
شخص کو پہونچ گئی ہے لیکن وہ نابالغ ہے یا مجنون ہے اور اس حالت میں وہ کسی ایسے فعل کا
مرتکب ہوا ہے جو شریعت کی رو سے گناہ کہلاتا ہے تو وہ سزا کے لائق نہیں کیونکہ انسانی
عقل اسکو دی نہیں گئی اس لئے وہ باوجود شریعت کے پھر بھی معصوم ہے۔ منہ

گہرا تعلق ہو کہ گویا خدا اِسکے دل میں اُترا ہوا ہو اور اسکی تمام انسانیت مر کر بالکل میں لاہوتی تجلی پیدا ہو گئی ہو اور اِس کی روح پانی کی طرح گداز ہو کر خدا کیطرف بہ نکلی ہو اور اِس طرح پر خدائی قرب کے انتہائی نقطہ پر جا پہنچی ہو اور اسی طرح شفیع کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جس کے لئے وہ شفاعت کرنا چاہتا ہے۔ اِس کی ہمدردی مین اِس کا دل ہاتھ سے نکلا جاتا ہو ایسا کہ عنقریب اِس پر غشی طاری ہو گی اور گویا شدت تعلق سے اُس کے اعضاء اِس سے علیحدہ ہوتے جاتے ہیں اور اِس کے حواس منتشر ہین اور اِس کی ہمدردی نے اِسکو اُس مقام تک پہونچایا ہو کہ جو باپ سے بڑھ کر اور ماں سے بڑھ کر اور ہر ایک غمخوار سے بڑھکر ہے پس جب یہ دونوں حالتیں اِس مین پیدا ہو جائینگی تو وہ ایسا ہو جائے گا کہ گویا وہ ایک طرف سے لاہوت کے مقام سے جفت ہے اور دوسری طرف ناسوت کے مقام سے جفت۔ تب دونو پلہ میزان کے اِس مین مساوی ہونگے یعنے وہ مظہر لاہوت کامل بھی ہوگا اور مظہر ناسوت کامل بھی۔ اور بطور برزخ دونوں حالتوں مین واقع ہوگا۔ اسطرح پر

لاہوت
مقام شفیع
ناسوت

قرآن شریف سے ثبوت کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اِنسان کامل تھے

اِسی مقام شفاعت کیطرف قرآن شریف مین اشارہ فرما کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اِنسان کامل ہونے کی شان مین فرمایا ہے دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی یعنے یہ رسول خدا کیطرف چڑھا اور جہانتک امکان مین ہے خدا سے نزدیک

ہوا اور قرب کے تمام کمالات کو طے کیا اور لاہوتی مقام سے پورا حصہ لیا اور پھر ناسوت کیطرف کامل رجوع کیا یعنے عبودیت کے انتہائی نقطہ تک اپنے تئین پہنچایا اور بشریت کے پاک لوازم یعنے بنی نوع کی ہمدردی اور محبت سے جو ناسوتی کمال کہلاتا ہے پورا حصہ لیا لہذا ایک طرف خدا کی محبت مین اور دوسری طرف بنی نوع کی محبت مین کمال تام تک پہنچا۔ پس چونکہ وہ کامل طور پر خدا سے قریب ہوا اور پھر کامل طور پر بنی نوع سے قریب ہوا اِس لئے دونون طرف کے مساوی قرب کیوجہ سے ایسا ہو گیا جیسا کہ دو قوسون مین ایک خط ہوتا ہے لہذا وہ شرط جو شفاعت کے لئے ضروری ہے اِس مین پائی گئی اور خدا نے اپنے کلام مین اس کے لئے گواہی دی کہ وہ اپنے بنی نوع مین اور اپنے خدا مین ایسے طور سے درمیان ہے جیسا کہ وتر دو قوسون کے درمیان ہوتا ہے +

اور پھر ایک اور مقام مین آپکے الہی قرب کی نسبت یون فرمایا قُلْ اِنَّ صَلوٰتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنے لوگون کو اطلاع دیدے کہ میری یہ حالت ہے کہ مین اپنے وجود سے بالکل کھویا گیا ہون میری تمام عبادتین خدا کے لئے ہو گئی ہین۔ یہ اِس بات کیطرف اشارہ ہے کہ ہر ایک انسان جب تک وہ کامل نہیں خدا کے لئے خالص طور پر عبادت نہیں کر سکتا۔ بلکہ کچھ عبادت اِس کی خدا کے لئے ہوتی ہے اور کچھ اپنے نفس کیلئے۔ کیونکہ وہ اپنے نفس کی عظمت اور بزرگی چاہتا ہے جیسا کہ خدا کی عظمت اور بزرگی کرنی چاہیے اور یہی عبادت کی حقیقت ہے اور ایسا ہی ایک حصہ اِس کی عبادت کا مخلوق کے لئے ہوتا ہے کیونکہ جس عظمت اور بزرگی اور قدرت اور تصرف کو خدا سے

مخصوص کرنا چاہیئے اُس عظمت اور قدرت کا حصہ مخلوق کو بھی دیتا ہے اس لئے جیسا
کہ وہ خدا کی پرستش کرتا ہے نفس اور مخلوق کی بھی پرستش کرتا ہے بلکہ عام طور پر جمیع
اسباب سفلیہ کو اپنی پرستش سے حصہ دیتا ہے کیونکہ خدا کے ارادہ اور تقدیر کے
مقابل ان اسباب کو بھی کارخانہ محو و اثبات مین دخیل سمجھتا ہے پس ایسا انسان
خدا تعالےٰ کا سچا پرستار نہین ٹھہر سکتا جو کبھی خدا کی عظمت کا اپنے نفس کو شریک
ٹھہراتا ہے۔ اور کبھی مخلوق اور کبھی اسباب کو بلکہ سچا پرستار وہ ہے جو خدا کی تمام
عظمتین اور تمام بزرگیان اور تمام تصرف خدا کو ہی دیتا ہے نہ کسی اور کو۔ اور جب
اس مرتبہ توحید پر انسان کی پرستش پہنچ جائے تب حقیقی طور پر وہ خدا کا پرستار کہلاتا
ہے اور ایسا انسان جیسا کہ زبان سے کہتا ہے کہ خدا وحدہ لاشریک ہے ایسا
ہی وہ اپنے فعل سے یعنے اپنی عبادت سے بھی خدا کی توحید پر گواہی دیتا ہے
پس اسی مرتبہ کاملہ کیطرف اشارہ ہے جو آیت مذکورہ بالا مین آنحضرت صلے اللہ علیہ
وسلم کو فرمایا گیا کہ تو لوگون کو کہدے کہ میری تمام عبادتین خدا کیلئے ہین یعنے نفس کو
اور مخلوق کو اور اسباب کو میری عبادت مین سے کوئی حصہ نہین ❊

اور پھر بعد اسکے فرمایا کہ میری قربانی بھی خاص خدا کے لئے ہے اور میرا جینا
بھی خدا کے لئے ہے اور میرا مرنا بھی خدا کے لئے۔ یاد رہے کہ نسیکہ لغت عرب
مین قربانی کو کہتے ہین اور لفظ نسک جو آیت مین موجود ہے اُسکی جمع ہے اور نیز دوسرے
معنے اسکے عبادت کے بھی ہین پس اس جگہ ایسا لفظ استعمال کیا گیا جس کے معنے عبادت
اور قربانی دونو پر اطلاق پاتے ہین۔ یہ اسبات کیطرف اشارہ ہے کہ کامل عبادت
جس مین نفس اور مخلوق اور اسباب شریک نہین ہین درحقیقت ایک قربانی ہے اور

کامل قربانی درحقیقت کامل عبادت ہے اور پھر بعد اسکے جو فرمایا کہ میرا جینا بھی خدا کے لئے ہے اور میرا مرنا بھی خدا کے لئے۔ یہ آخری فقرہ قربانی کے لفظ کی تشریح ہے تا کوئی اس وہم مین نہ پڑے کہ قربانی سے مراد بکرے کی قربانی یا گائے کی قربانی یا اونٹ کی قربانی ہے اور تا اس لفظ سے کہ میرا جینا اور میرا مرنا خاص خدا کے لئے ہے صاف طور پر سمجھا جائے کہ اس قربانی سے مراد روح کی قربانی ہے اور قربانی کا لفظ قرب سے لیا گیا ہے اور یہ اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ خدا کا قرب تب حاصل ہوتا ہے کہ جب تمام نفسانی قوے اور نفسانی جنبشوں پر موت آجائے غرض یہ آیت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قرب تام پر ایک بڑی دلیل ہے اور یہ آیت بتلا رہی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس قدر خدا مین گم اور محو ہوگئے تھے کہ آپ کی زندگی کے تمام انفاس اور آپ کی موت محض خدا کے لئے ہوگئی تھی اور آپ کے وجود مین نفس اور مخلوق اور اسباب کا کچھ حصہ باقی نہیں رہا تھا اور آپ کی روح خدا کے آستانہ پر ایسے اخلاص سے گری تھی کہ اس مین غیر کی ایک ذرہ آمیزش نہین رہی تھی پس اس طرح پر آپنے اس شرط کے ایک حصہ کو پورا کیا جو شفیع کیلئے ایک لازمی شرط ہے اور آخری فقرہ آیت مذکورہ بالا کا یہ ہے کہ میرا جینا اور مرنا اس خدا کے لئے ہے جو تمام جہان کی پرورش میں لگا ہوا ہے اس مین یہ اشارہ ہے کہ میری قربانی بھی تمام جہان کی بھلائی کے لئے ہے ایسا ہی دوسرا حصہ شفاعت کا ہمدردی مخلوق ہے اور ہم پہلے لکھ چکے ہین کہ آیت دَنیٰ فَتَدَلّٰی کا دوسرا لفظ یعنے تدلّٰے اسی ہمدردی پر دلالت کرتا ہے۔ یاد رہے کہ تدلّے کا مجرد دلو ہے اور دلو کہتے ہین ڈول کو کوئین کے اندر ڈبونا تا پانی اسکے اندر بھر جائے

اور دوسرے سے دلو کے یہ ہین کہ کسی کو اپنا شفیع پکڑنا۔ پس تدلّے کے یہ معنے ہین کہ شفاعت کے لئے دور افتادہ لوگوں کیطرف بکمال ہمدردی و غمخواری توجہ کرنا اور اِن سے بہت نزدیک ہو کر اِن کا مکدر پانی اٹھانا اور پاک پانی انکو عطا کرنا +

اور چونکہ خدا سے محبت کرنا اور اس کی محبت مین اعلیٰ مقام قرب تک پہنچنا ایک ایسا امر ہے جو کسی غیر کو اِس پر اطلاع نہین ہو سکتی اس لئے خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ایسے افعال ظاہر کئے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درحقیقت تمام چیزون پر خدا کو اختیار کر لیا تھا اور آپکے ذرہ ذرہ اور رگ و ریشہ مین خدا کی محبت اور خدا کی عظمت ایسی رچی ہوئی تھی کہ گویا آپ کا وجود خدا کی تجلیات کے پورے مشاہدہ کے لئے ایک آئینہ کیطرح تھا خدا کی محبت کاملہ کے آثار جس قدر عقل سوچ سکتی ہے وہ تمام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مین موجود تھے۔ یہ ظاہر ہے کہ ایک شخص جو کسی دوسرے شخص سے محبت کرتا ہے وہ یا تو اُس کے کسی احسان کیوجہ سے اس سے محبت کرتا ہے اور یا اُس کے حُسن کیوجہ سے۔ کیونکہ جب سے کہ انسان پیدا ہوا ہے اس وقت سے آجتک تمام بنی آدم کا متفق علیہ یہ تجربہ ہے کہ احسان محبت کی تحریک کرتا ہے اور باوجود اس کے کہ بنی آدم اپنی طبایع مین بہت سا اختلاف رکھتے ہین۔ تاہم جمیع افراد انسانی کے اندر یہ خاصیت پائی جاتی ہے کہ وہ احسان سے ضرور بقدر اپنی استعداد کے متاثر ہو کر محسن کی محبت دل مین پیدا کر لیتے ہین یہانتک کہ نہایت خسیس اور سنگ دل اور کمینہ فرقہ انسانوں کا جو چور اور ڈاکو اور دیگر جرائم پیشہ لوگ ہین جو بذریعہ مختلف قسم کے جرائم کے وجہ معاش پیدا کرتے ہین وہ بھی احسان

سے متاثر ہو جاتے ہین۔ مثلاً ایک چور جس کا نقب زنی کام ہے اگر اس کو رات کے وقت دو گھروں مین نقب لگانے کا موقعہ ملے اور ان دونون مین سے ایک ایسا شخص ہو جو کبھی اس نے اس کے ساتھ نیکی کی تھی اور دوسرا محض اجنبی ہو تو اس چور کی فطرت باوجود سخت ناپاک ہونے کے ہرگز اس بات کو پسند نہین کرے گی کہ نقب کے وقت اجنبی کے گھر کو تو عمداً چھوڑ دے اور اس اپنے دوست کے گھر مین نقب لگاوے بلکہ انسان تو انسان حیوانات اور درندون مین بھی یہ خاصیت پائی جاتی ہے کہ وہ احسان کرنے والے پر حملہ نہین کرتے چنانچہ اس بارہ مین کتے کی سیرت اور خصلت اکثر انسانون کے تجربہ مین آچکی ہے کہ کس قدر وہ اپنے محسن کی اطاعت اختیار کرتا ہے پس اس مین کچھ بھی شک نہین کہ احسان موجب محبت ہے ایسا ہی حسن کا موجب محبت ہونا بھی ظاہر ہے کیونکہ حسن کے مشاہدے مین ایک لذت ہے اور انسان ایسی چیز کیطرف طبعاً میل کرتا ہے جس سے اس کو لذت پیدا ہوتی ہے اور حسن سے مراد صرف جسمانی نقوش نہین ہین کہ آنکھ ایسی ہو اور ناک ایسی ہو اور پیشانی ایسی ہو اور رنگ ایسا ہو بلکہ اس سے مراد ایک ذاتی خوبی اور ذاتی کمال اور ذاتی لطافت ہے جو کمال اعتدال اور بے نظیر ہے ایسے مرتبہ پر واقع ہو جو اس مین ایک کشش پیدا ہو جاوے پس تمام وہ خوبیان جن کو انسانی فطرت تعریف مین داخل کرتی ہے حسن مین داخل ہوتی ہین اور انسان کا دل ان کی طرف کھینچا جاتا ہے مثلاً ایک شخص ایک ایسا پہلوان بہادر مرد روزگار نکلا ہے کہ کوئی شخص کشتی مین اس کے ساتھ برابری نہین کر سکتا اور نہ صرف اسی قدر بلکہ وہ شیرون کو بھی ہاتھ سے پکڑ لیتا ہے اور میدان جنگ مین

اپنی شجاعت اور طاقت سے ہزار آدمی کو بھی شکست دیسکتا ہے اور ہزارون دشمنون کے محاصرہ مین آکر جان بچاکر نکلجاتا ہے تو ایسا شخص بالطبع دلون کو اپنی طرف کھینچیگا اور لوگ ضرور اس سے محبت کرینگے اور گو لوگون کو اس کی بے مثل پہلوانی اور شجاعت سے کچھ بھی فایدہ نہ ہو بلکہ وہ کسی دور دراز ملک کا رہنے والا ہو جسکو دیکھا بھی نہ ہو یا اس زمانہ سے وہ پہلے گذر چکا ہو مگر تاہم لوگ اس کے قصون کو محبت سے سینگے اور اس کے اِن کمالات کیوجہ سے اس سے محبت کرینگے سو اس محبت کی کیا وجہ ہے ؟ !!

کیا اِس نے کسی پر احسان کیا ہے ؟ ظاہر ہے کہ احسان تو اُس نے کسی پر نہین کیا پس بجز حسن کے اِس کی کوئی اور وجہ نہین پس کچھ شک نہین کہ یہ تمام روحانی خوبیان حسن ہین اور ان کا نام حسن اخلاق اور حسن صفات ہے جو حسن اعضا کے مقابل پر واقع ہے اور احسان مین اور حسن اخلاق اور حسن صفات مین فرق یہ ہے کہ کسی شخص کے نیک خلق یا نیک صفت کو اِس وقت اور اس شخص کی نسبت احسان کے نام سے موسوم کیا جائے گا جب کہ ایک شخص اس نیک خلق یا نیک صفت سے متمتع ہو جائے اور اس سے کوئی فائدہ اٹھالے ۔ پس وہ شخص جو اِس نیک خلق یا نیک صفت سے فائدہ اُٹھائے گا اس کی نسبت وہ نیک خلق یا نیک صفت احسان ہوگا جس کا ذکر بطور مدح اور شکر کے وہ کریگا ۔ لیکن دوسرے لوگون کی نسبت وہ نیک خلق اس کا حسن ہین داخل ہوگا ۔ مثلاً صفت فیاضی اور سخاوت اس شخص کے حق مین احسان ہے جو فیضیاب ہوا مگر دوسرون کی نظر مین حسن صفات سمجھا جائے گا +

غرض خدا کا قانون قدرت اور صحیفہ فطرت جس کا سلسلہ قدیم سے انسان کی بنیاد کے وقت سے چلا آتا ہے وہ ہمین یہ سکھاتا ہے کہ خدا کے ساتھ تعلق شدید پیدا ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے احسان اور حسن سے تمتع اٹھایا ہو اور ابھی ہم لکھ چکے ہین کہ احسان سے مراد خدا تعالےٰ کے اخلاقی نمونے ہین جو کسی انسان نے اپنی ذات کی نسبت بچشم خود دیکھے ہون مثلاً بیکسی اور عاجزی اور کمزوری اور یتیمی کیوقت مین خدا اس کا متولی ہوا ہو اور حاجتون اور ضرورتون کے وقت مین خدا نے خود اس کی حاجت برآری کی ہو اور سخت اور کمر شکن غمون کے وقت مین خدا نے خود اس کی مدد کی ہو اور خدا طلبی کے وقت مین بغیر توسط کسی مرشد اور ہادی کے خدا نے اس کی رہنمائی کی ہو اور حسن سے مراد بھی خدا تعالےٰ کی وہی صفات حسنہ ہین جو احسان کے رنگ مین ملاحظہ ہوتی ہین۔ مثلاً خدا کی قدرت کاملہ اور رفق اور وہ لطف اور وہ ربوبیت اور وہ رحم جو خدا مین پایا جاتا ہے اور وہ عام ربوبیت اسکی جو مشاہدہ ہو رہی ہے اور وہ عام نعمتین اس کی جو انسانون کے آرام کے لئے بکثرت موجود ہین اور وہ علم اس کا جس کو انسان نبیون کے ذریعہ سے حاصل کر کے اور اس کے ذریعہ موت اور تباہی سے بچتا ہے اور اسکی یہ صفت کہ وہ بیقرارون درماندون کی دعائین قبول کرتا ہے اور اس کی یہ خوبی کہ جو لوگ اس کی طرف جھکتے ہین وہ ان سے زیادہ ان کی طرف جھکتا ہے یہ تمام صفات خدا کی اسکے حسن مین داخل ہین اور پھر وہی صفات ہین کہ جب ایک شخص خاص طور پر ان سے فیضیاب بھی ہو جاتا ہے تو وہ اس کی نسبت احسان بھی کہلاتی ہین گو دوسرے کی نسبت فقط حسن مین داخل ہین اور جو شخص خدا تعالےٰ کی ان صفات کو جو دو

درحقیقت اِس کا حسن اور جمال ہے احسان کے رنگ مین بھی دیکھ لیتا ہے تو اس کا
ایمان نہایت درجہ قوی ہوجاتا ہے اور وہ خدا کی طرف ایسا کھینچا جاتا ہے
جیسا کہ ایک لوہا آہن ربا کی طرف کھینچا جاتا ہے اس کی محبت خدا سے بہت
بڑھ جاتی ہے اور اس کا بھروسہ خدا پر بہت قوی ہوجاتا ہے اور چونکہ وہ اِس
بات کو آزما لیتا ہے کہ اِس کی تمام بھلائی خدا مین ہے اس لئے اِس کی امیدین
خدا پر نہایت مضبوط ہوجاتی ہین اور وہ طبعًا نہ کسی تکلف اور بناوٹ سے خدا
کی طرف جھکا رہتا ہے اور اپنے تئین ہر دم خدا سے مدد پانے کا محتاج دیکھتا ہے
اور اس کی اِن صفات کاملہ کے تصور سے یقین رکھتا ہے۔ کہ وہ ضرور کامیاب
ہوگا کیونکہ خدا کے فیض اور کرم اور جود کے بہت سے نمونے اِس کا چشم دید مشاہدہ ہوتا
ہے اس لیئے اس کی دعائین قوت اور یقین کے چشمہ سے نکلتی ہین اور اس کا عقد
ہمت نہایت مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے اور آخرکار بمشاہدہ آلاء اور نعماء الہی کے نور
یقین بہت زور کے ساتھ اس کے اندر داخل ہوجاتا ہے اور اُس کی ہستی بکلی
جل جاتی ہے اور بباعث کثرت تصور عظمت اور قدرت الہی کے اُس کا دل خدا
کا گھر ہوجاتا ہے اور جس طرح انسان کی روح اُس کے زندہ ہونے کی حالت مین کبھی
اُس کے جسم سے جدا نہین ہوتی اِسی طرح خدائے قادر ذوالجلال کیطرف سے جو یقین
اُس کے اندر داخل ہوا ہے وہ کبھی اس سے علیحدہ نہین ہوتا اور ہر وقت پاک
روح اُس کے اندر جوش مارتی رہتی ہے اور اُسی پاک روح کی تعلیم سے وہ بولتا اور
حقائق اور معارف اُس کے اندر سے نکلتے ہین اور خدائے ذوالعزت والجبروت کا خیمہ
ہر وقت اُس کے دل مین لگا رہتا ہے اور یقین اور صدق اور محبت کی لذت ہر وقت

پانی کی طرح اس کے اندر بہتی ہے جس کی آبپاشی سے ہر ایک عضو اُس کا سیراب نظر آتا ہے آنکھوں میں ایک جدا سیرابی مشہود ہوتی ہے پیشانی پر الگ ایک نور اُس سیرابی کا لہراتا دکھائی دیتا ہے اور چہرہ پر محبت الٰہی کی ایک بارش برستی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور زبان بھی اُس نور کی سیرابی سے پورا حصہ لیتی ہے اسی طرح تمام اعضا پر ایک ایسی شگفتگی نظر آتی ہے جیسا کہ ابر بہار کے برسنے کے بعد موسم بہار میں ایک دلکش تازگی درختوں کی ٹہنیوں اور پتوں اور پھولوں اور پھلوں میں محسوس ہوتی ہے لیکن جس شخص میں یہ روح نہیں اُتری اور یہ سیرابی اُس کو حاصل نہیں اُس کا تمام جسم مردار کی طرح ہوتا ہے اور یہ سیرابی اور تازگی اور شگفتگی جس کی قلم تشریح نہیں کر سکتی یہ اس مردار دل کو مل ہی نہیں سکتی جس کو نور یقین کے چشمہ نے شاداب نہیں کیا بلکہ ایک طرح کی سڑی ہوئی بدبو اس سے آتی ہے مگر وہ شخص جس کو نور دیا گیا ہے اور جس کے اندر یہ چشمہ پھوٹ نکلا ہے اس کی علامات سے یہ ایک علامت ہے کہ اس کا جی ہر وقت یہی چاہتا ہے کہ ہر ایک بات میں اور ہر ایک قول میں اور ہر ایک فعل میں خدا سے قوت پاوے اسی میں اس کی لذت ہوتی ہے اور اسی میں اس کی راحت ہوتی ہے وہ اُس کے بغیر جی ہی نہیں سکتا۔ اور قوت پانے کے لیے جو الفاظ خدا کے کلام میں مقرر کئے گئے ہیں وہی ہیں جو استغفار کے نام سے مشہور ہیں۔

استغفار

استغفار کے حقیقی اور اصلی معنے یہ ہیں کہ خدا سے درخواست کرنا کہ بشریت کی کوئی کمزوری ظاہر نہ ہو اور خدا فطرت کو اپنی طاقت کا سہارا دے اور اپنی حمایت اور نصرت کے حلقہ کے اندر لے لے۔

یہ لفظ غفر سے لیا گیا ہے جو ڈھانکنے کو کہتے ہین سو اس کے یہ معنے ہین کہ خدا اپنی قوت کے ساتھ شخص مستغفر کی فطرتی کمزوری کو ڈھانک لے۔ لیکن بعد اس کے عام لوگون کے لئے اس لفظ کے معنے اور بھی وسیع کئے گئے اور یہ بھی مراد کہ خدا گناہ کو جو صادر ہو چکا ہے ڈھانک لے۔ لیکن اصل اور حقیقی معنے یہی ہین کہ خدا اپنی خدائی کی طاقت کے ساتھ مستغفر کو جو استغفار کرتا ہے فطرتی کمزوری سے بچاوے اور اپنی طاقت سے طاقت بخشے اور اپنے علم سے علم عطا کرے اور اپنی روشنی سے روشنی دے کیونکہ خدا انسان کو پیدا کر کے اس سے الگ نہین ہوا بلکہ وہ جیسا کہ انسان کا خالق ہے اور اس کے تمام قوے اندرونی اور بیرونی کا پیدا کرنے والا ہے ویسا ہی وہ انسان کا قیوم بھی ہے یعنے جو کچھ بنایا ہے اس کو خاص اپنے سہارے سے محفوظ رکھنے والا ہے پس جب کہ خدا کا نام قیوم بھی ہے یعنے اپنے سہارے سے مخلوق کو قائم رکھنے والا۔ اس لئے انسان کے لیئے لازم ہے کہ جیسا کہ وہ خدا کی خالقیت سے پیدا ہوا ہے ایسا ہی وہ اپنی پیدایش کے نقش کو خدا کی قیومیت کے ذریعہ سے بگڑنے سے بچاوے کیونکہ خدا کی خالقیت نے انسان پر یہ احسان کیا کہ اس کو خدا کی صورت پر بنایا پس اسی طرح خدا کی قیومیت نے تقاضا کیا کہ وہ اس پاک نقش انسانی کو جو خدا کے دونون ہاتھون سے بنایا گیا ہے پلید اور خراب نہ ہونے دے لھذا انسان کو تعلیم دی گئی کہ وہ استغفار کے ذریعہ سے قوت طلب کرے پس اگر دنیا مین گناہ کا وجود بھی نہ ہوتا۔ تب بھی استغفار ہوتا کیونکہ در اصل استغفار اس لیئے ہے کہ جو خدا کی خالقیت نے بشریت کی عمارت بنائی ہے وہ مسمار نہ ہو اور قائم رہے اور بغیر خدا کے سہارے کے کسی چیز کا قائم رہنا

ممکن نہین +

پس انسان کے لیئے یہ ایک طبعی ضرورت تھی جس کے لیئے استغفار کی ضرورت ہے اسی کی طرف قرآن شریف مین یہ اشارہ فرمایا گیا ہے۔ اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ یعنے خدا ہی ہے جو قابل پرستش ہے کیونکہ وہی زندہ کرنے والا ہے اور اسی کے سہارے سے انسان زندہ رہ سکتا ہے یعنے انسان کا ظہور ایک خالق کو چاہتا تھا اور ایک قیوم کو۔ تا خالق اس کو پیدا کرے اور قیوم اس کو بگڑنے سے محفوظ رکھے سو وہ خالق بھی ہے اور قیوم بھی اور جب انسان پیدا ہو گیا تو خالقیت کا کام تو پورا ہو گیا مگر قیومیت کا کام ہمیشہ کے لیئے ہے اس لیئے دائمی استغفار کی ضرورت پیش آئی غرض خدا کی ہر ایک صفت کے لیئے ایک فیض ہے اور استغفار صفت قیومیت کا فیض حاصل کرنے کے لیئے اسی کی طرف اشارہ سورہ فاتحہ کی اس آیت مین ہے۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ یعنے ہم تیری ہی عبادت کرتے ہین اور تجھ ہی سے اس بات کی مدد چاہتے ہین کہ تیری قیومیت اور ربوبیت ہمین مدد دے اور ہمین ٹھوکر سے بچاوے تا ایسا نہ ہو کہ کمزوری ظہور مین آوے اور ہم عبادت نہ کر سکین +

اس تمام تفصیل سے ظاہر ہے کہ استغفار کی درخواست کے اصل معنے یہی ہین کہ وہ اس لیئے نہین ہوتی کہ کوئی حق فوت ہو گیا ہے بلکہ اس خواہش سے ہوتی ہے کہ کوئی حق فوت نہ ہو اور انسانی فطرت اپنے تئین کمزور دیکھکر طبعاً خدا سے طاقت طلب کرتی ہے جیسا کہ بچہ مان سے دودھ طلب کرتا ہے پس جیسا کہ خدا نے ابتدا سے انسان کو زبان آنکھ دل کان وغیرہ عطا کیئے ہین ایسا ہی استغفار

کی خواہش بھی ابتدا سے ہی عطا کی ہے اور اِس کو محسوس کرایا ہے کہ وہ اپنے وجود کے
ساتھ خدا سے مدد پانے کا محتاج ہے اسی کی طرف اِس آیت مین اشارہ ہے -
وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ یعنے خدا سے درخواست کر
کہ تیری فطرت کو بشریت کی کمزوری سے محفوظ رکھے اور اپنی طرف سے فطرت کو ایسی
قوت دے کہ وہ کمزوری ظاہر نہ ہونے پاوے اور ایسا ہی ان مردون اور عورتون کیلئے
جو تیرے پر ایمان لاتے ہین بطور شفاعت کے دعا کرتا رہ کہ تا جو فطرتی کمزوری سے
ان سے خطائین ہوتی ہین اِن کی سزا سے وہ محفوظ رہین اور آیندہ زندگی ان کی گناہون
سے بھی محفوظ ہو جائے یہ آیت معصومیت اور شفاعت کے اعلے درجہ کی فلاسفی پر مشتمل
ہے اور یہ اِس بات کیطرف اشارہ کرتی ہے کہ انسان اعلے درجہ کے مقام عصمت
اور مرتبہ شفاعت پر تب ہی پہونچ سکتا ہے کہ جب اپنی کمزوری کے روکنے کے
لیئے اور نیز دوسرون کو گناہ کی زہر سے نجات دینے کے لیئے ہردم اور ہر آن دعا مانگتا
رہتا ہے اور تضرعات سے خدا تعالے کی طاقت کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور پھر
چاہتا ہے کہ اِس طاقت سے دوسرون کو بھی حصہ ملے جو بوسیلہ ایمان اِس سے پیوند
پیدا کرتے ہین معصوم انسان کو خدا سے طاقت طلب کرنے کی اِس لیئے ضرورت
ہے کہ انسانی فطرت اپنی ذات مین تو کوئی کمال نہین رکھتی بلکہ ہر دم خدا سے کمال
پاتی ہے اور اپنی ذات مین کوئی قوت نہین رکھتی بلکہ ہر دم خدا سے قوت پاتی ہے
اور اپنی ذات مین کوئی کامل روشنی نہین رکھتی بلکہ خدا سے اُس پر روشنی اُترتی ہے
اس مین اصل راز یہ ہے کہ کامل فطرت کو صرف ایک کشش دیجاتی ہے تا وہ طاقتِ
بالا کو اپنی طرف کھینچ سکے مگر طاقت کا خزانہ محض خدا کی ذات ہے اِسی خزانہ سے

فرشتے بھی اپنے لئے طاقت کھینچتے ہین اور ایسا ہی انسان کامل بھی اسی سرچشمہ طاقت سے عبودیت کی نالی کے ذریعہ سے عصمت اور فضل کی طاقت کھینچتا ہے لھذا انسانون مین سے وہی معصوم کامل ہے جو استغفار سے الہی طاقت کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور اِس کشش کیلئے تضرع اور خشوع کا ہر دم سِلسلہ جاری رکھتا ہے تا اُس پر روشنی اُترتی رہے اور ایسے دل کو اس گھر سے تشبیہ دے سکتے ہین جسکے شرق اور غرب اور ہر ایک طرف سے تمام دروازے آفتاب کے سامنے ہین پس ہر وقت آفتاب کی روشنی اس مین پڑتی ہے لیکن جو شخص خدا سے طاقت نہین مانگتا وہ اس کوٹھڑی کی مانند ہے جسکے چارون طرف سے دروازے بند ہین اور جس مین ایک ذرہ روشنی نہین پڑ سکتی پس استغفار کیا چیز ہے یہ اس آلہ کی مانند ہے جس کی راہ سے طاقت اُترتی ہے تمام راز توحید اسی اصول سے وابستہ ہے کہ صفت عِصمت کو انسان کی ایک مستقل جائداد قرار نہ دیا جائے بلکہ اِس کے حصول کے لئے محض خدا کو سرچشمہ سمجھا جائے ذات باری تعالےٰ کو تمثیل کے طور پر دل سے مشابہت ہے جس مین مصفےٰ خون کا ذخیرہ جمع رہتا ہے اور انسان کامل کا استغفار اُن شرائین اور عروق کی مانند ہے جو دل کے ساتھ پیوستہ ہین اور خون اس مین سے کھینچتی ہین اور تمام اعضا پر تقسیم کرتی ہین جو خون کے محتاج ہین +

زبان عربی کی ناواقفیت اور اِس سچے تعلق کو جو اللہ تعالےٰ اور اس کے بندون مین ہوتا ہے نہ سمجھنے کے باعث بہت لوگون نے اِستغفار کے معنون مین غلطی کھائی ہے استغفار جیسا کہ اسکے باب استفعال سے ہونے سے صاف ظاہر ہے کسی شے کی طلب یا دعا ہے۔ شے مطلوب کے سمجھنے کیلئے لفظ کے اصل معنون کو

دیکھنا ضروری ہے استغفار غفر سے نکلا ہے جس سے مغفرت غفران وغیرہ دوسرے مصدر بھی آئے ہین لفظ غفر کے اصل اور اول معنے جس سے تمام دوسرے مفہوم نکالے گئے ہین ڈھانکنے یا حفاظت کے ہین لہذا استغفار کے اصلی معنے حفاظت کے لئے دعا یا طلب حفاظت ہوئے۔ باقی رہے یہ امر کہ کس سے حفاظت طلب کی جاتی ہے اور کس بارے مین حفاظت طلب کی جاتی ہے سو ان مین سے امر اول کے متعلق تو اتنا کہدینا کافی ہے کہ یہ اصطلاح مذہب اسلام کی ہے اور اس لئے یہ دعا بھی خدائے تعالے کے سوائے اور کسی کے آگے نہین ہو سکتی۔ کیونکہ اسلام نے صرف اللہ تعالےٰ کو ہی وہ ہستی قرار دیا ہے جس سے تمام دعائین مانگی جانی چاہئین۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اسلام مین مروج طریق استغفار کا استغفر اللہ ہی ہے جس سے بھی یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ استغفار مین حفاظت اللہ تعالیٰ سے ہی مانگی جاتی ہے۔ اس لئے یہانتک تو کسی عیسائی کو بھی انکار کی گنجائش نہین ہو سکتی کہ استغفار کا اصل اور سچا مفہوم اللہ تعالےٰ سے حفاظت طلب کرنا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ حفاظت کس بارے مین ہے آیا اس کا منشاء صرف یہ ہے کہ ان بدیون کی سزا سے حفاظت طلب کی جاوے جن کا کوئی شخص مرتکب ہو چکا ہے یا اولاً حفاظت خود بدی اور گناہ سے طلب کی جاتی ہے اور اور پھر معنون کو وسعت دینے سے وہ حفاظت بھی اس مین شامل ہو جاتی ہے جو بدیون کی سزا سے طلب کی جاوے؛

ان سوالون کے جواب کے لئے سب سے پہلے ہمین یہ دیکھنا چاہئے کہ اللہ تعالےٰ کا اپنی مخلوق سے کیا تعلق ہے آیا اللہ تعالےٰ نے انسان کو پیدا

کر کے پھر اس سے کوئی تعلق رکھا ہے یا نہین سو واضح ہو کہ اللہ تعالےٰ صرف خالق ہی نہین بلکہ وہ قیوم بھی ہے اور جس چیز کو اُس نے پیدا کیا ہے اِس کی حفاظت بھی کرتا ہے جیسا کہ انسان بغیر خدا ے تعالےٰ کی خالقیت کے عدم سے وجود مین نہ آسکتا تھا ایسا ہی بغیر اللہ تعالےٰ کی حفاظت کے وہ پیدا ہونے کے بعد رہ نہ سکتا تھا۔ اللہ تعالےٰ کی صفت خالقیت کا یہ تقاضا تھا کہ وہ انسان کو پیدا کرے اور صفت قیومی کا یہ تقاضا تھا کہ جس چیز کو اُس نے اپنی صورت پر پیدا کیا تھا اِس کو بگڑنے اور ہمیشہ کی تباہی سے بچاوے۔ انہی دو صفات کے بیان کے لیئے قرآن شریف مین اللہ تعالےٰ کے اسماء حیّ اور قیوم آئے ہین یعنے عدم سے وجود مین لانے والا۔ اور حفاظت کرنے والا۔ اِس مین کوئی شک نہین کرسکتا کہ انسان کی زندگی کے لیئے جیسا کہ خالق کی ضرورت ہے قیوم کی بھی ضرورت ہے۔ اب جیسا کہ خدا تعالےٰ مین یہ حفاظت کی صفت موجود ہے اسی تقاضا کو پورا کرنے کے لیئے انسانی فطرت مین ایک کمزوری ہے جو اِسکے مخلوق ہونے کا لازمی نتیجہ ہے۔ فطرت کی کمزوری چاہتی ہے کہ اِس کا سہارا کسی پر ہو قرآن شریف نے انسانی فطرت کی کمزوری کو اِن الفاظ مین بیان کیا ہے خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا یعنے انسان کی پیدائش مین ہی کمزوری رکھی گئی ہے۔ انسان کا مخلوق ہونا ہی اِس کمزوری کو چاہتا تھا تا اِس کا سہارا اپنے خالق پر ہو۔ انسان ہر قدم مین اسی طرح اپنے خالق کا محتاج ہے جس طرح بچہ اپنی مان کا۔ پس ایک طرف تو اللہ تعالےٰ کی صفت قیوم ہونے کی ہے اور دوسری طرف انسانی فطرت کی کمزوری ہے جو کسی سہارے اور مدد کو چاہتی ہے۔ اب اگرچہ

اللہ تعالےٰ نے انسان کی بیرونی اور اندرونی حفاظت کے لیئے ہزارہا قسم کے اسباب پیدا کئے ہیں اور بن مانگے انسان کو وہ وسایل عطا کئے ہیں جن سے اسکی زندگی کا قیام ہے مگر اس میں کچھ شک نہیں ہوسکتا کہ انسانوں کو چونکہ عقل دی گئی ہے اس لئے خدا تعالےٰ کی بعض عنایات ایسی ہیں کہ وہ انسان کو بھی طلب کرنی چاہئیں تاکہ وہ اُن سے فایدہ اُٹھا سکے۔ ہر ایک سمجھدار آدمی اپنی فطرت کی کمزوری کو محسوس کرتا ہے۔ اور اس بات کا احساس رکھتا ہے کہ انسانی فطرت خود بخود بُری کششوں کو روکنے کی طاقت نہیں رکھتی بلکہ ایسی طاقت صرف خدائے تعالیٰ سے مل سکتی ہے جو تمام طاقتوں کا سرچشمہ ہے۔ اس لیئے پھر اگر جان بوجھکر وہ خدائے تعالےٰ سے طاقت طلب نہیں کرتا تو وہ خود خدا تعالےٰ کے اس عطیہ سے اپنے تئیں محروم رکھتا ہے جس کو وہ طلب کرتا تو اُس سے فایدہ اٹھا سکتا تھا۔ اسی مانگنے کی ضرورت کی طرف ہی قرآن شریف کی اس آیت میں اشارہ ہے جہاں یہ دعا سکھلائی گئی ہے کہ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ گویا اس آیت میں اللہ تعالیٰ انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ فطرتی کمزوری کو پورا کرنے کے لیئے وہ اللہ تعالےٰ کی حفاظت اور مدد مانگا کرے جیسا جیسا کسی انسان کو اس فطرتی کمزوری کا احساس زیادہ ہوگا۔ ویسا ویسا ہی خدائے تعالےٰ سے زیادہ طاقت مانگے گا اور اتنا ہی زیادہ خدا تعالےٰ کی حفاظت اور مدد کو پائے گا ✦

یہانتک یہ دلیل اس قدر روشن اور واضح ہے کہ ہم نہیں سمجھتے کہ جو شخص خدا تعالےٰ کی ہستی پر ایمان لاتا ہو اس کو اس کے ماننے سے کیونکر انکار ہوسکتا ہے۔ خدا تعالےٰ میں قیوم ہونے کی صفت ہے اور انسان کی فطرت میں کمزوری ہے جو کسی سہارے

کو چاہتی ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ فطرتی کمزوری کے بد اثر سے محفوظ رہنے کے لیئے انسان خدا تعالےٰ کی مدد اور حفاظت کو طلب کرے۔ دوسرے لفظوں مین جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ گناہ سے بچا رہے اسے خدا تعالےٰ سے حفاظت اور مدد کی دعا کرنی چاہیئے یہی بعینہ استغفار کے اصلی اور سچے معنے ہین کیونکہ استغفار کے اصلی معنے لغت کی رو سے ہم دکھلا چکے ہین یہی ہو سکتے ہین کہ انسان خدا تعالےٰ سے حفاظت اور مدد طلب کرے۔ اور یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ خدا تعالےٰ کی حفاظت اور مدد کا کرنا بدی سے بچنے کے لیئے ضروری ہے تو گویا استغفار بدی سے بچنے کے لیئے ضروری ہوا بغیر اس بحث کے کہ کوئی انسان جو ایسی حفاظت طلب کرتا ہے گنہ گار ہے یا نہین۔ اگر گنہ کا وجود بھی نہوتا تو بھی چونکہ انسان کا اصل سہارا خدا ہی ہے۔ خدا تعالےٰ سے حفاظت طلب کرنا ضروری ہوتا یا دوسرے الفاظ مین استغفار ضروری ہوتا۔ استغفار دائمی ہے تا کہ وہ عمارت جس کو خدا نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے ضائع نہ ہو جاوے۔ لیکن یہ بغیر خدا تعالیٰ کی مدد اور حفاظت کے ممکن ہی نہ تھا انسانی فطرت مین ایک طبعی تقاضا تھا جس کو پورا کیئے بغیر وہ کمال کو حاصل ہی نہ کر سکتا تھا اسی تقاضے کو پورا کرنے کے لیئے اس کو استغفار کی ہدایت کی گئی تا کہ خدا تعالےٰ کی مدد کے ساتھ فطری کمزوری کا ازالہ ہو جائے۔ خدا تعالےٰ کی صفت خالقیت کا ظہور تو صرف پیدا کرنے کے وقت ہی ہوتا ہے۔ لیکن اس کی صفت قیومیت چونکہ انسان کی زندگی کے ساتھ وابستہ ہے اس لیئے اس کا ظہور بھی ہر وقت ضروری ہے۔ یہان سے استغفار کی دائمی ضرورت پیدا ہوتی ہے ✦

اس تمام بحث سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ **استغفار** کی سچی اور اصلی

ضرورت بدی سے بچنے کے لیئے ہے اور اس لیئے جو سوال ہم نے ابتدا مین اٹھایا
تھا کہ استغفار مین دعا کس امر سے حفاظت کے لیئے مانگی جاتی ہے اس کا جواب یہ ہوا
کہ اولاً وہ امر جس سے حفاظت طلب کی جاتی ہے انسانی فطری کمزوری ہی ہے۔
انسان کی فطرت اور اللہ تعالےٰ کے صفات دونون اس امر کے مقتضے ہین کہ بدی سے
بچنے کے لئے استغفار کیا جاوے۔ جس پہلو سے سوچا جائے یہی امر حق معلوم ہوتا ہے۔
انسانی دل مین یہ خواہش ہے کہ جو بدی وہ کر چکا ہے اُس سے بچنے کے لیئے دعا کرے
تو اس سے بڑھ کر یہ تڑپ اُس کے دل مین لگی ہوئی ہے کہ وہ بدی سے بچایا
جاوے اور نفس امارہ کی تمام خواہشین دبی رہ کر وہ ایک پاکیزہ زندگی بسر کرے بلکہ یہ
دوسری خواہش انسانی فطرت مین منقوش ہے اور ہمیشہ وہاں موجود ہے اور ہر
ایک شخص کو خواہ اس نے گناہ کیا ہو یا نہ کیا ہو لگی ہوئی ہے۔ حالانکہ گناہ کی سزا
سے بچنے کی خواہش صرف گناہ کرنے کے بعد پیدا ہوتی ہے اور اس لیئے یہ ایک
عارضی چیز ہے۔ گناہ سے نجات پا جانا ہی نجات ہے اور چونکہ ہر ایک دل مین نجات
کی خواہش فطرتی طور پر لگی ہوئی ہے اس لیئے تمام انسانون کی پہلی اور سب سے بڑی
خواہش یہی ہے کہ وہ گناہون سے نجات حاصل کریں علاوہ اس کے گناہ کی سزا سے
بچنے کی سچی خواہش کبھی دل مین پیدا ہوتی ہی نہین جب تک کہ اس کے ساتھ یہ
سچی خواہش نہ ملی ہوئی ہو کہ خود گناہ سے ہی نجات مل جائے سچی توبہ یہی ہے کہ انسان
کا دل بدی سے بیزار ہو جائے اور گناہ سے اُس کو سخت نفرت ہو جائے ان تمام
باتون سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے بڑی خواہش جو انسانی دل مین ہے وہ یہی
ہے کہ وہ بدی سے بچایا جاوے اور اس لیئے اگر استغفار کے ایک ہی معنے ہوتے

اور اُس کے معنون مین وسعت ہوتی تو وہ معنے اِس کے سوائے کچھ نہو سکتے تھے
کہ خدا تعالےٰ سے بدی سے بچنے کے لیئے دعا کی جاوے اور اِس لیئے بدی کے نتائج
سے محفوظ رکھے جانے کے معنے استغفار کی اہم غرض اور اصل مفہوم نہین ہو +
جس نتیجہ پر ہم پہونچے ہین اِس کی تائید اور طرح پر بھی ہوتی ہے اگر ہم یہ دیکھین
کہ انبیاء کی بعثت کی اصل غرض کیا ہوتی ہے تو معلوم ہوگا کہ یہ غرض کبھی صرف
یہی ہوتی ہے کہ وہ انسانون کو گناہ سے نجات دیوین اور یہ غرض نہیں ہوتی کہ
لوگ گناہ کرتے جاوین اور انبیاء اُن کے گناہ معاف کرا کر اِن کو سزا سے
بچاتے جاوین۔ اِس لئے جو کام کسی نبی نے کیا ہے اُس کا اندازہ صرف اِسی
سے ہو سکتا ہے کہ کس قدر اِس کے ذریعہ سے دنیا نے گناہ سے نجات پائی
ہے اور اِسی ایک معاملہ مین اِن کی فضیلتون کا بھی مقابلہ ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ
ہے کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو وہ بزرگی اور فضیلت حاصل ہے جو اور
کسی نبی کو نہین ہوئی آپ ایسے وقت مین مبعوث ہوئے جب دنیا پر ایک تاریکی
چھائی ہوئی تھی اور عملی اور اعتقادی طور پر دنیا ضلالت مین پڑی ہوئی تھی عرب
کے لوگ جو بلاواسطہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مخاطب تھے اِن کی یہ
حالت تھی کہ بدیون مین غرق ہوئے ہوئے تھے اور اخلاق فاضلہ کا نام تک بھی نہ
جانتے تھے۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ مین آپ نے ایک عظیم الشان تبدیلی اُن کی
زندگی مین کر دکھائی اور تمام بدیون سے جن مین وہ مبتلا تھے اُن کو نجات دی
بدی کے اتھہ گڑھے سے نکال کر آپ نے اِن کو تہذیب کے اعلےٰ معراج پر پہنچایا
اور دنیا کو گناہ سے نجات دینے کا وہ نمونہ دیا جو محسوس اور مشہود ہے۔ اِسی ایک

بات میں یسوع کی ناکامی نظر آتی ہے۔ عیسائی اُس کے متعلق صرف یہی کہ سکتے ہین کہ اس کے ذریعہ گناہ معاف ہو گئے لیکن گناہ سے نجات دینے کا نمونہ انجیل کے مطابق ان کی زندگی مین کہیں نہین ملتا اور نہ انجیلین اس امر پر کچھ روشنی ڈالتی ہین کہ کتنے ہزار آدمیون کو یسوع نے اپنی زندگی مین اور اپنے وعظ اور نمونہ سے بدی سے بچایا۔ اور یہ جو بار بار کہا جاتا ہے کہ اُس کی موت کے بعد اُس کے پیروؤن مین تبدیلی پیدا ہو گئی تھی بالکل ناقابل اعتبار بیان ہے۔ کیونکہ جب وہ زندگی مین کچھ نہین کر سکا تو کون عقلمند کہہ سکتا ہے کہ مر کر وہ کوئی اثر ڈال سکا ہو زندگی مین تو وہ اپنے خاص مریدون کو بھی گناہ سے نہ چھوڑا سکا۔ بلکہ گیاران حواری بھی (بارہوان تو قابل ذکر ہی نہین) عین موقعہ پر اپنے اُستاد کو چھوڑ کر بھاگ گئے اور اس طرح سے ایک بڑے گناہ کے مرتکب ہوئے ✤

غرضیکہ انبیاء کی بعثت کی علت غائی گناہ سے نجات دینا ہوتا ہے اور قرآن مین ایسی آئتین بکثرت موجود ہین لیکن چونکہ یہ غرض بغیر اس کے کہ گناہ سے نجات حاصل کرنے کے لیئے دعا سکھلائی جائے حاصل ہی نہ ہو سکتی تھی جیسا کہ خود مخالفین کے نزدیک بھی مسلم ہے کیونکہ خدا تعالےٰ سے ہی وہ طاقت ملتی ہے جس سے انسان شیطان پر غلبہ پا سکتا ہے۔ اس لیئے یہ ایک حیرت انگیز بات ہوگی کہ خدا کا ایک نبی اس غرض کے لیئے دنیا مین آئے اور نبی بھی وہ جس نے سب سے زیادہ دنیا کو گناہ سے نجات دی ہو اور پھر وہ بغیر اس قسم کی دعا کے سکھانے کے دنیا سے چلا جائے قرآن شریف جو بار بار تزکیہ نفس پر اور پاکیزگی کی زندگی پر زور دیتا ہے تو کیا اس مین وہ ذریعہ نہین بتایا گیا جس سے

انسان پاک زندگی حاصل کر سکتا ہے ؟ پھر ہم پوچھتے ہین کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم
نے جو لاکھوں مخلوق کو کھلے کھلے طور پر جس سے انکار نہیں ہو سکتا گناہ سے نجات
دی تو کیا یہ بغیر اِس ذریعہ کے سکھانے کے تھی جس سے انسان کو گناہ سے نجات
مل سکتی ہے ؟ اگر اِن سوالون کا جواب ہم ہان ہین دین تو گویا متضاد امور کو اور
متضاد باتون کو اکٹھا کرین گے +

یہ تمام امور اسی بات پر شاہد ہین کہ استغفار کی علت غائی بدی سے
بچے رہنا ہے - استغفار دعا ہے جو سب دعاؤن سے افضل ہے - یہ روز کی
روٹی کے لئے دعا نہیں بلکہ خدا تعالےٰ کی حفاظت اور قوت کے لئے دعا
ہے گرنے اور ٹھوکر کھانے سے بچایا جانے کے لئے دعا ہے اور سب سے اعلیٰ اور اکمل
برکات حاصل کرنے کے لئے دعا ہے - یہ خدا تعالےٰ اور اس کے بندے مین
شدید اور مضبوط تعلق پیدا کرنے والی دعا ہے اور انسانی روح کا اس مقام
تک پرواز کراتی ہے جو سب سے بلند مقام ہے - جو شخص استغفار کرتا ہے وہ
اپنے مولےٰ کے سامنے عاجز ہو کر گر جاتا ہے وہ اپنے نفس کی کمزوری رستہ کے
خطرون اور اپنے معطلے کی طاقتون کو خوب دیکھتا اور سمجھتا ہے وہ اپنی قوت پر
بھروسہ نہیں کرتا بلکہ ایک طاقت ور ہستی کی حفاظت مین آجاتا ہے اور اسی
سے مدد طلب کرتا ہے اس کی تمام خوشی بلکہ اس کا بہشت اسی مین ہے کہ وہ
اس مضبوط چٹان پر قائم ہو جائے اور بغیر خدا تعالےٰ کی حفاظت کے اس کی
زندگی ہی نہیں ہوتی - وہ خدائے تعالےٰ سے دعا کرتا ہے کہ اسے نفس کی کمزوریوں کا
مطیع ہونے سے بچاوے اور اپنی پناہ اور اپنے سایہ میں اسکو لے لیوے وہ اپنے

آپ کو بالکل نیست کر دیتا ہے اور اُس کے لیئے جو کچھ ہوتا ہے خدا ہی ہوتا ہے اِس کی ہر دم یہی دُعا ہوتی ہے کہ وہ اپنی طاقت سے لِسے انسانی کمزوریون کی لغزش سے بچاوے اور اپنی قوت مین سے اِس کو قوت دے اور اپنے نور سے اِس کو نور دے اور خود ہی اُسے ہدایت کرے۔ جو شخص ہمیشہ استغفار کرتا ہے وہ اپنی کمزوری کو جان لیتا ہے اور اِس لئے مدد اور حفاظت کے لیئے ہر لمحہ خدا کی طرف دوڑتا ہے اور اُس کا استغفار اِس امر کی شہادت دیتا ہے کہ وہ نفس کی کمزوریون پر غالب آگیا اور بدی کی کششون کو دور کر دیا کیونکہ وہ اپنی قوت سے نہین بلکہ خدا کی قوت سے بڑھا اور اُس کے نور نے نازل ہو کر اِن تمام کمزوریون کو دبا دیا جو اُس کے گناہ کا باعث ہو سکتی تھین دانشمند انسان چونکہ اپنے نفس کی کمزوری پر آگاہی رکھتا ہے اِس لیئے وہ اپنی طاقت پر بھروسہ نہین کرتا بلکہ خدا تعالےٰ سے مدد طلب کرتا ہے کہ وہ گرنے اور ٹھوکر کھانے سے بچایا جاوے اور استغفار پر اُس کا سہارا ہوتا ہے۔ معصوم وہی ہے جو مدد کے لیئے خدا تعالےٰ کی طرف بھاگتا ہے وہ اس بات کو یقیناً جانتا ہے کہ انسانی فطرت خود بخود کمال اپنے اندر نہین رکھتی۔ بلکہ یہ کمال اُسے خدا تعالےٰ سے حاصل ہوتا ہے اور کہ وہ خود بخود طاقت نہین رکھتی بلکہ ایسی طاقت اُسے ہر لمحہ خدا سے ملتی ہے اور کہ خود بخود اِس کے اندر کامل روشنی نہین بلکہ کامل روشنی اُسے خدا تعالےٰ سے ملتی ہے۔ انسانون مین سے وہی کامل طور پر معصوم رہے ہے جو ہر وقت اور ہر لحظہ خدا تعالےٰ سے قوت طلب کرتا اور قوت پاتا ہے اور اِسی کے لیئے چلاتا اور دُعا کرتا ہے یہی خدائے تعالےٰ کی توحید کے راز کا اصل اصول ہے کہ عصمت کو کسی انسان کی ملکیت خاص نہ کیا جاوے بلکہ اِس کا اصل سرچشمہ خدا ہی ہے اور جو اس سے طلب کرتے

ہیں وہی پاتے ہیں ✦

ہم اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ استغفار کے معنے بعض حالتوں میں وسیع کیئے جاتے ہیں لیکن معنوں کی اس وسعت کے ساتھ اس کے اصل مفہوم پر کچھ اثر نہیں پڑتا اور نہ اس میں کوئی تغیر ہی آتا ہے۔ وسیع معنوں میں استغفار سے یہ مراد ہوتی ہے کہ جو گناہ انسان سے ہوچکے ہیں اُن کی سزا سے اور بد نتائج سے اللہ تعالےٰ سے حفاظت طلب کیجاوے۔ یہاں بھی حفاظت کے طلب کرنے کا مفہوم جو اسکے اصل معنوں میں موجود ہے پایا جاتا ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ اس صورت میں گناہ کے بد نتائج سے حفاظت طلب کیجاتی ہے۔ لیکن ان معنوں میں یہ لفظ اُن لوگوں پر کبھی نہیں بولا گیا جن کو خدا تعالےٰ نے برگزیدہ اور اپنے پیارے اور مقرب لوگ بیان کرتا ہے۔ کیونکہ ان کے ساتھ خدا تعالےٰ کے یہ وعدے ہیں کہ کسی قسم کی سزا ان کو نہیں ہوگی اور خدا تعالےٰ کے رحم کی گود میں بٹھائے جائینگے۔ پھر ان کے استغفار کے یہ معنے کیونکر ہوسکتے ہیں کہ ان کو دوزخ سے بچایا جائے جب کہ خدا تعالےٰ خود ان کو فرما چکا ہے کہ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا یعنے وہ دوزخ کی آہٹ بھی نہ سنیں گے۔ اگر اسکے استغفار کے یہی معنے ہوتے تو پھر گویا اُن کو خدائے تعالےٰ کے وعدوں پر کوئی ایمان نہ ہوا۔ وہ جسے خدائے تعالےٰ کہتا ہے کہ ہم نے تجھے تمام جہان کے لیئے رحمت کر کے بھیجا ہے کیونکر شک کر سکتا ہے کہ اسے خدا تعالےٰ کے رحم سے حصہ ملیگا یا نہیں ؟

قرآن شریف میں بکثرت ایسی آیات موجود ہیں جن سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کی اپنی ہستی کچھ نہیں ہوتی بلکہ وہ اس طرح بکلی خدا تعالےٰ کے تصرف میں ہوتے ہیں جس طرح ایک کُل انسان کے تصرف میں ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو اللہ تعالے حکم دیتا ہے قُلْ اِنَّ صَلوٰتِی وَنُسُکِی وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِی لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ترجمہ کہدے کہ میری ایسی حالت ہے کہ میری اپنی ہستی پر بالکل موت وارد ہوچکی ہے اور میری عبادت اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا خالص اور بغیر کسی ملاوٹ کے اللہ تعالے کے لئے ہے جو تمام جہانون کا پروردگار ہے۔ یہ آیت قطعی ثبوت اس امر کا ہے کہ انبیاء نہین بولتے جب تک خدا اُن کو نہ بلائے اور کوئی کام نہین کرتے جب تک خدا اُسے نہ کرائے جو کچھ وہ کہتے ہین یا کرتے ہین وہ خدا تعالے کے احکام کے نیچے کہتے یا کرتے ہین اور اُن سے وہ طاقت سلب کی جاتی ہے جس سے خدا تعالے کی مرضی کے خلاف کوئی انسان کرتا ہے وہ خدا کے ہاتھ مین ایسے ہوتے ہین جیسے مردہ۔ اور اس کی ہستی اُن پر ایسی غالب ہوتی ہے کہ اِن کی اپنی ہستی پر فنا آجاتی ہے اُن کے اقوال و افعال اُسی کی مرضی کے مطابق ہوتے ہین بلکہ وہ تمام اُسی کیطرف سے ہوتے ہین مثلاً ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت قرآن کریم مین اللہ تعالے فرماتا ہے وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی۔ جو کام تونے کیا وہ تونے نہین بلکہ خدا نے کیا اور پھر کہتا ہے وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔ یہ نبی اپنی خواہش سے کلام نہین کرتا بلکہ وہی بات بولتا ہے جو اُس کو خدا تعالے بذریعہ وحی حکم دیتا ہے۔ اِن آیات مین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کو خدا تعالے اپنے اقوال و افعال قرار دیتا ہے پس قرآن کریم مین یہ صاف دعوے ہے کہ انبیاء خدا تعالے کے منشاء کے مظہر ہوتے ہین انکی اپنی خواہشات کچھ نہین ہوتین بلکہ اِن کا جینا مرنا سب کچھ خدا کی خاطر ہی ہوتا ہے اور اپنی بڑائی کی اس مین کوئی ملاوٹ نہین ہوتی۔ اِن کی روح خدا تعالی کے

آستانہ پر ایسی گری ہوئی ہوتی ہے اور ایسی خالص عظمت اسی کی چاہتی ہے کہ غیر کا اس مین کوئی حصہ نہین ہوتا +

اسی قسم کی اور آیات قرآن شریف مین بکثرت ہین لیکن چونکہ مضمون کے طویل ہونے کا اندیشہ ہے اس لئے ہم صرف ایک اور موقع اس قسم کا نقل کر کے بس کرتے ہین۔ سورہ انبیار مین یہ آئتین ہین۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ۝ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ ۚ بَلْ عِبَادٌ مُكْرَمُونَ ۝ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ۝ وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَٰهٌ مِنْ دُونِهِ فَذَٰلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ۝ ترجمہ۔ اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہین بھیجا جس کو یہ وحی نہ کی ہو کہ سوائے میرے اور کوئی معبود نہین سو میری ہی پرستش کرو اور کہا (عیسائیون نے) رحمن نے (یسوع کو) بیٹا بنایا۔ پاک ہے وہ اس سے بلکہ سب ہی لیکے معزز بندے ہین کلام کرنے مین اس سے آگے نہین چلتے اور وہ اسی کے حکم پر کام کرتے ہین۔ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے اور ان کے پیچھے ہے اور وہ شفاعت نہین کرتے مگر اس کیلئے کہ جس سے وہ خوش ہو اور وہ اسکے خوف سے ڈرتے ہین اور جو کوئی ان مین سے یہ کہے کہ مین خدا ہون (جیسا کہ عیسائی سمجھتے ہین عیسیٰ نے کہا) تو ہم اس کو سزا ے جہنم دینگے۔ ظالمون کو ہم اسی طرح سزا دیتے ہین۔ ان آیتون کے لکھنے سے ہماری غرض یہ ہے کہ ان مین انبیار کا ہی ذکر ہے اور انبیار کی نسبت ہی یہان یہ کہا گیا ہے کہ وہ کوئی کلام نہین کرتے جب تک خدا تعالےٰ کلام نکرے

اور کوئی کام نہیں کرتے جب تک خدا تعالےٰ حکم نہ دے۔ گویا انبیاء کے اقوال و افعال
کو خدا نے پھر اس جگہ اپنے اقوال و افعال کہا ہے۔ اور اس لیئے یہ کہنا سخت غلطی ہے
کہ وہ بھی کبھی خدا کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہین اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے جب کہ اُنکے
آنے کی اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگون کو خدا کے احکام پر چلاوین تو گویا وہ خدا کے
احکام کو عملدرآمد مین لانے والے ہوتے ہین اس لیئے اگر وہ خود ہی احکام کی خلاف
ورزی کرین تو پھر وہ عملدرآمد کرنے والے نہ رہے یا دوسرے لفظون مین یون کہو
کہ نبی نہ رہے وہ خدا تعالےٰ کے مظہر اور اُس کے اقوال و افعال کے مظہر ہوتے ہین
پس خدا تعالےٰ کے احکام کی خلاف ورزی اُن کی طرف منسوب ہی نہین ہو سکتی۔ ہم
یہان یہ بھی بیان کرنا چاہتے ہین کہ اگرچہ آیات کے آخری الفاظ مین کہ جو کوئی کہے کہ مین
خدا ہون صرف فرض کیطور پر ایک امر بیان کیا گیا ہے اور پھر ساتھ ہی اُسکے اِن الفاظ
سے کہ ہم اُسے دوزخ مین ڈالینگے اِس کی نفی بھی کی گئی ہے۔ (کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے
کہ اُسکے صالح بندے دوزخ کی آہٹ بھی نہ سُنین گے) لیکن تاہم ہم اِس سے انکار نہین
کر سکتے کہ اِن الفاظ مین عیسائی عقیدہ کیطرف ایک لطیف اشارہ ہو جس نے پہلے
یسوع کو خدا بنایا اور پھر اُسے دوزخ مین بھیجا +

غرض متذکرہ بالا آیات سے اور اسی قسم کی دوسری آیات سے جو بکثرت
قرآن کریم مین موجود ہین یہ قطعی ثبوت ملتا ہے کہ انبیاء کے اقوال و افعال کو خدا تعالےٰ
اپنے اقوال و افعال ٹھیراتا ہے۔ اور وہ اسی طرح پھرتے ہین جس طرح وہ اُن کو پھراتا
ہے وہ اِس کے ہاتھ مین ایسے بے اختیار ہوتے ہین جیسے کہ ایک مردہ اور بلکل
اسی کے تصرف مین ہوتے ہین اُن کے اپنے جذبات اور خواہشات کچھ نہین ہوتے

اور نہ اُن کے حرکات اور کلام اور ارادے اُن کے اپنے ہوتے ہین۔ حرکت یا سکون۔ رنج یا راحت۔ خوشی یا غم۔ محبت یا عداوت۔ عفو یا انتقام۔ سخاوت یا بخل۔ شجاعت یا بزدلی۔ رحم یا غضب اِن کی طرف منسوب ہی نہیں ہوسکتے کیونکہ اُن کی اپنی مرضی یا اپنے ارادے کچھ نہیں ہوتے۔ وہ خدا تعالےٰ کے تصرف تام مین ہوتے ہین اور انکے تمام قوے اُسی کی خدمت مین لگے ہوئے ہوتے ہین +

اِس طرح پر اگرچہ استغفار کا اصلی اور حقیقی مفہوم خدا تعالےٰ سے حفاظت اور مدد کی دُعا کرنی ہی اور انبیاء علیہم السّلام کے حق مین انھین معنون مین یہ لفظ بولا گیا ہے تاہم اِس کے معنے عام انسانون کے لئے وسیع کئے گئے ہین جن کو دونو دعاؤن کی ضرورت ہے یعنے گناہ سے حفاظت کی دُعا اور گناہ کی سزا سے حفاظت کی دُعا۔ اِن دونو دعاؤن کا ایک ہی لفظ مین اکٹھا کر دینا انسانی فطرت کے صحیح علم کو ظاہر کرتا ہے اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف کے نزدیک صرف گذشتہ گناہوں کے لئے پچھتانے یا افسوس کرنے کا ہی نام توبہ نہیں ہے بلکہ سچی توبہ وہ ہے جس کے ساتھ سچی اور دلی خواہش گناہ سے بچنے کی اور سچا اور مضبوط ارادہ بدی سے پرہیز کرنے کا ہو استغفار ہی ہے جو انسانی فطرت کے دونو تقاضونکو پورا کرتا ہے اور انسان کو نجات کے لئے جن دو چیزون کی ضرورت ہے وہ دونو مہیا کرتا ہے اِس طرح پر استغفار ہر ایک طبقہ کے انسانون کے لیئے اعلےٰ سے اعلےٰ دُعا ہے +

استغفار کے معنے جو قرآن کریم کے رو سے اوپر بیان کئے گئے ہین اِن معنون کے لحاظ سے استغفار ہی ایک سچا ذریعہ خدا تعالےٰ سے قوت اور

طاقت طلب کرنے کا ہے اور استغفار ہی وہ راستہ ہے جس میں چلکر انسان معصوم رہ سکتا ہے اور کوئی سمجھدار آدمی اس سے انکار نہین کر سکتا لیکن جو لوگ بجائے خدائے تعالےٰ پر بھروسہ کرنے کے ایک انسان کے خون پر بھروسہ کر بیٹھے ہین وہ استغفار کی برکات کو نہین سمجھ سکتے۔ اِن کا سہارا اور قوت خدا مین نہین ہے بلکہ ایک کمزور انسان مین جو اِن کے زعم کے مطابق صلیب پہ مارا گیا وہ استغفار کو گناہ کا علاج نہین سمجھتے انبیاء کو گنہ گار ٹھیرلتے ہین اور خدا تعالےٰ کی بے ادبی کرتے ہین اور کہتے ہین کہ لاکھون آدمیون مین سے جو ہر زمانہ مین سوسائٹی کے لئے ضرر رساں ہونے کے سبب سے پھانسی دیئے جاتے اور صلیب پر چڑھائے جاتے ہین ایک انسان جس کو وہ تجویز کرتے ہین ایسا تھا کہ اس کے صلیب پر مرنے سے تمام دنیا کے گناہ معاف ہو گئے یا کم از کم اُن لوگون کے جو ایسا سمجھ لین۔ وہ انسانون کی طرح پیدا ہوا۔ انسانون کی کمزوریان اور نقص اِس مین موجود تھے۔ اِسی طرح بیماریان اور دکھ اُٹھاتا رہا کبھی ایکدفعہ بھی خدائی طاقت نہ دکھا سکا اور آخر کار مجرم کی موت مر گیا لیکن پھر بھی ہمین اسے خدا سمجھ لینا چاہئے کیونکہ پادری صاحبان کا یہ خیال ہے۔ اگر اِن لوگون کی سمجھ مین استغفار کا پاکیزہ اور اعلیٰ درجہ کا مفہوم نہ آسکے تو وہ معذور ہین کیونکہ ایک جھوٹے اصول نے اُنکی سمجھ پر پردہ ڈالدیا ہے +

اب ہم قرآن شریف سے چند ایسی آیات پیش کرتے ہین جہان استغفار کو نیک آدمیون کا اعلےٰ درجہ کا وصف بیان کیا گیا ہے اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِي جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ

محسنین ؕ کانوا قلیلاً من اللیل ما یھجعون ؕ وبالاسحار ھم یستغفرون (الذریٰت) ترجمہ۔ متقی باغون اور چشمون کے درمیان رہینگے
اور وہ نعمتین حاصل کرین گے جو اُن کا رب اُن کو دیگا۔ کیونکہ وہ اس سے پہلے
محسن تھے بہت تھوڑا حصہ رات کا سویا کرتے تھے اور صبح کو استغفار کیا کرتے
تھے اس آیت مین استغفار کو پرہیزگاری اور نیکی کا بڑا موجب ٹھیرایا گیا ہے
اور اس کا نتیجہ یہ نہین بیان کیا گیا کہ اس کے لئے وہ دوزخ سے بچائے گئے
بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ ان کے استغفار کی وجہ سے اُن پر خدائے تعالےٰ کیطرف
سے بڑے بڑے برکات اور نعما نازل ہوئے اور بڑا اجر اُن کو دیا گیا۔ لفظ احسان

جو اس آیت مین آیا ہے اس کے معنے خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کر
دئیے ہین یعنے اس طرح پر خدا کی عبادت کرنا کہ گویا انسان اُسے دیکھ رہا ہے یا
کم از کم یہ کہ وہ انسان کو دیکھ رہا ہے۔ لیکن جو شخص اس منزل تک پہونچ جاتا ہے
کہ گویا کہ وہ خدا کو دیکھتا ہے تو پھر وہ گناہ بھی نہین کر سکتا۔ کیونکہ پھر وہ دیکھتا ہے
کہ وہ طاقت ورہستی جس کے حضور وہ کھڑا ہے ایک دم مین اُس کو تباہ کر سکتی
ہے اگر وہ اُس کے احکام کی خلاف ورزی کرے۔ اس لیئے وہ گناہ سے ایسا
بچتا ہے اور ڈرتا ہے جیسا ایک شخص آگ مین ہاتھ ڈالنے سے ڈرتا ہے کیونکہ
وہ جانتا ہے کہ آگ جلا دے گی۔ اب آیت مذکورہ بالا مین یہ بیان ہے کہ
برکات و انوار الہی محسنون کو دئے جاوینگے اور پھر کہا گیا ہے کہ محسن وہ لوگ
ہین جو رات کا بہت تھوڑا حصہ سوتے ہین اور صبح کے وقت استغفار کرتے ہین
اگر استغفار کے صرف یہی معنے لئے جاوین کہ گناہون کی سزا سے بچنے کی دعا

تو آیت بالکل بے معنی ہوجاتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو لوگ رات کو خدا تعالےٰ کے حضور کھڑے ہو کر گذارین صبح ہوتے ہی وہ گناہون کی معافی مین لگ جائین گویا کہ وہ اپنی عبادت کو اور خدا کے حضور کھڑا ہونے کو گناہ سمجھتے ہین اور رات کو یہ گناہ کرکے صبح کو اُن کی معافی طلب کرتے ہین لیکن اگر استغفار کے اصل معنے لئے جاوین تو آیت کے معنے بالکل صاف ہین یعنے یہ کہ جن لوگون کو یہ طاقت ملتی ہے کہ وہ رات کو خدا کے حضور کھڑا ہوکر گذارین اور شیطان پر اُن کو غلبہ ملتا ہے وہ صبح کو پھر اُٹھتے ہین دعاؤن مین مشغول ہوتے ہین کہ خدا تعالےٰ اُن کو استقامت کی طاقت بخشے اور اور بھی اُن کو قوت دے کہ وہ اُس کی راہ مین بغیر ٹھوکر کے چل سکین ان لوگون کو خدا تعالےٰ کی حفاظت کی اور بھی زیادہ ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک لذت اُن کو خدا تعالےٰ کی عبادت مین ملتی ہے اور وہ خدا تعالےٰ سے دعا کرتے ہین کہ اُن کے نفس کی کمزوری کے سبب وہ لذت جاتی نہ رہے لیکن اگر استغفار کے معنے صرف اسی قدر ہین کہ جو گناہ کوئی انسان کر چکا ہے اُس کی سزا سے بچنے کے لئے دعا کی جائے تو چاہیے تھا کہ استغفار مانگنے سے پہلے کوئی گناہوں کا ذکر ہوتا نہ کہ عبادت کا۔ تاکہ بعد مین استغفار کا موقعہ ہوتا ؛

ایسا ہی ایک دوسرے موقعہ پر قرآن شریف فرماتا ہے اَلصّٰبِرِیۡنَ وَالصّٰدِقِیۡنَ وَالۡقٰنِتِیۡنَ وَالۡمُنۡفِقِیۡنَ وَالۡمُسۡتَغۡفِرِیۡنَ بِالۡاَسۡحَارِ۔ اب یہان امر اول غور طلب تو یہی ہے کہ استغفار کو نیکی اور راستبازی کے لئے لازم قرار دیا گیا ہے۔ صبر اور صدق اور فرمانبرداری اور انفاق فی سبیل اللہ کی طرح استغفار بھی ایک نیکی ہے اور ہدایت کی گئی ہے کہ جس طرح دوسرے نیکی کے کامونکو انسان بجا لاتا ہے۔ اسی طرح

ہمیشہ استغفار مین بھی لگا رہے اِس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ استغفار صرف سزا سے بچنے کیلئے ہی نہین ہے بلکہ دوسری نیکیون کی طرح یہ بھی بڑے بڑے برکات الہی کا موجب ہوتا ہے۔ پھر تمام نیکیون کے بعد استغفار کا ذکر کرنے سے یہ بھی صاف منشاء قرآن کریم کا معلوم ہوتا ہے کہ اِن سب کی جڑھ استغفار ہی ہے اور جو شخص استغفار کرتا ہے اس کو یہ سب باتین حاصل ہو جاتی ہین۔ اِن دونو باتون سے استغفار کے معنے صاف حل ہو جاتے ہین اور یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ کہ استغفار کا اصل اور سچا مفہوم یہی ہے کہ خدا تعالےٰ سے یہ دعا کی جاتی ہے کہ وہ اپنے احکام پر چلنے کی طاقت انسان کو بخشے اور نفس کی کمزوریون سے اسکی حفاظت کرے ؛

استغفار کے متعلق صرف یہی نہین لکھا کہ وہ انسان کو نیکی کیطرف کھینچتا اور نیکی کی طاقت دیتا ہے بلکہ نیکیون کے لیئے خدا تعالےٰ نے مغفرت کے وعدے بھی دیئے ہین مثلاً سورۃ ھود کی اس آیت پر غور کرو اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِیْرٌ۔ صبر کیا چیز ہے الصبر علی الطاعۃ والصبر عن المعصیۃ یعنے نیکیون پر لگے رہنا اور بدیون سے بچے رہنا۔ پس آیت کا ترجمہ یہ ہوا جو شخص نیکیون مین لگے رہتے ہین اور بدیون سے بچے رہتے ہین اور عمل صالح کرتے ہین ان کو خدا کی طرف سے مغفرت اور بڑے بڑے اجر ملینگے۔ گویا مغفرت اعمال صالح کی جزا ہوئی۔ اس جگہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مغفرت کے معنون کو گناہ کی سزا سے بچائے جانے تک محدود کرنا غلطی ہے کیونکہ یہان مغفرت کا وعدہ ان لوگون کے لئے ہے جو اعمال صالح کرتے رہے

ہین اور گناہ سے بچتے رہے ہین۔ پس یہان مغفرت کے معنے سوائے اِس کے کچھ نہین کہ مغفرت خدا تعالےٰ کیطرف سے وہ طاقت اور حفاظت ہے جسکی مدد سے نیک لوگ روحانی طور پر ترقیان کرتے اور روحانیت کے اعلےٰ مدارج جو انسانی کمال کے لئے ضروری ہین طے کرتے ہین۔ الغرض چونکہ مغفرت خدا تعالےٰ کی حفاظت اور طاقت کا نام ہے اِس لئے انسان ہمیشہ مغفرت کا ایسا ہی محتاج ہے جیسا کہ خود خدا کا محتاج ہے۔ نہ وہ خدا سے الگ ہو کر رہ سکتا ہے اور نہ کبھی مغفرت کو ترک کر کے رہ سکتا ہے بلکہ جیسا جیسا وہ روحانی ترقی کرتا ہے ویسے ویسے مغفرت کی ضرورت کو اور بھی زیادہ محسوس کرتا ہے۔ اور چونکہ اس کی روحانی ترقی غیر محدود ہے اِس لیئے کوئی وقت اس پر ایسا نہین آتا جب اس کو استغفار یا مغفرت کی حاجت نہو اس لیئے خدا کی مغفرت بہشت مین بھی بہشتیون کو ملتی رہے گی ✦

بہشت مین مغفرت کی ضرورت پر قرآن شریف نے دوسری جگہ صاف لفظون مین فرمایا ہے جہان سورہ محمدؐ مین بہشتیون کا ذکر کیا ہے۔ وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ بہشتیوں کے لیئے بہشت مین ہر قسم کے میوے اور اپنے رب کی مغفرت ہوگی۔ یہان صاف لفظون فرمایا گیا کہ بہشت مین بہشتیو کو مغفرت ملتی رہے گی۔ اور پھر ایک اور آیت مین سورہ تحریم مین فرمایا ہے۔ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا۔ یعنے جو لوگ بہشت مین داخل ہو جائین گے وہ دعا کرینگے کہ اے رب ہمارے ہمارے نور کو کامل کر اور ہماری مغفرت کر۔ یہ مغفرت کمال کی خواہش جو ہمیشہ

تک ہے گی صاف ظاہر کرتی ہے کہ بہشت مین ترقیات کا سلسلہ غیر متناہی
ہوگا۔ ان دونوں آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ بہشت مین داخل ہونے کے بعد
بھی جو ممکن ہی نہین جب تک کہ جس شخص نے کوئی گناہ کیا ہے اس کا گناہ معاف
ہو جائے پھر بھی نیک لوگون کو مغفرت کی خواہش ہوگی اور اُن کو مغفرت ملتی رہے
گی۔ یا بالفاظ دیگر بہشتی بہشت مین بھی استغفار کرتے رہین گے حالانکہ اُنکے
گناہ معاف ہو چکے ہونگے۔ اب استغفار کے دوسرے معنون کے لحاظ سے
جو اسلام کے مخالف کہتے ہین کہ اس کے سوائے استغفار کے اور کوئی معنے ہی
نہین۔ استغفار کی غرض صرف ان گناہون سے بچائے جانا ہے۔ جو کسی شخص
نے کئے ہون۔ اس لئے جزا و سزا کے پہلے تو کوئی شخص ان معنون کے رو سے
مغفرت طلب کر سکتا ہے لیکن جو شخص بہشت مین داخل ہو چکا ہے اور دوزخ
سے بچ چکا ہے اور اس کے گناہ اُسے معاف ہو چکے ہین اب اُس کو کونسی سزا
کا خوف باقی ہے جو وہ بھی استغفار کرے اور خدا اُس کو کونسی سزا سے بچاتا
ہے جو مغفرت دیتا ہے۔ جب وہ بہشت مین داخل ہو گیا تو ہر قسم کی تکلیف
اور سزا سے بچایا گیا اور ہمیشہ کے لئے سب تکلیفین دور ہو گئین اور کسی سزا کا
خطرہ نہ رہا کیونکہ خدا کا وعدہ ہے کہ بہشتی بہشت سے کبھی نکالے نہ جائین گے
وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِين پھر وہ لوگ جو بہشت مین داخل ہو چکے کیون
استغفار کرینگے۔ اور کیون خدا تعالےٰ بہشت کی نعمتون مین سے مغفرت اپنی
بڑی نعمت بیان کرتا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا دو آیتون سے ظاہر ہے یہ قطعی دلیل
اس امر پر ہے کہ اس جگہ استغفار کے معنے گناہ کی سزا سے بچائے جانے یا گناہ سے

معافی کے نہین ہین +

یہان یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بہشت مین مغفرت کے معنے کیا ہین؟ اس دنیا مین اور اِس جسم کے ساتھ تو گناہ کا امکان ہے جس سے حفاظت کے لیئے انسان استغفار کرتا ہے مگر بہشت مین تو نہ یہ امکان ہوگا اور نہ شیطان کا خطرہ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن شریف یہ بھی فرماتا ہے کہ اِس دنیا مین بھی ایسے آدمی ہین جن پر شیطان کا کوئی تسلط نہین ہوتا چنانچہ فرمایا اِنَّ عِبَادِی لَیْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ۔ لیکن باوجود اِس کے اُن بندون کو بھی استغفار کا حکم ہے۔ ان سوالون کے جواب کے لیئے ہم ناظرین کو پھر استغفار کے اصل معنون کیطرف اور استغفار کیضرورت کی طرف توجہ دلاتے ہین۔ استغفار کی ضرورت جیسا اوپر دکھا چکے ہین یہ ہے کہ انسان کی فطرت اور خدا کے صفات کا تقاضا بغیر استغفار کے پورا ہی نہین ہوتا۔ ایک تو خالق ہے جو ہر عیب اور نقص اور کمزوری سے پاک ہے اور جس کی ذات مین صفت قیومیت ہے جو چاہتی ہے کہ مخلوق کا اُس پر سہارا ہو پس جب تک مخلوق ہے یہ صفت اپنے تقاضا کو پورا کرے گی۔ پھر دوسری طرف مخلوق مین سے انسان ہے جو اپنی ذات مین کمزوری رکھتے ہین اور کمال کے لیئے وہ اپنے خالق کے محتاج ہین جب تک وہ مخلوق کی حیثیت مین ہین۔ اِنہی دو باتون سے استغفار کی ضرورت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن یہ امر بھی ظاہر ہے کہ خواہ انسان کتنی ہی ترقی کرے وہ مخلوق ہونے کی حیثیت سے کبھی بھی باہر نہین ہو سکتا۔ اور ہمیشہ کے لئے خدا کا محتاج ہے جو کمال انسان اِس دنیا مین یا دوسری دنیا مین حاصل کر سکتا ہے وہ کبھی بھی

خدا کے کمال تام کے برابر نہین ہوسکتا - خواہ کتنا ہی معراج وہ حاصل کرے پھر بھی
مخلوق ہے اور خدا پھر بھی خالق ہے - اِسی لئے ضرورت ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے
استغفار بھی کرے - بہشت مین نیک لوگ ترقیان کرینگے اور ہمیشہ ایک حالت
سے دوسری حالت مین ترقی کرینگے اور اِس لئے جب ایک حالت پر وہ پہونچینگے
تو اُس سے بلند تر حالت کی خواہش کرینگے اور پہلی حالت کو بمقابلہ اُس کے ناقص
خیال کرینگے - اِس لئے چونکہ یہ ترقی کا سلسلہ غیر متناہی ہے مغفرت کی خواہش
یا استغفار بھی کبھی ختم نہین ہوسکتا +

اِن آیات کے علاوہ جو ہم نے اوپر بیان کی ہین بہت ساری اور آیات
ہین جن سے صاف صاف پایا جاتا ہے کہ عیسائیون نے استغفار کے لطیف اور
اعلے مفہوم اصلی کو سمجھنے مین سخت غلطی کھائی ہے - لیکن ہم اِسی پر اتفاق کرتے
ہین کیونکہ اِس مضمون کو اس قدر لمبا کرنے کا بھی ہمارا منشا نہ تھا - لیکن ایک
بات کی طرف یہان ناظرین کو توجہ دلانا ضروری ہے عیسائی یہی کہا کرتے ہین کہ
آیت لیغفر لک اللہ ما تقدم مِن ذنبک وما تاخر - جو سورہ فتح مین
نازل ہوئی ہے سوائے اِس کے کوئی معنے نہین کہ یہان اللہ تعالے آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کو اگلے اور پچھلے گناہون کی معافی دیتا ہے - چونکہ مضمون بہت لمبا
ہوچکا ہے اِس لئے اِس جگہ ہم اصل معنے اِس آیت کے بیان نہین کرتے - صرف
مخالفین اسلام کے معنون کی غلطی ظاہر کرنا چاہتے ہین کیونکہ وہ اس بات پر زور دیتے
ہین کہ اِس آیت کے یہی صحیح معنے ہین - یہ امر مسلم ہے کہ سورہ نصر سورہ فتح کے بعد نازل
ہوئی ہے کیونکہ سورہ فتح تو فتح مکہ سے قبل نازل ہوئی تھی اور سورہ نصر فتح مکہ سے بعد

نازل ہوئی ہے۔ اب سورہ نصر مین خدا تعالےٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر استغفار مانگنے کا حکم دیتا ہے کیونکہ فرماتا ہے فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ جس کے معنے عیسائی صاحبان کے نزدیک یہ ہوئے کہ گناہون کی معافی مانگتا رہ۔ لیکن گذشتہ اور آیندہ گناہ تو سب سے پہلے ہی اللہ تعالےٰ معاف کر چکا تھا اب کونسے گناہون کی معافی چاہتا ہے۔ اگر صحیح معنے ہر دو آیات کے کئے جائین تو یہ تضاد واقع نہین ہوتا۔ یہ صرف غلط معنون کا نتیجہ ہے اگر پادری صاحبان کو انصاف یا حیا کا کچھ بھی خیال ہوتا تو وہ اپنی غلطی کو تسلیم کر لیتے ÷

بالآخر ہم پادری صاحبان کی ایک اور بیہودگی کی طرف ناظرین کو توجہ دلاتے ہین۔ یہ لوگ ہمیشہ فخر کیا کرتے ہین۔ کہ قرآن شریف مین دوسرے نبیوں کے استغفار کا تو ذکر ہے مگر حضرت عیسیٰؑ کے استغفار کا کہین ذکر نہین اور اس سے بجائے خود جھٹ اس نتیجہ پر پہونچ جاتے ہین کہ دوسرے نبی گنہگار تھے مگر حضرت عیسیٰ بے گناہ تھے۔ استغفار کے معنے جو ہم اوپر کھول کر بیان کر چکے ہین اُن کے رو سے اگر حضرت عیسیٰ نے واقعی جیسا کہ عیسائی کہتے ہین استغفار نہین کیا تو اس سے اِن کی کمزوری پائی جاتی ہے اور یہ بات انبیاء کی شان سے بہت بعید ہے کہ وہ استغفار نکرین لیکن اس بیان مین پادری صاحبان دھوکہ دینا چاہتے ہین جب وہ کہتے ہین کہ قرآن کریم سے حضرت عیسےٰ کا استغفار ثابت نہین ہے۔ خدا تعالےٰ نے بار بار صالحین کے لئے استغفار اور مغفرت کا ذکر فرمایا ہے پس اگر حضرت عیسیٰ بھی صالحین مین سے تھے تو ضرور ہے کہ اُنھون نے بھی استغفار کیا ہو اور خدا نے انکو مغفرت دی ہو۔ اس قسم کی آیات ہم اوپر بہت لکھ چکے ہین مثلاً ایک یہی آیت ہے۔ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اُولٰئِکَ لَھُم مَّغْفِرَۃٌ - پس اگر حضرت عیسیٰؑ نے صبر کیا اور اعمال صالح کئے تو ضرور ہے کہ اُن کو مغفرت ملی ہو - ایک اور موقع پر ملائکہ کا ذکر کرتے ہوئے قرآن شریف فرماتا ہے وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِی الْاَرْضِ - اور فرشتے ان تمام کے لئے جو روئے زمین پر ہین استغفار کرتے ہین پس اگر حضرت عیسیٰ بھی زمین پر تھے تو ضرور ہے کہ فرشتون نے ان کے لئے استغفار کیا ہو - ہم امید کرتے ہین کہ آیندہ پادری صاحبان اس قسم کی بیہودہ باتین اپنی تحریرون مین نہ لکھین گے - ہان ان مین طاقت ہے تو یہ ثابت کر دکھائین کہ انجیل کی رو سے یسوع مسیح کیونکر معصوم کہلا سکتا ہے مگر امید نہین کہ اس بات کی طرف وہ کبھی آئین ۔

ذنب اور جرم مین فرق

یہ کہنا بالکل غلطی ہے کہ آیت وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ مین ذنب کا لفظ موجود ہے جو گناہ کو کہتے ہین کیونکہ ذنب اور جرم مین فرق ہے جرم کا لفظ تو ہمیشہ اسی گناہ کے لئے آتا ہے جو سزا کے لئے ہوتا ہے مگر ذنب کا لفظ بشریت کی کمزوری کے لئے بھی آجاتا ہے اسی لئے نبیون پر انسانی کمزوری کی وجہ سے ذنب کا لفظ اطلاق پایا ہے مگر جرم کا اطلاق نہین پایا اور خدا کی کتاب مین کسی نبی کو مجرم کے لفظ سے نہین پکارا گیا اور نیز خدا کی کتاب مین یعنے قرآن کریم مین مجرم کیلئے تو جہنم کی وعید ہے یعنے خدا کی طرف سے عہد ہے کہ وہ جہنم مین ڈالا جائے گا مگر مذنب کے لئے کوئی وعید نہین جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے - مَنْ یَّاْتِ رَبَّہٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَہٗ جَھَنَّمَ لَا یَمُوْتُ فِیْھَا وَلَا یَحْیٰی - یعنے جو شخص خدا کے پاس مجرم ہو کر آئے گا اس کی سزا جہنم ہے

نہ اس مین وہ مرے گا اور نہ زندہ رہے گا۔ سو اس جگہ خدا نے مجرما کہا۔
مُذنبا نہین کہا کیونکہ بعض صورتون مین معصوم کو بھی مذنب کہہ سکتے ہین
مگر مجرم نہین کہہ سکتے اس پر ایک اور دلیل ہے اور وہ یہ ہے کہ سورہ آل
عمران مین یہ آیت ہے وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ
مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ
وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ط قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ط قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ط اس
آیت سے نص صریح ثابت ہوا کہ تمام انبیاء جن مین حضرت مسیح بھی شامل ہین
مامور تھے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاوین اور انھون نے اقرار کیا
کہ ہم ایمان لائے اور پھر جب آیت وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ
کو اس کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے اور ذنب سے مراد نعوذ باللہ جرم لیا جائے تو حضرت
عیسے بھی اس آیت کے رو سے مجرم ٹھیرینگے کیونکہ وہ بھی اس آیت کے رو سے
ان مومنین مین داخل ہین جو آنحضرت پر ایمان لائے پس بلاشبہ وہ بھی مذنب
ٹھیرے۔ یہ مقام عیسائیون کو غور سے دیکھنا چاہیئے۔ پس ان آیات سے
بصفائی تمام ثابت ہوا کہ اس جگہ ذنب بمعنے جرم نہین ہے بلکہ انسانی کمزوری
کا نام ذنب ہے جو قابل الزام نہین۔ اور مخلوق کی فطرت کے لیئے ضروری ہے
کہ یہ کمزوری اس مین موجود ہو اور کمزوری کا نام اس لیئے ذنب رکھا ہے کہ انسان
کی فطرت مین طبعاً یہ قصور اور کمی واقع ہے تا وہ ہر وقت خدا کا محتاج رہے
اور تا اس کمزوری کے دبانے کے لیئے ہر وقت خدا سے طاقت مانگتا رہے اور اس
مین کچھ شک نہین کہ بشری کمزوری ایک ایسی چیز ہے کہ اگر خدا کی طاقت اس کے

ساتھ شامل نہ ہو تو نتیجہ اِس کا بجز ذنب کے اور کچھ نہیں پس جو چیز موصل الی الذنب ہے بطور اِستعارہ اِس کا نام ذنب رکھا گیا اور یہ محاورہ شائع متعارف ہے کہ جو اعراض بعض امراض کو پیدا کرتے ہیں کبھی اِنہیں اعراض کا نام امراض رکھتے ہیں پس کمزوری فطرت بھی ایک مرض ہے جس کا علاج اِستغفار ہے *

غرض خدا کی کتاب نے بشریت کی کمزوری کو ذنب کے محل پر استعمال کیا ہے اور خود گواہی دی ہے کہ انسان میں فطرتی کمزوری ہے جیسا کہ وہ خود ہی فرماتا ہے خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا یعنے انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے یہی کمزوری ہے کہ اگر الٰہی طاقت اِس کے ساتھ شامل نہ ہو تو انواع واقسام کے گناہوں کا موجب ہو جاتی ہے پس اِستغفار کی حقیقت یہ ہے کہ ہر وقت اور ہر دم اور ہر آن خدا سے مدد مانگی جائے اور اس سے درخواست کی جائے کہ بشریت کی کمزوری جو بشریت کا ایک ذنب ہے جو اس کے ساتھ لگا ہوا ہے ظاہر نہ ہو سو مداومت اِستغفار دلیل اِس بات پر ہے کہ اِس ذنب پر فتح پائی اور وہ ظہور میں نہ آسکا اور خدا کا نور اُترا اور اس کو دبا لیا اِس جگہ یہ بات یاد رکھنے کے لایق ہے کہ اِستغفار کا لفظ غفر سے نکلا ہے اور اِس کے اصل معنے دبانے اور ڈھکنے کے ہیں یعنے یہ درخواست کرنا کہ بشریت کی کمزوری ظاہر ہو کر نقصان پہونچاوے اور وہ ڈھکی رہے کیونکہ بشر چونکہ خدا نہیں ہے اور نہ خدا سے مستغنی ہے اِس لیئے وہ اُس بچہ کی طرح ہے جو ہر قدم میں ماں کا محتاج ہے تا وہ اِس کو گرنے سے بچاوے اور ٹھوکر سے محفوظ رکھے ایسا ہی یہ بھی ہر قدم میں خدا کا محتاج ہوتا ہے تا وہ اِسکو ٹھوکر اور لغزش سے بچاوے سو اس کے علاج کے لیئے اِستغفار ہے *

اور کبھی یہ لفظ توسع کے طور پر ان لوگون پر بھی اطلاق پاتا ہے جو اوّل کسی گناہ
کے مرتکب ہو جاتے ہین اور اِس جگہ استغفار کے معنے یہ ہوتے ہین کہ جو گناہ صادر
ہو چکا ہے اس کی سزا سے خدا بچاوے لیکن یہ دوسرے معنے خدا کے مقرب لوگون
کے حق مین درست اور روا نہین ہین وجہ یہ کہ خدا نے تو پہلے سے ان پر ظاہر کیا
ہوا ہوتا ہے کہ وہ کوئی سزا نہین پائین گے اور جنت کے اعلے مقام اِن کو ملینگے اور
خدا کی رحمت کی گود مین وہ بٹھائے جائینگے اور نہ ایک دفعہ بلکہ صدہا دفعہ ایسے وعدے
اِن کو دیئے جاتے ہین اور اِن کو بہشت دکھایا جاتا ہے پھر اگر وہ ان معنون کے
رو سے استغفار کرین کہ وہ اپنے گناہون کے سبب سے دوزخ مین نہ پڑین تو
ایسا استغفار تو خود اِن کے لیئے گناہ ہوگا کہ وہ خدا کے وعدوں پر یقین نہیں کرتے
اور خدا کی رحمت سے اپنے تئین دور سمجھتے ہین پھر ایسا شخص جس کے حق مین خدا
تعالےٰ یہ فرماوے۔ وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ یعنے تمام دنیا کے لیئے
تجھے ہم نے رحمت کر کے بھیجا ہے اور تو رحمت مجسم ہے وہ اگر اپنی نسبت ہی یہ
شک کرے کہ خدا کی رحمت میرے شامل ہوگی یا نہین تو پھر دوسرون کے لیئے کیونکر
رحمت کا باعث ہوگا ؂

یہ تمام قرینے ان لوگون کے لیئے جو انصاف سے سوچتے ہین صریح اس
حقیقت کو کھولتے ہین کہ استغفار کے دوسرے معنے کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم
کی طرف منسوب کرنا سخت خطا کاری اور شرارت ہے بلکہ معصوم کے لیئے اوّل
علامت یہی ہے کہ وہ سب سے زیادہ استغفار مین مشغول رہے اور ہر آن اور ہر
حالت مین بشریت کی کمزوری سے محفوظ رہنے کے لیئے خدا تعالےٰ سے طاقت

طلب کرتا ہے جس کو دوسرے لفظون مین استغفار کہتے ہین کیونکہ اگر ایک بچہ
ہر وقت مان کے ہاتھ کے سہارے سے چلتا ہے اور روا نہین رکھتا کہ ایک سکینڈ
بھی مان سے دور ہو وہ بچہ بلاشبہ ٹھوکر سے بچ رہے گا لیکن وہ بچہ جو مان سے
علیحدہ ہو کر چلتا ہے اور خود بخود کبھی کسی خوفناک زینہ پر چڑھتا ہے اور کبھی کسی
خوفناک زینہ سے اُترتا ہے وہ ضرور ایک دن گرے گا اور اس کا گرنا سخت ہوگا
پس جس طرح خوش قسمت بچہ کے لیئے یہی بہتر ہے کہ وہ اپنی پیاری مان سے ہرگز
علیحدگی اختیار نکرے اور ہرگز اُس کی گود سے جدا نہ ہو اور اس کے دامن کو نہ چھوڑے
یہی عادت ان مبارک مقدسون کی ہوتی ہے کہ وہ خدا کے آستانہ پر ایسے جا
پڑتے ہین جیسا کہ مان کی گود مین بچے اور جیسا کہ ایک بچہ اپنا تمام کام اپنی مان کی
طاقت سے نکالتا ہے اور ہر ایک دوسرا بچہ جو اس سے مخالفت کرتا ہے یا کوئی
کُتا اس کے سامنے آتا ہے یا کوئی اور خوف نمودار ہوتا ہے یا کسی لغزش کی جگہ پر اپنے
تئین پاتا ہے تو فی الفور اپنی مان کو پکارتا ہے تا وہ جلد تر اس کی طرف دوڑے اور
اس آفت سے اس کو بچاوے یہی حال ان روحانی بچون کا ہوتا ہے کہ بعینہٖ اپنے
رب کو مان کی طرح سمجھ کر اس کی طاقتون کو اپنا ذخیرہ سمجھتے ہین اور ہر وقت اور
ہر دم اس کی طاقتون کو طلب کرتے رہتے ہین اور جس طرح شیرخوار بچہ جب بھوک
کے وقت اپنا منہ اپنی مان کے پستان کے اوپر رکھدیتا ہے اور اپنی طبعی کشش
سے دُودھ کو اپنی طرف کھینچنا چاہتا ہے تو جبھی کہ مان محسوس کرتی ہے کہ گریہ اور
زاری کے ساتھ اس بچہ کے نرم نرم ہونٹھ اس کے پستان پر جا لگے ہین تو طبعاً اس
کا دودھ جوش مارتا ہے اور اس بچہ کے منہ مین گرتا جاتا ہے پس یہی قانون

ان بچون کے لیئے بھی ہے جو روحانی دودھ کے طالب اور جویان ہین +

اس سے پہلے جو کبھی مضمون عصمت کے متعلق لفظ ذنب کے معنون پر بحث کی گئی تھی - ہمین مجبوراً

اس کیطرف پھر توجہ کرنی پڑی ہے کیونکہ ۱۹ - جولائی کے پرچہ ایپفینی مین ایک پادری

صاحب نے جو اپنا نام جے - ایم لکھتے ہین - "قرآن" کے عنوان کے نیچے مضمون

نویسی کرتے ہوئے ہمارے مضمون مین دیدہ و دانستہ تحریف کر کے اس کو پیش کیا ہے

اور خود غلط بیانی کر کے پھر اسی کی تردید شروع کی ہے اور بہت سی تکلیف اُٹھا کر

یہ ثابت کیا ہے کہ لفظ ذنب سے جو قرآن شریف مین آیا ہے - پانچ مقامات پر واقعی

ارتکاب گناہ مراد ہے مگر تعجب ہے کہ ہم نے کب انکار کیا تھا کہ ذنب کبھی بھی ارتکاب

گناہ کے معنون مین نہین آتا - پادری صاحب نے اپنا وقت ضایع کرنے ایک سفید

صفحہ کو سیاہ کرنے کے سوائے اور کوئی کام نہین کیا مگر اس کی ہمین چندان پرواہ نہین

البتہ اس نے جو تحریف ہمارے مضمون مین کی ہے اس کا اظہار ضروری ہے تا ناواقف

لوگ دھوکہ مین نہ پڑین - شروع مضمون مین پادری صاحب لکھتے ہین کہ قرآن شریف

کی ان آیات کے مفہوم کو جن مین انبیاء کے گناہون کا ذکر ہے - بدلانے کی کوششون

مین سے ایک نئے فرقہ مویدین اسلام کا یہ اختراعی بیان ہے کہ لفظ ذنب سے کسی

جگہ گناہ مراد نہین بلکہ صرف ایسی انسانی کمزوری مراد ہے جس کے لیئے انسان

کو خدا تعالےٰ سے مدد طلب کرنے کی حاجت پڑتی ہے - ہم پادری صاحب سے

یہ سوال کرتے ہین کہ کیا واقعی ان کا کانشنس ان کو یہ کہتا ہے کہ جو کچھ انہون نے

لکھا ہے - وہ ہمارے مضمون کا صحیح مفہوم ہے - پادری صاحب کی عدم واقفیت

یا موٹی سمجھ اس تحریف کے لیئے عذر نہین ہو سکتی اور دیدہ و دانستہ دھوکا دینے کے

جرم کو کم نہین کر سکتی۔ کیونکہ انہون نے صرف یہ کارروائی کی ہے۔ کہ ایک فقرہ کو آگے اور پیچھے سے کاٹ کر پیش کیا ہے کہ گویا ہمارا یہ مطلب ہے کہ ذنب کا لفظ گناہ کے معنون مین کبھی آتا ہی نہین۔ اُن فقرات کو ہم بعینہ نیچے نقل کرتے ہین تاکہ منصف مزاج ناظرین غور کرین کہ ہمارے الفاظ سے یہ مفہوم نکل سکتا ہے جو پادری صاحب نے نکالکر اپنی تحریف کا نمونہ دکھایا ہے۔ نمبر ۵ صفحہ ۱۹۵ و ۱۹۶ پر یہ عبارت ہے۔ "یہ کہنا بالکل غلطی ہے کہ آیت وَاستغفر لذنبک مین ذنب کا لفظ موجود ہے جو گناہ کو کہتے ہین کیونکہ ذنب اور جرم مین فرق ہے۔ جرم کا لفظ تو ہمیشہ اسی گناہ کے لئے آتا ہے جو سزا کیلئے ہوتا ہے مگر ذنب کا لفظ بشریت کی کمزوری کے لیئے بھی آجاتا ہے۔ اس لیئے نبیون پر انسانی کمزوری کی وجہ سے ذنب کا لفظ اطلاق پایا ہے۔ مگر جرم کا لفظ اطلاق نہین پایا۔ اور خدا کی کتاب مین کسی نبی کو مجرم کے لفظ سے نہین پکارا گیا +"

کوئی دانشمند ان الفاظ کا یہ مفہوم بیان نہین کر سکتا کہ ذنب کا لفظ سوائے بشریت کی کمزوری کے اور کسی جگہ اطلاق پاتا ہی نہین۔ ہم نے صاف الفاظ مین لکھا تھا کہ جرم اور گناہ ایک ہین لیکن ذنب انسانی کمزوری کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے پھر ہم نے لکھا تھا کہ قرآن مجید نے جرم کا لفظ کسی نبی کے لیئے استعمال نہین کیا۔ اور اس سے ہم نے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ اگر لفظ ذنب کسی نبی کے حق مین استعمال بھی کیا گیا ہو تو اس کے معنے گناہ نہین بلکہ صرف انسانی کمزوری ہے۔ امور تنقیح طلب تو یہ تھے کہ کیا قرآن مجید نے کوئی تفریق جرم اور ذنب مین کی ہے ؟ اور کیا جرم کا لفظ نبیون پر کبھی استعمال کیا گیا ہے ؟ اور کیا قرآن مجید نے مذنب کے لیئے وہی

سزا مقرر کی ہے جو اس نے مجرم کے لیئے مقرر کی ہے؟ ہمارے دلائل کے جواب دینے سے تنگ آکر پادری صاحب نے یہ پہلو اختیار کیا کہ بعض اوقات ذنب کے معنے گناہ ہوتے ہین ۔ اور پانچ مثالین پیش کرنے کے بعد جن مین کہ لفظ ذنب انبیار کے علاوہ دیگر اشخاص پر بولا گیا ہے ۔ اس نے بڑی چالاکی سے کام لیا اور نتیجہ یہ نکالا کہ "۔ اِس لیئے لفظ ذنب تمام انبیار بمعہ محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے گناہون پر استعمال کیا گیا ہے ۔" شائد ایک پادری صاحب کے لیئے یہ کام باعث فخر ہوگا لیکن ایک دیانت دار مباحث کے واسطے یہ قابل شرم ہے ؛

جیسا کہ ہم پہلے وعدہ کر چکے ہین عصمت انبیار کا مضمون آیندہ کسی موقع پر درج ہوگا اس لیئے ہمارے ناظرین کو اس کی مکمل بحث کے لیئے بھی انتظار کرنا چاہیئے ۔ سردست ہم اس فرق پر زور دینا چاہتے ہین جو قرآن مجید نے لفظ ذنب اور دیگر الفاظ مین جو گناہ کے معنون مین استعمال ہوئے ہین رکھا ہے ۔ علاوہ لفظ ذنب کے جو گناہ اور انسانی کمزوری دونون معنون مین آیا ہے قرآن شریف نے خصوصاً گناہ کے لیئے الفاظ جرم ۔ اثم ۔ فسق کثرت سے استعمال کیئے ہین یہ تینون الفاظ بمعہ اپنے مشتقات کے قریباً دوسو دفعہ اور ذنب قریباً چالیس دفعہ قرآن مجید مین استعمال کیا گیا ہے ۔ اب یہ ایک غور طلب بات ہے کہ یہ ہرسہ الفاظ گو اکثر قرآن شریف مین استعمال کیئے گیے ہین لیکن یہ کسی موقعہ پر کبھی بھی انبیا علیہم السلام کے واسطے نہین آئے حالانکہ لفظ ذنب جو اِن کے مقابلہ مین بہت کم استعمال ہوا ہے ۔ بعض مقامات پر قرآن مجید مین انبیار کی نسبت بولا گیا ہے ۔ کوئی شہادت اِس فرق سے زیادہ بین نہین مل سکتی جو قرآن شریف

نے ان الفاظ کے استعمال مین رکھا ہے۔ پس جرم ہی ایک لفظ نہین جو انبیا کے حق مین نہین بولا گیا بلکہ دیگر گناہ ظاہر کرنے والے الفاظ بھی ان پر وارد نہین ہوئے اور صرف لفظ ذنب ہی اِس مطلب کے لیئے خاص کیا گیا ہے۔ یہ کہنا بیوقوفی ہے کہ ذنب جرم سے بڑھکر ہے۔ کیونکہ اس طرح ہمین ماننا پڑے گا کہ سخت گناہ کرنے والون کو اُن لوگون کی اصلاح سپرد کی گئی جو ان سے کم گنہ گار تھے۔ لیکن قرآن مجید نے اِس خیال کو باطل قرار دیا ہے اور اُس نے بتلا دیا ہے کہ جرم۔ اثم۔ فسق کسی شخص کے معصوم ہونے کے منافی ہین مگر ذنب معصومیت کے مفہوم کا منافی نہین ہے +

ہم پہلے لفظ جرم کو لیکر غور کرینگے کہ قرآن مجید مین یہ لفظ کس طرح استعمال کیا گیا ہے۔ ایک ہی آیت سے فیصلہ ہو جاتا ہے۔ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ۔ جو کوئی اپنے رب کے پاس مجرم ہو کر آئے گا (یعنے اُس نے جرم کیا ہوگا) اُس کی سزا دوزخ ہے۔ یہان ایک عام قاعدہ باندھا گیا ہر ایک مجرم سزا پائے گا اِس لیئے جرم خدا تعالےٰ کی ایسی نافرمانبرداری ہے جس پر سزا دیجاتی ہے علےٰ ھذا القیاس قرآن مجید کہتا ہے۔ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ۔ تحقیق ہم مجرمون سے انتقام لینگے اب لفظ اثم کو لو۔ اس کے لئے قرآن مجید کہتا ہے وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ۔ جو کوئی اثم کرتا ہے اپنے نفس پر کرتا ہے (یعنے خدا کے سامنے اس کا جوابدہ ہوگا) اِس لیئے اثم پر بھی سزا کا عام وعید ہے اور اُس کا کرنے والا گنہ گار ہوتا ہے۔ ایک اور جگہ قرآن مجید مین ہے۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِیْمِ ۔ تحقیق زقوم کا درخت اثم کے مرتکبون کی خوراک ہوگی۔ اور ایسا ہی وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیْمٍ اور خدا ہرگز محبت نہین کرتا کسی ناشکر گذار اثم کرنے والے سے۔ اِس قسم کی بہت آیات قرآن مجید مین موجود ہین لیکن مذکورہ بالا حوالون سے ظاہر کہ اثم بھی جرم کی طرح خدا کی نافرمانی ہے جس کے لیئے سزا مقرر ہے۔ لفظ فسق بھی قرآن مجید مین دیدہ و دانستہ خدا کے احکام کی خلاف ورزی کے معنون مین استعمال ہوا ہے مثلاً اَلْفٰسِقِیْنَ الَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَھْدَ اللّٰہِ مِنْ بَعْدِ مِیْثَاقِہٖ وَیَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۔ ایک اور جگہ ہے۔ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ایک اور مقام پر اَلَّذِیْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰھُمُ النَّارُ اس لیئے فسق کھلے طور پر خدا کے احکام کا توڑنا ہے جس کی سزا دوزخ کی آگ ہے۔ اور فاسق ہدایت نہین پاتا نیز لفظ جناح جو فارسی و اردو مین گناہ ہے اور انگریزی لفظ سن کے ہم معنے ہے کبھی بھی قرآن مین کسی مرسل خدا کے حق مین نہین بولا گیا اور اِس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ کلام اللہ مین انبیا بے گناہ یا معصوم قرار دیئے گئے ہین۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جناح ایک ایسے لفظ سے نکلا ہے جسکے معنے ہین کسی طرف جھکنا۔ اور اسی لئے اِس جگہ استعمال ہوتا ہے جہان فاعل کسی فعل کا برائی کی طرف جھکتا ہے ۔

اگرچہ قرآن شریف مین ذنب سے بعض مقامات پر گناہ مراد ہے لیکن ہر ایک مذہب کے لیئے سزا کا عام حکم کہین نہین۔ جیسا مجرم۔ فاسق۔ اثیم۔ کے لئے ہے۔ مجرم کا ذنب گناہ ہے۔ اِسی طرح اثم اور فاسق کا ذنب بھی۔ لیکن محض مذنب ہونا گنہ گار ہونا

ثابت نہین کرتا جب تک سیاق وسباق عبارت کا اس پر دلالت نہ کرتا ہو۔ ذنب
وسیع معنے رکھتا ہے۔ بنسبت ان تمام الفاظ کے جو گناہ کے لیئے استعمال ہوئے
ہین اور ذنب عصمت کے منافی نہین۔ کیا پادری جے ایم صاحب قرآن شریف
سے کوئی مثال دیسکتے ہین جس مین یہ لکھا ہو کہ ہر مذنب کو دوزخ کی سزا ملیگی یا
ہر ایسا شخص خدا کے احکام کو توڑنے والا ہوتا ہے اور آیت لا یسئل عن ذنبھم
المجرمون معترض کو کچھ فائدہ نہین دے سکتی۔ کیونکہ ہم ابھی کہہ چکے ہین کہ مجرم کا
ذنب گناہ ہوتا ہے کیونکہ ذنب کے معنے وسیع ہین۔ بعض حالتون مین اس سے گناہ
مراد ہوتی ہے اور بعض مین صرف بشری کمزوری اور یہی سبب ہے کہ خدا کے
پاک کلام مین انبیاء اور راستبازون کے لیئے لفظ ذنب جرم۔ فسق۔ اثم یا جناح
استعمال نہین ہوا۔ اگر لفظ ذنب سے پیغمبرون کے حق مین بھی وہی مراد ہے جو
ان کے مخالفون کے لیئے ہے تو کیون قرآن مجید نے ہمیشہ بلا تبدل جرم۔ اثم۔
اور فسق کے استعمال کو ان کے واسطے جائز نہین رکھا۔ حالانکہ یہی الفاظ پیغمبرون
کے مخالفین کے واسطے اکثر استعمال کیئے گیئے ہین اور کیون اس نے مذنب کیلیئے
دوزخ کی سزا مقرر نہین کی جو اس نے مجرم۔ فاسق۔ اثیم کے لیئے کی ہے۔ کیون
پادری صاحبان دیانتدار اور خدا ترس محققین کی طرح ان باتون پر غور نہین کرتے۔
یہ تو صاف ظاہر ہے کہ جب یہ لفظ خدا کے مرسلون کے واسطے استعمال ہوتا
ہے تو اس سے بشری کمزوری ہی مراد ہوتی ہے۔ کیونکہ گناہ کے ٹھیک الفاظ
جن سے صاف طور پر قرآن مجید مین خدا کے احکام کی نافرمانی جس کا نتیجہ سزا ہے
پائی جاتی ہے۔ مثلاً جرم۔ اثم۔ فسق نبیون کے حق مین کبھی استعمال نہین کیئے گیئے

ہین اور پیغمبرون کی نسبت اللہ تعالےٰ بڑی تعریف کے الفاظ مین کہتا ہے کہ "تجھے جہان کے لیے رحمت کر کے بھیجا ہے"۔ "یہ پیغمبر اپنے پاس سے کچھ نہین بولتا لیکن وہی جو خدا کی طرف سے اُس پر وحی ہوتی ہے"۔ "جو تونے کیا وہ تونے نہین کیا بلکہ خدا نے کیا ہے"۔ "کہدے اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ کہ خدا تم سے محبت کرے"۔ "میری دعائین میری قربانی میری زندگی اور میری موت تمام خالص خدا کے لیے ہین"۔ "مین نے بالکل اپنے آپ کو خدا کی مرضی کے تابع کر دیا ہے"۔ "اے شیطان تو میرے برگزیدون پر کچھ زور نہین رکھتا"۔ "خدا نے کفر۔ فسق اور عصیان کو تمہاری آنکھون مین مکروہ کر دکھایا ہے"۔ نیز اور کئی مقامات بھی ہین جن مین انبیار علیہم السلام اور راستبازون کی خدا تعالےٰ نے ایسی تعریف کی ہے جس سے ان کا معصوم اور خدا کی نظر مین مورد غضب نہ ہونا صاف پایا جاتا ہے ✦

مگر افسوس ہے کہ پادری صاحبان کی آنکھون پر کچھ ایسے پردے ہین کہ دوسرون کی خوبیان تو اِن کو عیب نظر آتے ہین اور یسوع کے عیب خوبیان معلوم ہوتی ہین۔ اس قدر صریح ظلم ہے کہ باوجودیکہ مسیح نے اپنے نیک ہونے سے انکار کیا اور صاف لفظون مین کہا کہ مجھے نیک مت کہو۔ مگر پادری صاحبان ظلم عظیم کی حمایت مین اسکے ان الفاظ سے بھی اس بیگناہی کا ہی نتیجہ نکالتے ہین۔ مگر لفظ ذنب کے معنون پر جس کیلیے قرائن پیش کیے جاتے ہین یہ اصرار کر رہے ہین کہ ذنب کے معنے بشری کمزوری نہین ہوسکتے اگر ان لوگون کے دلون مین خدا کا کچھ خوف ہوتا تو وہ ضرور حق کی طرف توجہ کرتے مگر تعصب نے اِن کو اندھے کر رکھا ہے کسی لفظ کے معنون کے فیصلہ کے لیے جو طریق ہوتا ہے ہم اُس کو ذنب کے معنون کے لیئے ...... پیش کرتے ہین اس کے رو سے آسانی

سے فیصلہ ہو سکتا ہے کہ ذنب جب انبیاء علیہم السلام کے لئے استعمال ہوتا ہے تو اسکے
کیا معنے ہوتے ہین۔ کیا یہ امر قابل توجہ نہین کہ قرآن شریف نے لفظ جرم یا اثم یا
فسق ہرگز ہرگز انبیاء علیہم السلام کے لیئے استعمال نہین کیا باوجودیکہ دوسو دفعہ سے
بھی زیادہ یہ الفاظ گنہ گارون کے لیئے قرآن شریف مین آئے ہین۔ پھر کیا یہ امر قابل
توجہ نہین کہ لفظ جرم۔ اثم۔ فسق کی صاف قرآن شریف مین تعریف کر دی گئی ہے
کہ ہر ایک جرم۔ اثم۔ فسق کا مرتکب خدا کے حکم کی نافرمانی کرنے والا ہے اور اس نافرمانی
کی اس کو سزا دیجاوے گی۔ لیکن ہر ایک مذنب کے لیئے خدا تعالےٰ کیطرف سے
سارے قرآن شریف مین کہین بھی جہنم کا وعید نہین ؟ اور پھر کیا یہ امر قابل توجہ
نہین کہ انبیاء کے لیئے قرآن کریم نے ایسے الفاظ استعمال کیئے ہین جو گناہ کے
منافی ہین ؟ پادری صاحبان کو چاہیئے کہ ان باتون پر غور کرین پھر اگر ان کے ہاتھ
مین ان کی کوئی تردید نہین تو کیون بیفائدہ انبیاء کے گنہ گار ہونے کا شور ڈالا ہوا
ہے کیا خدا کے راستباز بندون پر تہمتین لگانے سے یسوع پاک ہو جائے گا۔ ان
کو چاہیئے کہ پہلے گھر کی صفائی کرین اور یسوع کی بریت ثابت کرین اور پھر دوسرے
مذاہب پر حملہ کرین ؛

اس پہلو قرآن شریف مین اس کے استعمال کے متعلق لکھا تھا کہ اس کتاب مجید نے
ذنب اور دوسرے الفاظ کے درمیان جو اس نے گناہ کے لیئے استعمال کیئے ہین
ایک کھلا امتیاز رکھا ہے اور اس بارے مین مخصوصاً تین امر قابل غور ہین۔ اول
یہ کہ لفظ جرم اور دوسرے الفاظ مثلاً اثم۔ فسق۔ جناح وغیرہ جو کثرت سے
قرآن شریف مین انبیاء علیہم السلام کے مخالفین اور گنہ گارون کے لیئے استعمال ہوئے

ہین کبھی کسی نبی کے حق مین استعمال نہین کئے گئے۔ بلکہ انبیا پر جب کبھی بولا گیا ہے
لفظ ذنب ہی بولا گیا ہے جو نسبتاً قرآن کریم مین کم استعمال ہوا ہے **دوم** یہ کہ قرآن کریم
نے ہر ایک مذنب کے لیئے سزا کا وعید نہین دیا۔ **سوم** یہ کہ لفظ جرم وغیرہ کی
قرآن شریف نے صاف تعریف کردی ہے کہ ان کے مرتکب کے لیئے ضرور سزا ہی +

مصر سے ایک پادری صاحب اپنے عیسائی بھائیون کی مدد مین یہ تحریر کرتے
ہین کہ لفظ جرم انبیاء پر اس واسطے نہین بولا گیا کہ قرآن شریف مین یہ لفظ قطعاً
استعمال ہی نہین کیا گیا۔ کیا خوب۔ مگر پادری صاحب اس کا کیا جواب دیتے ہین
کہ شرک۔ کفر۔ اثم۔ جناح۔ فسق انبیاء کے حق مین کیون نہین بولے گئے کیا یہ
الفاظ بھی باین ہیئت قرآن شریف مین استعمال نہین ہوئے۔ اور یہ کیسی بیہودگی
ہے کہ جرم کا لفظ قرآن شریف مین استعمال نہین ہوا۔ قرآن شریف جو بار بار گنہ
گارون کو مجرم کہتا ہے تو انبیاء کو مجرم کیون نہین کہتا کیا کسی کو مجرم کہنا یا جرم کا مرتکب
کہنا دو الگ الگ باتین ہین۔ پادریون کی اس عقل پر ہمین تو رونا آتا ہے۔ عربی زبان
مین اس لیاقت پر یہ ناز کہ ذنب اور جرم کے معنون پر بحث کر رہے ہین اور مصر سے
گویا اس دعوے سے لکھ رہے ہین کہ ہم بڑے عربی دان ہین۔ بار بار قرآن شریف
گنہ گارون کو مجرم ٹھہراتا ہے مگر عقل کے اندھون کو کون سمجھائے۔ قرآن شریف تو
بار بار گنہ گارون کو سزا کے وعید دیتا اور انبیاء کے حق مین تعریف کے الفاظ بولتا ہی۔
کیا یہ بین فرق نہین ہے۔ اسی طرح پر مصری پادری صاحب کا یہ بیان ہے کہ مذنب
کے لیئے سزا کا وعید اس لیئے نہین کہ مذنب کا لفظ ہی قرآن شریف مین استعمال
نہین ہوا۔ مگر یہ لکھتے وقت پادری صاحب کو سمجھ نہ آئی کہ کچھ ہی بہر حال یہ ثابت تو

ہو گیا کہ مذنب کے لیئے سزا کا وعید قرآن شریف مین نہین حالانکہ مجرم وغیرہ کے لیئے ہے - اگر قرآن کریم کو یہ منظور ہوتا کہ وہ مجرم کی طرح مذنب کو بھی سزا کا وعید دے تو مذنب کا لفظ لانے سے اُسے کیا چیز مانع تھی - اور علاوہ ازین مذنب کا لفظ نہ لاکر بھی اس مطلب کو قرآن شریف پورا کر سکتا تھا جیسا اثم کے لیئے فرمایا وَمَن یَکسِب اِثمًا فَاِنَّمَا یَکسِبُہٗ عَلٰی نَفسِہٖ کیا ایسا ہی ذنب کے لیئے نہ آسکتا تھا - مگر قرآن کریم نے یہ کھلا کھلا اور بین فرق رکھ لیا ہے تاکہ جس کو کچھ بھی عقل ہے وہ ٹھوکر سے بچ جاوے ؛

بالآخر ہم پھر اپنے پہلے بیان کو موکد کرتے ہین کہ ذنب ایک وسیع معنے کا لفظ ہے - مجرم کا ذنب جرم ہے - اثیم کا ذنب اثم ہے فاسق کا ذنب فسق ہے - مشرک کا ذنب شرک ہے اور کافر کا ذنب کفر ہے - مگر نبی نہ مجرم ہے نہ اثیم ہے نہ فاسق ہے نہ مشرک ہے نہ کافر ہے اور اس لئے اس کا ذنب بھی نہ جرم ہے نہ فسق ہے نہ اثم ہے نہ شرک ہے نہ کفر ہے جیسا ان کے لیئے سزا کا وعید ہے - ذنب کے لئے سزا کا وعید نہین اس لیئے نبی کا ذنب خدا کی ناراضگی کے نیچے نہین آسکتا اور اس لیئے اس مین گناہ کا ٹھیک مفہوم بھی موجود نہین - پس نبی کا ذنب سوائے بشریت کی فطری کمزوری کے اور کچھ نہین ؛
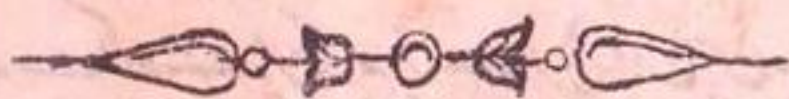
زبان عربی سے عیسائیون کی جہالت کا ایک ثبوت

انبیاء علیہم السلام کی نسبت قرآن شریف مین جرم کا لفظ استعمال نہین کیا گیا۔ اس کے

متعلق عیسائی نامہ نگارون کیطرف سے یہ احمقانہ جوابدیا گیا ہی۔ کہ انبیاء کی نسبت جرم کا لفظ استعمال نہین کیا گیا۔ کہ یہ لفظ قرآن شریف مین بالکل آتا ہی نہین۔ اگر یہ بیہودہ جواب صرف ہندوستان کے عیسائیونکیطرف سے ہوتا تو کوئی تعجب کی بات نہ تھی۔ کیونکہ عربی زبانسے ان لوگونکی ناواقفیت کسی شخص کو معلوم نہین بیشک ایسا بیہودہ جواب اس ملک کے عیسائیونکی حالت کے بالکل شایان تھا۔ جو باوجود اپنی جہالت کے اپنے آپکو عربی کا عالم ظاہر کرنیکی کوشش کرتے ہین۔ اور ناوانی سے عربی زبان کے باریک مسئلونپر بحث کرکے اپنے آپکو ہنسی کا نشانہ بناتے ہین۔ ہم اس ملک کے پادریونسے تو ایسے بیہودہ بیانات سننے کے عادی ہی تھے مگر ہمین یہ کبھی خیال نہین گذرا تھا۔ کہ دوسرے اسلامی ممالک کے پادری بھی اپنے ہندوستانی بھائیونکیطرح عربی سے محض نابلد ہین۔ ہم خیال کیا کرتے تھے۔ کہ دوسرے اسلامی ممالک کے پادری اپنے ہندی بھائیونکی نسبت عربی زیادہ جانتے ہونگے۔ مگر مصر کے ایک پادری مسٹر اوپسن نے ہمارے اس خیالکو غلط ثابت کیا ہی۔ اس شخص نے مصر مین بیٹھکر اس مباحثہ مین حصہ لیا ہی۔ اور ناظرین یہ سنکر تعجب کرینگے۔ کہ یہی پہلے صاحب ہین جنھون نے یہ پیش کیا کہ جرم کا لفظ قرآنشریف مین کسی شخص کے حق مین بھی استعمال نہین ہوا چونکہ یہ بات ایک مصری پادری کے منہ سے نکلی تھی اسلئے ہندوستانی پادریون نے بڑے شوق سے اسکو لیلیا اور اسکی بڑی قدر کی۔ ہمین تعجب آتا ہی کہ مسٹر اوپسن کو اس معاملہ مین دخل دینے کی کیا ضرورت تھی کیا ہندوستان مین پہلے ہی عیسائی جہالت کافی موجود نہ تھی۔ مسٹر اوپسن عربی سے ایسا ہی ناواقف معلوم ہوتا ہی۔ جیسا کہ یہان کے انگریز اکثر ہندوستانی بولیونسے ناواقف ہوتے ہین۔ اگر وہ عربی سے خوب واقف ہوتا تو یہ بیہودہ بات کبھی پیش نکرتا۔ کہ قرآنشریف مین جرم کا استعمال نہ نبی پر آیا ہی نہ غیر نبی پر۔ مگر اسکے ہندوستانی بھائیون نے اسکو

بیانکو بغیر مقدم کہا صرف اسلیئے کہ یہ بات مصر سے آئی ہی۔ انکو یہ خبر نہ تھی کہ اس امر مین وہ بھی انکی طرح نابینا ہے
اس امر مین انا گھاٹ کے ایک بادری مسٹر ہانز نے جو حصہ لیا ہی اس سے نہایت ہی ہنسی آتی ہی چونکہ یہ شخص
عربی سے ناواقف تھا اسلیئے اسکو اوبسن کے بیان کی لغویت نظر نہ آئی جس طرح جاہل لوگ دوسرے کی بات پر اعتبار
کرلیا کرتے ہین اسی طرح دکی ہی اسنے بھی مسٹر اوبسن کے بیان پر یقین کرلیا۔ اور چاہا کہ اس نکتہ سے بڑا فائدہ اٹھائے
اسنے سمجھا کہ ریویو آف ریلیجنز کا ایڈیٹر خوب قابو مین آگیا ہی۔ کیونکہ وہ عمداً ایک بڑی سخت غلط بیانی کا مرتکب ہوا ہے
اسنے مناسب سمجھا کہ ایڈیٹر پر حملہ کرنیکے موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دے۔ اس بیچارہ کو اپنی آنکھوں کا شہتیر نظر نہ آیا وہ
یہ بھی نہین دیکھ سکا کہ مین مسٹر اوبسن کے لغو بیان کی تصدیق کرنے مین خود اپنی جہالت کا ثبوت دے رہا ہون۔ ہمین
اس سے تو تعجب نہین آتا کہ وہ مسٹر اوبسن کی غلطی کو نہ دیکھ سکا کیونکہ اس سے اس بات کی امید ہی نہ تھی۔ اسکی
جہالت باوجود اپنی حماقت کے اسکو معذور ٹھیراتی ہی۔ اسکا جرم تو یہ ہی کہ اسنے شوخی سے ایڈیٹر پر کیون حملہ کیا
مگر میرے خیال مین اسکو اس امر کی کافی سزا مل چکی ہی۔ اسکا حملہ ہی اسکے لئے کافی سزا ہی۔ کیونکہ اس حملہ نے اسکی
اپنی پردہ دری کرائی اسکو اپنی جہالت اور مسٹر اوبسن کی بات پر حد سے زیادہ اعتبار کرلینے سے یہ ذلت نصیب
ہوئی اور اسنے اس منحوس وقت پر لعنت بھیجنی چاہیئے جبکہ اسے اس مباحثہ مین حصہ لینے کا خیال آیا جسکے وہ بالکل
نااہل تھا اور جو انجام کار اسکی پردہ دری کا باعث ہوا۔ مین اسکو ہمدردی سے مشورہ دیتا ہون کہ آئندہ وہ
ایسے مباحثات مین شامل ہونیکا کبھی خیال بھی نکرے جسمین... عربی دانی کی ضرورت ہو۔ مین امید کرتا
ہون کہ وہ اس سبق سے فائدہ اٹھائیگا اور پھر کبھی ایسے مباحثات مین دخل نہ دیگا اگر وہ بیکار نہین بیٹھ
سکتا اور ضرور اسکے لئے کوئی شغل چاہیئے تو مین اسکے لئے ایک اور قسم کا مباحثہ تجویز کرتا ہون جسمین اسکی
ذات کیلئے کسی پردہ دری کا خطرہ نہین۔ انجیل کی بنا پر ریویو آف ریلیجنز مین یسوع پر نکتہ چینی
کیگئی ہی۔ اور عیسائی نوشتون کی شہادت پر یسوع کی عصمت پر بڑے سخت اعتراض کئے گئے ہین
اسلئے مسٹر ہانز کیلئے بہت بہتر ہوگا کہ اس ضروری مسئلہ کو بحث کے نیچے لانے اور اس مضمون پر

پر زور مضامین لکھے - یہ اسکے لئے زیادہ سلامتی کی راہ ہی کیونکہ انمین انکو کسی اپنی پردہ دری کا
خطرہ نہین - اگرچہ ممکن ہی کہ اُس سے اِس شخص کی پردہ دری ہوجائے جسکو جہالت سے وہ اپنا خدا
سمجھ کے پوجتا ہے ✣

مگر باوجود اسکے کہ یہ مسٹر ہانز وکیلئے نہایت ہی مقدس اور اعلیٰ درجہ کا فرض ہی کہ اپنے خدا کی خدائی کو
اصلی معصومیت ثابت کرکے تھامے - مین وثوق سے کہتا ہون کہ وہ اِس کلام کیلئے کبھی جرأت نہین کریگا - اِسکے
اپی فنی مین بہت دفعہ خطوط چھپے ہین جسمین انسنے ریویو آف ریلیجنز کے بعض بیانات پر اعتراض کیا ہی -
مگر تعجب کی بات یہ ہی کہ باوجود اپنے اسقدر مذہبی جوش اور تعصب کے یسوع کی عصمت پر جو اعتراض کئے
گئے ہین انکا کوئی دفعیہ نہین کیا - وہ خوب جانتا ہی کہ ایسی کوشش کرنا مفید نہین بلکہ مضر ہوگا کیونکہ ان
اعتراضات کی بنا اناجیل کے کھلے کھلے اور صریح الفاظ پر ہے ✣

یہ سراسر ہی سمجھ آسکتا ہی کہ عیسائیونکو یہ غلطی کیونکر لگی کہ جرم کا استعمال قرآن شریف مین ہوا ہی یا
نہین - آپنے جو مضمون عصمت انبیاء پر شائع کیا تھا اسمین آپ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ قرآن شریف
انبیاء کو گنہگار نہین ٹھہراتا اور اسکے ثبوت مین آپنے بیان کیا کہ قرآن شریف مین انبیاء کی نسبت
جُرم کا لفظ جو گناہ کا ٹھیک ٹھیک ترجمہ ہی کبھی نہین آیا - اگرچہ یہ لفظ قرآن شریف مین دوسرے لوگونکی
نسبت بہت دفعہ آیا ہی آپکا یہ مطلب تھا کہ ایسے لفظ مثلاً مجرم - مجرمون - اجرموا - وغیرہ جو
جرم کے مادہ سے نکلے ہین ممکن ہی کہ انبیاء کی نسبت استعمال کئے گئے ہون مگر جرم اپنی مصدری صورت مین انبیاء
کی نسبت استعمال نہین ہوا اور ایسا کہنا انبیاء کی عصمت کی کوئی دلیل نہین ہوسکتی تھی - اگر دوسرے لفظ جو
جرم کے مادے سے نکلے ہوئے ہین انبیاء کی نسبت استعمال کئے جاتے - صرف جرم کے مصدری صورت استعمال نہ ہونے
تو یہ کوئی انکی عصمت کی دلیل نہ ہوتی - جرم ایک جگہ ہونیکی وجہ سے ان تمام لفظون پر حاوی ہے جو اس سے نکلے ہین
اور جب آپنے کہا کہ جرم کا استعمال انبیاء کے متعلق قرآن شریف مین نہین آیا اگرچہ بکثرت دوسرے لوگونکی

نسبت آیا ہی تو صریحاً جرم سی آپکی مراد وہ سارے الفاظ تھی جو اس لفظ سی نکلتی ہین اور جنپر یہ لفظ حاوی ہے مگر عیسائیونکو
زبان عربیہ نہ تھا کہ وہ اس بات کو سمجھین انہون نے کسی نجوم القرآن مین لفظ جرم کا دیکھا۔ اور جب انکو اس لفظ کا پتہ نملا
تو انھون نے دلیری سی کہدیا کہ جرم کا استعمال قرآن شریف مین ہوا ہی نہین۔ انکو یہ معلوم نہ تھا کہ اس طرح پر
اپنی جہالت کا ثبوت دے رہے ہین۔ چونکہ وہ عربی سی ناواقف تھی انکو یہ خیال نہ آیا کہ ان الفاظ کو ڈھونڈین جو جرم کے
مادے سی نکلے ہوئی ہین اگر قرآن شریف مین دوسرے الفاظ جو جرم کے مادے سی نکلے ہوئے ہین انبیاء کی نسبت آئے ہوتے تو حرف
مادے کا نہ آنا انکی معصومیت کو ثابت نہین کر سکتا تھا۔ فرض کرو کہ زید بیان کرتا ہی کہ گناہ کا لفظ یسوع کی نسبت
انجیل مین استعمال نہین ہوا اسلئے اُسے معصوم سمجھنا چاہیئے۔ مگر عمر ایسے فقرے انجیل سی پیش کرتا ہی جسمین یسوع کی
نسبت یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہین۔ گنہگار۔ گنہ کرنیوالا۔ گنہ کنندہ وغیرہ۔ تو کیا زید کیلئے یہ کہنا عقلمندی
ہوگی کہ اگرچہ یہ الفاظ یسوع کی نسبت بیان کئے گئے ہین۔ مگر چونکہ لفظ گنہ اپنی سادہ اور غیر مرکب صورت مین یسوع کی
نسبت نہین آیا اسلئے یسوع کو بے گنہ سمجھا جائے۔ زید کا ایسا جواب موجب تمسخر ہوگا۔ لیکن لفظ جرم کی صورت مین
عیسائیون کا جواب اس سے کچھ کم لغو نہین ہے۔ اگرچہ قریباً تمام الفاظ جو جرم کے لفظ سی نکل سکتی ہین۔ قرآن شریف مین آئے
مگر وہ بیان کرتے ہین۔ کہ چونکہ جرم کا مادہ اپنی اصل صورت مین قرآن شریف مین کبھی نہین آیا۔ اسلئے ریویو آف ریلیجنز کے
ایڈیٹر نے بڑی غلط بیانی کی جبکہ اس نے کہا کہ جرم اگرچہ اکثر قرآن شریف مین دوسرے لوگون پر آیا ہی۔ مگر انبیا کی نسبت
ایکدفعہ بھی نہین آیا گویا کہ ایڈیٹر صاحب کی یہ مراد تھی۔ کہ جرم سے نکلے ہوئے لفظ ممکن ہی کہ انبیاء کی نسبت آئے ہون
مگر جرم کا مادہ قرآن شریف مین انبیاء کی نسبت استعمال نہین ہوا ٭

ذنب کے معنی

(۱) عیسائی بیان کرتے ہین کہ قرآن شریف انبیاء کو ایسا ہی گنہگار ٹھیراتا ہی جیسا کہ معمولی آدمیونکو۔ یہ صریحاً
غلط ہی۔ اگر ایسی بات ہے۔ تو قرآن شریف ایسے الفاظ کو مثلاً جرم۔ فسق۔ جنح۔ اثم وغیرہ انبیاء کے متعلق کیون استعمال نہین کرتا
حالانکہ ایسے الفاظ اکثر دوسرے لوگونکی نسبت استعمال ہوئے ہین۔ اگر قرآن شریف انکو ایسا ہی گنہگار سمجھتا ہی جیسا
[illegible] تو وہ انکے متعلق ایسے الفاظ استعمال کرنے سے پرہیز کرتا ہی جو دوسرے گنہگارون کے متعلق اکثر استعمال

کرتا ہے۔ لفظ فسق۔ جرم۔ اثم۔ جناح۔ وغیرہ قرآن مین قریباً دو سو دفعہ آئے ہین۔ لیکن باوجود ان کی اس قدر کثرت استعمال کے کسی نبی کی نسبت وہ ایک دفعہ بھی استعمال نہین کئے گئے۔ اگر لفظ ذنب اور جرم وغیرہ مین کوئی فرق نہین ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ قرآن شریف نے انبیاء کے لیئے صرف ذنب کا لفظ چن لیا ہے۔ اور ہمیشہ جرم وغیرہ الفاظ کے استعمال سے پرہیز کی ہے۔ قرآن شریف مین جرم۔ فسق۔ اثم وغیرہ کی نسبت ذنب کا استعمال بہت کم ہے۔ لیکن باوجود اس کے ہم دیکھتے ہین کہ قرآن شریف دوسرے لفظون کو چھوڑ کر انبیاء کی نسبت صرف ذنب کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ قرآن شریف نے صریحاً انبیاء کے متعلق جرم اور ذنب کے لفظ استعمال مین تمیز رکھی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب کبھی انبیاء کی نسبت ذنب کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ تو وہ جرم وغیرہ کا مترادف نہین ہوتا +

(ب) ایک اور دلیل کہ ذنب ہمیشہ گناہ سرزد شدہ کے معنے نہین رکھتا۔ یہ ہے کہ خدا تعالےٰ ذنب کی ایسے فعل کیطور پر تعریف نہین کرتا جو ہمیشہ قابل سزا ہو۔ حالانکہ دوسرے الفاظ جرم۔ وغیرہ کی ایسی تعریف کی گئی ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ ذنب کو تمام صورتون مین قابل سزا فعل نہین ٹھہراتا۔ ہمین قرآن شریف مین کہین نہین بتلایا گیا کہ جس شخص مین صرف ذنب پایا جائے وہ ہمیشہ مستحق سزا کا ہوتا ہے۔ مگر گناہ ایک قابل سزا فعل ہے۔ اور ہر ایک شخص جو گناہ کا مرتکب ہو سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ اِس سے ہم نتیجہ نکالتے ہین۔ کہ خدا تعالےٰ ذنب کو تمام صورتون مین گناہ کا مترادف نہین قرار دیتا کیونکہ وہ کہین بیان نہین کرتا۔ کہ جس شخص مین ذنب پایا جائے وہ ہمیشہ قابل سزا فعل کا مرتکب ہوتا ہے۔ قرآن شریف مین ایک بھی

آیت نہیں ہے۔ جس سے یہ نتیجہ نکل سکے کہ خدا تعالےٰ ذنب کی تمام صورتون کو قابل سزا ٹھہراتا ہے بجائے اِس کے کہ عیسائی قرآن شریف سے کوئی ایسی آیت پیش کرتے جس سے پایا جاتا کہ جس شخص مین ذنب پایا جائے وہ سزا کا مستحق ہو جاتا ہے۔ انھون نے ایسی آئتین پیش کی ہین جس مین ذنب گناہ کے لیئے آیا ہے۔ گویا ہمارا یہ دعویٰ تھا کہ ذنب گناہ کے معنون مین آتا ہی نہین۔ قرآن شریف سے ایسی آئتین پیش کی گئی ہین۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مجرم لوگ اپنے ذنوب کی سزا پائینگے۔ لیکن کیا اِس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جس مین ذنب پایا جائے وہ سزا پائیگا۔ ان آئتون سے تو اتنا ہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ جو مجرم ہونگے وہ اپنے ذنوب کی سزا پائینگے۔

ہم عیسائی صاحبان سے ایسی آیت طلب کرتے ہین جسکے یہ معنے ہوں کہ ہر ایک مذنب سزا پائیگا۔ قرآن شریف مین ایسی کئی آئتین ہین کہ جو کوئی جرم۔ فسق۔ اثم۔ کفر کرے وہ سزا کا مستحق ہو جاتا ہے۔ مثلاً یہ آیت ہے۔ وَمَن یَّاتِ رَبَّہٗ مُجرِماً فَاِنَّ لَہٗ جَہَنَّمَ۔ ترجمہ۔ اور جو کوئی خدا کے پاس مجرم کے طور پر آئیگا دوزخ مین ڈالدیا جائیگا لیکن ہمین کہین نہین بتلایا گیا کہ جو کوئی رب کے پاس مذنب ہو کر جاویگا دوزخ کی سزا پاویگا۔ ایسا ہی قرآن شریف مین کئی آئتین ہین جن مین فسق۔ اثم۔ کفر وغیرہ تمام صورتون مین قابل سزا فعل بیان کیئے گئے ہین مگر ذنب کی کہین ایسی تعریف نہین کی گئی ✢

مجرم۔ کافر۔ فاسق وغیرہ کا ذنب خالص ذنب نہین ہے کیونکہ ان جگہون مین اِن لوگون کی طرف صرف ذنب ہی منسوب نہیں کیا گیا۔ بلکہ اِن لوگون کے ذنب کے ساتھ جرم۔ کفر۔ فسق وغیرہ بھی ملائے گئے ہین۔ اِس لیئے ہم یہ نتیجہ

نہین نکال سکتے کہ ذنب جسکے ساتھ کفر۔ جرم۔ فسق وغیرہ نہ ملا ہوا ہو۔ وہ بھی ہمیشہ قابل سزا ہوتا ہے۔ اگر۔ مجرم کافر۔ فاسق وغیرہ کو اِس لیے ذنب کی سزا مین دوزخ کا وعید سنایا گیا ہے۔ تو اِس سے ہم یہ نتیجہ نہین نکال سکتے کہ انبیاء بھی جنکی طرف جرم۔ کفر۔ فسق منسوب نہین کیئے گئے۔ اپنے ذنب کے لیئے مستحق سزا ہوتے ہین۔ عیسائیون کو قرآن شریف کے رو سے ثابت کرنا چاہیئے کہ جس شخص کی طرف ذنب منسوب کیا گیا ہو۔ اور جرم۔ فسق۔ اثم وغیرہ اس کی طرف منسوب نہ کیئے گئے ہون وہ بھی سزا کا ایسا ہی مستحق ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ مجرم یا اثیم وغیرہ۔ اب قرآن شریف مین خدا تعالےٰ انبیاء کی نسبت صرف ذنب کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ اور ذنب کو وہ کہین ایسے فعل کے طور پر بیان نہین کرتا۔ جو کہ تمام صورتون مین سزا کا مستحق بنا دے۔ اور وہ جرم۔ فسق۔ اثم۔ کفر وغیرہ الفاظ انبیاء کی نسبت استعمال نہین کرتا۔ اور وہ ان فعلون کو ان کی تمام صورتون مین قابل سزا بیان کرتا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ انبیاء کو ایسے لوگون مین شامل نہین کرتا جو کہ سزا پانے کے خطرہ مین ہوتے ہین۔ جیسا کہ وہ دوسرے لوگون کو سمجھتا ہے ؛

(ج) عیسائی بیان کرتے ہین کہ انبیاء بھی اِسی طرح گناہ کر سکتے ہین۔ جیسا کہ دوسرے لوگ۔ اور یہ کہ انبیاء اور دوسرے لوگون مین اِس بارہ مین کوئی فرق نہین۔ قرآن شریف اِسکی تردید کرتا ہے وہ اس بارے مین انبیاء اور دوسرے لوگون مین صاف تمیز کرتا ہے۔ جب بعض لوگون نے شک کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت مین سے زیادہ حصہ لے لیا ہے تو خدا تعالےٰ نے انکے شبہات کا اس طرح جواب دیا۔

مَاکَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّغُلَّ ۔ ترجمہ ۔ نبی کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ مال غنیمت مین خیانت کرے جس طرز مین خداوند تعالےٰ نے جوابدیا ہے ۔ اِس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ گناہ کے بارے مین خداوند تعالےٰ انبیاء کو اور دوسرے لوگون کو مساوات کی نظر سے نہین دیکھتا خداوند تعالےٰ اُن کے شبہون کا یون جواب دے سکتا تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ مین کوئی خیانت نہین کی ۔ برخلاف اِس کے خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ یہ ممکن ہی نہین کہ کوئی نبی ایسا کام کرے ۔ اِس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک انبیاء اور دوسرے لوگ گناہ کے معاملہ مین مساوی نہین ہین ۔ جیسا کہ عیسائیون کا خیال ہے ۔ خدا یہان ایک قسم کے گناہ کا ذکر اس لئے کرتا ہے کہ موجودہ صورت مین اسی قسم کا الزام لگایا گیا تھا ۔ اور یہی الزام تھا جس سے خدا تعالیٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بری کرنا چاہتا تھا ✦

(۹) عیسائی لوگ بیان کرتے ہین کہ استغفار ایسے گناہون کی معافی کے لئے ایک دعا ہے ۔ جو سرزد ہو چکے ہین ۔ اور جب تک کہ کوئی گناہ سرزد نہو ۔ کوئی استغفار نہین ہو سکتا یہ بیان کئی وجوہات کے رو سے غلط ہے ✦

(۱) استغفار کے لفظی معنے اس بیان کی تردید کرتے ہین ۔ اِس کے معنے ہین حفاظت مانگنا ۔ گناہون سے حفاظت مانگنا صریحاً دو قسم کا ہوتا ہے ایک سرزد شدہ گناہون کے بد نتائج سے حفاظت طلب کرنا دوسرا خود گناہون کے وقوع سے حفاظت طلب کرنا ۔ ہم طبعی طور پر صرف یہی خواہش نہین کرتے ۔ کہ ہمارے گذشتہ گناہ معاف ہون بلکہ یہ بھی خواہش کرتے ہین کہ آیندہ ہم سے گناہ سرزد ہی نہ ہون ۔ اور استغفار ایک ایسی دعا ہے جس مین ہم اپنی طبعی خواہشون کو ظاہر کرتے ہین اُسکو صرف ایک خواہش

پر ہی محدود کرنا بے انصافی ہے +

(۲) قرآن شریف میں کئی آیات ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ استغفار صرف سرزد شدہ گناہوں کیلئے ایک دعا نہیں ہے بلکہ ہم بغیر کسی گناہ کے وقوع کے بھی استغفار کر سکتے ہیں۔ خدا تعالےٰ ہمیں تاکید کرتا ہے کہ صبح کے وقت استغفار کیا کرو۔ اگر استغفار ضرور گناہوں کے بعد ہوتا ہے تو کیوں خداوند تعالےٰ نے صبح کا وقت خاص کیا۔ ہم سے جس وقت گناہ سرزد ہوا اسی وقت استغفار کرنا چاہئے تھا۔ مگر خدا ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ تم ہر روز صبح کے وقت استغفار کیا کرو وہ فرماتا ہے اَلصَّابِرِيْنَ وَالصَّادِقِيْنَ وَالْقَانِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ پھر فرماتا ہے اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ان آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ ہمیں یہی حکم نہیں کرتا کہ جس وقت تم سے کوئی گناہ سرزد ہو اس وقت استغفار کیا کرو۔ بلکہ یہ بھی چاہتا ہے کہ بغیر گناہوں کے ارتکاب کے بھی ہم استغفار کیا کریں +

(۳) ایک اور آیت جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ استغفار گنہگار ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے اس طرح پر ہے۔ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (سورۃ التحریم) اس آیت میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ بہشتی لوگ بھی استغفار کیا کرینگے۔ ان کا استغفار گناہوں کے لئے نہیں ہو سکتا کیونکہ بہشت میں کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ اور نہ وہ اپنی دنیاوی زندگی کے گناہوں کے لئے استغفار کریں گے کیونکہ ہمیں اس سے پہلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ بہشت میں داخل ہونے سے پہلے اُن کے گناہ معاف کئے جائینگے آیت اسی طرح

ہے عسیٰ ربکم ان یکفر عنکم سیاٰتکم ویدخلکم جنٰت تجری من تحتہا الانہار۔ پس ان کا استغفار گذشتہ گناہوں کے لیئے نہیں خود اس آیت سے ہمین پتہ ملتا ہے کہ ان کا استغفار کس غرض کے لیئے ہوگا۔ چونکہ خداوند تعالےٰ کے نور کی کوئی حد نہین ہے۔ اس لیئے جو نور اہل جنت کو ملیگا وہ ان کو اس نور کے مقابل مین ناقص نظر آئیگا جو ابھی ان کو نہیں ملا۔ اس نقص کو محسوس کر کے وہ خدا سے دعا کرینگے کہ ہمارا نور پورا کر۔ اور ہماری اس ناقص حالت کو ڈھانپ دے۔ مگر وہ کبھی نور سے سیر نہین ہونگے۔ کیونکہ خدا کے نور کی کوئی حد نہین۔ اس لیئے وہ ہمیشہ زیادہ اور زیادہ نور مانگتے رہین گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ استغفار روحانی ترقی کے لیئے ایک دعا ہے۔ چونکہ روحانی ترقی کی کوئی حد نہین۔ اس لئے انبیاء علیہم السّلام ہمیشہ دعا مین لگے رہتے ہین۔ اور ہمیشہ زیادہ نور مانگتے رہتے ہین۔ وہ کبھی اپنی روحانی ترقی پر سیر نہین ہوتے اس لیئے ہمیشہ استغفار مین لگے رہتے ہین کہ خدا ان کی ناقص حالت کو ڈھانپے۔ اور پورا روشنی کا پیمانہ دے۔ اسی وجہ سے خدا تعالےٰ اپنے نبی کو فرماتا ہے۔ قل رب زدنی علما یعنی ہمیشہ زیادہ علم کے لئے دعا کرتا رہ۔ کیونکہ جیسا خدا بیحد ہے ایسا ہی اس کا علم بھی بے حد ہے۔ القصہ اہل جنت کا استغفار صاف صاف ہمپر ثابت کرتا ہے کہ استغفار اور گناہ لازم ملزوم نہیں ہین۔ اور یہ کہ ہمارا ہمیشہ اس لیئے بھی ہو سکتا ہے۔ کہ خدا ہماری کمزوریون کو ڈھانپے اور روحانی ترقی کے لیئے طاقت دے۔ عیسائی بڑے ظالم ٹھہرینگے۔ اگر وہ اب بھی اصرار کرینگے استغفار ہمیشہ گذشتہ گناہون کی معافی کیلئے ایک دعا ہوتی ہے +

(۴) ایک اور آیت جس سے معلوم ہوتا ہے کہ استغفار ہمیشہ گذشتہ گناہون

کے لیئے نہین ہوتا - یہ ہے۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا اس آیت مین خداوند تعالےٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو استغفار کی تاکید کرتا ہے - یہ آیت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تھوڑے ہی دن پہلے اتری - اب اس آیت کے ساتھ یہ آیت ملاؤ۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ - یہ آیت فتح مکہ کے وقت اتری اس لیئے یہ آیت اول الذکر آیت سے بہت پہلے کی ہے عیسائی اس آیت کا اس طرح ترجمہ کرتے ہین - ہم نے تجھے ایک صریح فتح دی تاکہ ہم تیرے پہلے اور پچھلے گناہ معاف کرین* یہ عیسائیون کا ترجمہ ہے - اس لیئے عیسائیون کو ماننا چاہیئے کہ خدا تعالےٰ نے فتح مکہ کے وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے تھے - اب جب خداوند تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے - تو پھر خداوند تعالےٰ

---

* یہ معنے بالصراحت غلط ہین کیونکہ اس آیت کا ربط ہی بگڑ جاتا ہے - ایک فتح کو گناہ کی معافی سے کیا تعلق ہے - گناہون کی معافی فتح کا کوئی نتیجہ نہین ہو سکتا - یہان لفظ ذنب سے وہ عیب مراد ہین جو کفار آنحضرتؐ کیطرف منسوب کیا کرتے تھے کہ یہ شخص مفتری اور جھوٹا ہے - خداتعالےٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح دی - جو کہ آپ کی صداقت کی علامت تھی - اور اس طرح خداوند تعالےٰ نے آنحضرتؐ کو فتح دیکر ان تمام الزامون کو دور کر دیا جو کفار آنحضرتؐ کی طرف منسوب کیا کرتے تھے - خدائے تعالےٰ نے آپکے سلسلہ کو پوری کامیابی دی - اور آپ کے دشمنون کو ہلاک کیا - اور اس طرح آپ کی سچائی کی شہادت دی - ربط کلام ان معنون کی تائید کرتا ہے +

نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کیون استغفار کی تاکید کی۔ اگر ہم عیسائیون کے ترجمہ کو بھی مان لین۔ تو ہمین نتیجہ نکالنا پڑتا ہے کہ جب خداوند تعالےٰ نے گناہ معاف کرنیکے بعد استغفار کی تاکید کی تو وہ استغفار گذشتہ سرزد شدہ گناہون کے لیئے نہین تھا۔ کیونکہ آپ کے سارے گناہ تو معاف ہو چکے تھے یہ کس طرح ممکن ہے کہ خداوند تعالےٰ اول سارے گناہون کو معاف کرے۔ اور پھر بعد اس کے گناہون کی معافی منگوائے۔ پس عیسائیون کو ماننا چاہیئے کہ یہان وَاسْتَغْفِرْہُ کے معنے یہ نہین کہ گناہون کے لیئے معافی مانگ بلکہ یہان استغفار کے معنے خداوند تعالےٰ سے قوت طلب کرنا ہے تاکہ وہ روحانی منزل کے طے کرنے مین طاقت بخشے۔ سیاق کلام بھی اس معنے کی تائید کرتا ہے اس سورۃ (یعنی النصر) مین خداوند تعالےٰ آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کامل کامیابی کا ذکر کرتا ہے۔ اور آپکے قرب موت کیطرف اشارہ کرتا ہے۔ اور تاکید کرتا ہے کہ زندگی کے باقی دنون مین صرف دعا مین لگ جاؤ +

(۵)۔ عیسائی بیان کرتے ہین کہ استغفار نہین ہو سکتا جب تک کہ گناہون کا ارتکاب نہو اور یہ کہ جتنا زیادہ کوئی استغفار کرے اتنا ہی زیادہ وہ گنہگار ہوتا ہے۔ اس خیال کی قرآن شریف تردید کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قریباً ایک دن مین ستر دفعہ استغفار کیا کرتے تھے۔ اور آپ ساری عمر ایسا ہی کرتے رہے اب عیسائیون کے نزدیک یہ بار بار کا استغفار گناہون کی زیادتی کو ظاہر کرتا ہے۔ مگر قرآن شریف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت بڑے تعریف والے کلمے بیان کرتا ہے مثلاً اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔ نیز یہ آیت قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ پھر خداوند تعالےٰ آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سراج منیر فرماتا

اب ان تمام آیتون سے اس نتیجہ کی تردید ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بار بار کا استغفار کثرت گناہون کی وجہ سے تھا اگر ایسا ہوتا تو خداوند تعالے ایسے الفاظ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یاد نہ فرماتا جن کا اوپر ذکر ہوا ہے +

(۲) خداوند تعالے نے مسلمانون کو حکم کرتا ہے کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نمونے پر چلین اور آپ کے ہر ایک قول و فعل کی پیروی کرین چنانچہ فرماتا ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ پھر فرماتا ہے۔ ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال عیب سے خالی نہ تھے تو کیون ہم پر واجب کیا کہ ہم آپ کے نمونے پر چلین۔ جب خدا نے ابراہیم علیہ السلام کے نمونے پہ چلنے کی تاکید فرمائی تو ساتھ ایک استثنا دیا۔ مگر آنحضرت کی صورت مین کوئی استثنا نہین کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال غلطی سے پاک تھے +

کیا عیسائی قرآن شریف سے حضرت مسیح کی عصمت ثابت کر سکتے ہیں	اس کا جواب یہ ہے کہ اگر استغفار سے گناہ لازم آتے ہوں تو اس سے ماننا پڑتا ہے

دیکھو آیت قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم ...... الا قول ابراھیم لابیہ لاستغفرن لک (الممتحنۃ) اور آیت وما کان استغفار ابراھیم لابیہ الا عن موعدۃ وعدھا ایاہ فلما تبین لہ انہ عدو للہ تبرا منہ ان ابراھیم لاواہ حلیم پ ۱۱ ع ۴۔

کہ قرآن شریف کے رُو سے حضرت مسیح بھی بے گناہ نہیں ہین +

(الف) قرآن شریف مین ہے یستغفرون لمن فی الارض یعنے خدا کے فرشتے کل اہل زمین کیلیئے استغفار کرتے ہین - اب اگر استغفار کے لیئے گناہ کا ہونا ضروری ہو تو ہمین ماننا پڑتا ہے - کہ حضرت مسیح بھی بیگناہ نہ تھے - کیونکہ وہ بھی اہل زمین مین شامل ہیں جنکے لیئے فرشتے استغفار کرتے ہین +

(ب) قرآن شریف مین ایک اور جگہ فرماتا ہے - کہ فرشتون کا استغفار خاصکر مومنو کے لیئے ہوتا ہے - وہ آیت اس طرح ہے یستغفرون للذین امنوا - قرآن شریف کی رو سے تمام لوگ دو اقسام مین منقسم ہین ایک مومن دوسرے غیر مومن - حضرت مسیح مومنون مین شامل ہین اور اسلیئے فرشتے اُن کے لیئے بھی استغفار کرتے ہین پس اگر استغفار سے گنہگار ہونا لازم ہوتا ہے تو پھر حضرت مسیح بے گناہ نہین ہوسکتے +

(ج) قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام گذشتہ انبیاء آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے - چنانچہ خدا تعالے فرماتا ہے واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ الخ (آل عمران رکوع ۹)

مسٹر ایم - اذ اخذ اللہ میثاق النبیین - کا عجیب ترجمہ کرتا ہے اس کا ترجمہ کرنے کے واسطے وہ قرآن شریف کی ایک اور آیت کی طرف رُخ کرتا ہے یعنے ولقد اخذنا میثاق بنی اسرائیل - اور ان دونون آیتون کو ملانے کی کوشش کرتا ہے پچھلی آیت کا یہ معنے ہے کہ خدا نے بنی اسرائیل سے عہد لیا - اور پہلی آیت اپنی ترکیب کے لحاظ سے بالکل پچھلی آیت کے مشابہ ہے - اس لیئے

اسکے معنی یون کرنے چاہئین کہ خدا نے انبیاء سے عہد لیا۔ دونو ترکیبین بالکل مشابہ ہین۔ اور اگر لقد اخذنا میثاق بنی اسرائیل کے یہ معنی ہین کہ خدا نے بنی اسرائیل سے عہد لیا۔ تو دوسری آیت کے یہ معنی ہونے چاہئین کہ خدا نے انبیاء سے عہد لیا۔ صرف ہمنے ایک آیت مین انبیاء کا لفظ رکھا ہے اور دوسری آیت مین بنی اسرائیل کا لفظ۔ باقی حالتون مین دونو عبارتین بالکل ایک ہی ہین لیکن بجائے اسکے کہ مسٹر ایے ایم اذ اخذ اللہ میثاق النبیین کا اسی طرز سے ترجمہ کرے جس طرح وہ دوسری عبارت کا ترجمہ کرتا ہے۔ وہ اذ اخذ اللہ میثاق النبیین کا بہت ہی خلاف محاورہ ترجمہ کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اسکے معنے یہ ہین کہ خدا نے انبیاء کے بارے مین بنی اسرائیل سے عہد لیا۔ بنی اسرائیل کا لفظ وہ اپنی طرف سے ملاتا ہے۔ ایک طرف تو وہ میثاق بنی اسرائیل کے یہ معنی کرتا ہے کہ بنی اسرائیل سے عہد لیا۔ دوسری طرف میثاق النبیین کا یون ترجمہ کرتا ہے کہ انبیاء کے بارے مین بنی اسرائیل سے عہد لیا۔ دونو عبارتین بالکل مشابہ ہین۔ اسلئے اگر میثاق بنی اسرائیل کے یہ معنے ہین کہ بنی اسرائیل سے عہد لیا تو میثاق النبیین کے یہ معنے ہونے چاہئے کہ نبیون سے عہد لیا۔

اس کا یہ اعتراض۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے مین کوئی نبی زندہ نہ تھا جو آپ پر ایمان لاتا۔ اور آپکی نصرت کرتا۔ لغو ہے۔ خدا نے یہ عہد ہر ایک نبی سے کیا۔ جو آنحضرت سے پہلے گذرا۔ اور خدا کی وحی انبیاء پر اترتی تھی۔ نہ کہ عام لوگون پہ۔ لیکن انبیاء کا فرض تھا کہ خدا کا یہ حکم اپنی اپنی امتون کو پہونچاتے۔ اور انکو تاکید کرتے کہ جب موعود نبی ظاہر ہو تو اس پر ایمان لانا اور اسکی امداد کرنا۔ مگر وہ اس حکم کو نہین پہونچا سکتے تھے جبتک وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لاتے۔ جب انھون نے آنحضرت کی آمد کی پیشگوئی کی۔ تو لازم تھا۔ کہ وہ خود بھی آپ کی نبوت پر ایمان لاتے۔ اگر مسٹر ایے ایم کا اعتراض ہم پر پڑتا ہے۔ تو وہ اسکے معنون

بھی ایسا ہی پڑتا ہے۔ اگر عہد بنی اسرائیل سے کیا گیا تھا۔ تو وہ بنی اسرائیل کی کوئی خاص نسل ہوگی اگر انبیاء آنحضرتؐ کے زمانے تک زندہ نہ رہ سکتے تھے۔ تو بنی اسرائیل بھی زندہ نہ رہ سکتے تھے۔ وہ نسل اپنے نبی کے ساتھ ہی گذر گئی ہوگی۔ تو پھر وہ کس طرح آنحضرتؐ کے زمانے کو دیکھ سکتی تھی اسلئے دونو صورتون مین جن لوگوں سے عہد کیا گیا۔ وہ بذات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اسلیئے دونو صورتون مین خدا کے حکم کی تعمیل کرنیوالے وہی لوگ ٹھیرتے ہین جو آنحضرتؐ کی بعثت کے وقت موجود تھے۔ اور اپنے انبیاء کے قایم مقام تھے۔ پس ہمین صرف یہی دیکھنا چاہیئے کہ عہد کن سے کیا گیا۔ آیت کے الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ عہد انبیاء سے کیا گیا۔ خدا سے الہام پاکر انبیاء کا فرض تھا کہ خدا کے اس حکم کو اپنی امتون تک پہونچادین اور انکو تاکید کرین کہ موعود نبی پر ایمان لانا اور اسکی مدد کرنا۔ لیکن وہ کس طرح اور ونکو تاکید کر سکتے تھے۔ جبتک کہ وہ خود آنحضرتؐ کی نبوت پر ایمان نہ لاتے انبیاء کی نصرت تو یہی تھی۔ کہ وہ اپنی اپنی امتونکو تاکید کر جاوین۔ کہ موعود نبی پر ایمان لانا۔ اور اس کی نصرت کرنا +

اب چونکہ حضرت مسیح بھی انہی انبیاء مین سے ہین جن کا اس آیت مین ذکر ہے۔ اسلئے ثابت ہوا کہ وہ بھی آنحضرتؐ کی نبوت پر ایمان لاتے تھے۔ اور اسلئے مومنین مین شامل تھے۔ اب خدا تعالے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے۔ استغفر لذنبک وللمومنین والمومنٰت۔ اب اگر استغفار کیلئے گناہ لازم ہے۔ تو ثابت ہوا۔ کہ حضرت مسیح بھی بے گناہ نہین تھے۔ کیونکہ آپ بھی مذکورہ بالا آیت کے مطابق مومنین مین شامل تھے۔ جن کیلئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو استغفار کا حکم ہے +

کیا یہودیونکی نسبت جرم کا لفظ قرآن شریف مین نہین آیا

عیسائی نامہ نگارون نے بیان کیا ہے۔ کہ اگر انبیا کی کی نسبت جرم کا لفظ نہین آیا۔ تو یہودیونکی

نسبت بھی نہین آیا۔ یہ انکی جہالت کا دوسرا ثبوت ہے۔ یہودیونکی نسبت کئی جگہ جرم کا لفظ قرآن شریف مین آیا ہی۔ نمونہ کیلئے صرف تین آیتین لکھنی کافی ہونگی۔ ایک آیت یہ ہے۔ وعلی الذین ھادوا حرمنا کل ذی ظفر۔ ومن البقر والغنم حرمنا علیھم شحومھما الا ما حملت ظھورھما او الحوایا او ما اختلط بعظم۔ ذلک جزیناھم ببغیھم وانا لصادقون۔ فان کذبوک فقل ربکم ذو رحمۃ واسعۃ ولا یرد باسہ عن القوم المجرمین (الانعام رکوع ۱۸) اس آیت مین یہودیوں کا ذکر ہی جن کی نسبت لفظ مجرمین آیا ہی۔ دوسری آیت یہ ہے۔ ولقد ارسلنا من قبلک رسلا الی قومھم فجاؤھم بالبینات فانتقمنا من الذین اجرموا۔ وکان حقا علینا نصر المومنین۔ (الروم رکوع ۵) اس آیت مین گذشتہ انبیاء کے دشمنونکو مجرم بیان کیا ہی۔ حضرت مسیح بھی انہی نبیون مین شامل ہین اس لئے اُنکے دشمن قرآن شریف کی روسے مجرم ٹھیرتے ہین۔ اب ہم عیسائی صاحبان سے پوچھتے ہین کہ آیا یہودی حضرت مسیح کے دشمن تھے یا دوست۔ اگر وہ اُنکے دوست تھے۔ تو بیشک وہ مجرم نہیں ہین۔ لیکن اگر وہ آپکے دشمن تھے تو پھر قرآن شریف کی روسے وہ مجرم ٹھیرتے ہین۔ تیسری آیت یہ ہی۔ وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا من المجرمین (پارہ ۱۹ رکوع ۱) اس آیت سے بھی انبیاء کے دشمن مجرمین کے لفظ سے پکارے گئے ہین۔ اور اسلئے یہودی بھی مجرم ٹھیرتے ہین کیونکہ وہ بھی حضرت مسیح علیہ السلام کے جانی دشمن تھے۔ اور آنحضرت کے بھی دشمن تھے ٭

عیسائی نامہ نگارون کو اپنے اس بیہودہ قول سے شرم کرنی چاہیئے۔ کہ قرآن شریف مین جرم کا لفظ یہودیون کیطرف منسوب نہین کیا گیا۔ ان کا یہ قول بھی ایسا ہی بیہودہ ہے جیسا کہ ان کا پہلا قول۔ کہ جرم کا لفظ قرآن شریف مین آیا ہی نہین۔ اس سے عیسائی نامہ نگارون نے صرف اپنی کم علمی کا ہی ثبوت نہین دیا۔ بلکہ اپنی کم فہمی کا بھی ثبوت دیا ہی۔ اگر قرآن شریف مین

یہودیونکی نسبت جرم کا لفظ نہ بھی آتا۔ تو کیا پھر وہ انبیاء سے مساوی ٹھیر سکتے تھے۔ خدا انکی نسبت انکی بدعملی اور بدی بیان کرتے ہوئے ہر ایک لفظ سے کام لیتا ہے۔ جو خیال مین آسکتا ہے۔ ان کو فاسق۔ ملعون۔ کافر۔ معتدین۔ شیاطین۔ ظالم۔ بندر۔ مغضوب علیہم وغیرہ بیان کرتا ہے۔ ان الفاظ کے مقابل اگر قرآن شریف یہودیونکی نسبت جرم کا لفظ نہ بھی بیان کرتا تو کیا وہ انبیاء کیطرح بے گناہ ثابت ہو سکتے تھے جنکے متعلق ان الفاظ مین سے کوئی بھی استعمال نہین ہوا +

احادیث اور عصمت انبیاء

عیسائیونکی کوشش کہ احادیث کے الفاظ کی بناء پر کوئی نتیجہ نکالین۔ عبث ہے۔ پہلے انھین ثابت کرنا چاہیے۔ کہ یہ ہوبہو وہی الفاظ ہین۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلے۔ اور پھر انسے نتیجہ نکالنا چاہیے وہ نتائج جو صرف احادیث کے الفاظ پر مبنی ہون۔ پختہ نہین ہو سکتے۔ کیونکہ بناء انکی پختہ نہین۔ قرآن شریف کے الفاظ کی بناء پر ہم نتائج قائم کر سکتے ہین۔ مگر احادیث کے الفاظ پر کوئی نتیجہ قائم نہین کر سکتے۔ احادیث مین جو دعائیں مذکور ہین انسے عیسائی عدم عصمت کا نتیجہ نکالتے ہین۔ مگر وہ ان دوسری احادیث کیطرف توجہ نہین کرتے۔ جن سے عصمت ثابت ہوتی ہے صرف دعاؤنکے الفاظ کی بناء پر نتیجہ نکالنا ٹھیک نہین۔ کیونکہ پیشتر اسکے کہ ہم ان الفاظ سے نتیجہ نکالین ہمین پہلے یقینی طور پر ثابت کرنا چاہیے۔ کہ ہوبہو یہی الفاظ بلا کم وکاست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلے۔

احادیث مین جو واقعات بیان کئے گئے ہین۔ انسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت ثابت ہوتی ہے۔ اور کوئی بھی صحیح حدیث ایسی نہین ملتی جس کے اسکے برخلاف نتیجہ نکال سکین۔ مین یہان نمونہ کیطور پر ایک حدیث مسلم سے درج کرتا ہون جس سے صاف طور پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عصمت ثابت ہوتی ہے۔ وعن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ما منکم من احد الا وقد وکل بہ قرینہ من الجن وقرینہ من الملئکۃ

قالوا و ایاك یا رسول الله قال و ایای ولکن الله اعاننی علیہ فاسلم فلا یامرنی

الا بخیر - ترجمہ - ابن مسعود روایت کرتا ہی کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ تم مین سے

ایسا کوئی نہین کہ جسکے ساتھ ایک جن اور ایک فرشتہ نہو پھر لوگون نے کہا یا رسول اللہ آپکے ساتھ

بھی ہین فرمایا ہان میرے ساتھ بھی ہین لیکن اللہ نے مجھے اسپر مدد دی ہی پس وہ مسلمان ہوگیا ہی

اور مجھے سوا بھلائی کے اور کسی چیز کا حکم نہین دیتا +

قرآن شریف مین کسی نبی کے گناہ کا ذکر نہین ہے

مین یہان انبیاء کا ذکر کرتا ہون جنکی نسبت عیسائی بیان کرتے ہین - کہ قرآن شریف مین انکے گناہون کا ذکر ہے - اور دیکھتا ہون کہ ان کا یہ قول کہانتک صحیح ہے +

حضرت آدم کی نسبت تو خدا خود فرماتا ہے - ولم نجد لہٗ عزما - یعنی آدم نے یہ کام ارادتاً نہین کیا - اب گناہ تو ارادہ پر منحصر ہے - اگر ایک شخص زہر پی لے اور اسکو علم ہو کہ یہ زہر ہے - اور اس کا نتیجہ موت ہوگا - تو ایسی صورت مین وہ ایک گناہ کا مرتکب ہوتا ہے لیکن اگر وہ اسکو بغیر علم کے پی لے تو اگرچہ اسکو نتیجہ تو بھگتنا پڑیگا - مگر یہ نہین کہا جاسکتا کہ اسنے گناہ کیا - یہی حال حضرت آدم علیہ السلام کا ہی ہمین بائبل سے معلوم ہوتا ہی کہ حوا نے انکو یہ پھل دیا تھا - انکو یہ علم نہ تھا کہ یہ وہی ممنوع پھل ہی - ان کا یہ کام بیشک خدا تعالی کے حکم کے خلاف تھا - مگر انھون نے اس حکم کو عمداً نہین توڑا - اس لئے ہم یہ نہین کہہ سکتے - کہ انھون نے گناہ کیا - اس پھل کے کھانیکا وہی نتیجہ نکلا - جو زہر کھانیسے نکلتا ہی - کیونکہ قدرت اپنا کام کرنیسے نہین رک سکتی - مگر اس صورت مین کوئی گناہ نہین تھا - کیونکہ کوئی ارادہ نہین تھا +

حضرت آدم کبھی شرک کے مرتکب نہین ہوئے - شرک ایک ناقابل عفو گناہ ہی - اور خدا

کے پاک لوگ ایسا گناہ نہین کر سکتے جس آیت کا عیسائی حوالہ دیتے ہین۔ اس مین حضرت آدم کا نام نہین ہی اسمین صرف عام انسانونکے میلان کا ذکر ہی جو شرک کیطرف اِن مین پایا جاتا ہی +

حضرت موسےٰ علیہ السّلام نے جو مکّا مارا تھا۔ وہ ناجائز محل پر نہین تھا۔ اُنھون نے اپنی جماعت کے ایک آدمی کی ایک دشمن کے مقابل حمایت کی اور موت کا واقع اتفاقی تھا۔ اِنکا ارادہ قتل کا نہین تھا۔ خدا تعالےٰ کوئی گناہ اُنکی طرف منسوب نہین کرتا +

حضرت ہارون علیہ السّلام کو عیسائیون نے یہ الزام لگایا ہی۔ کہ اُنھون نے بت پرستونکی امداد کی اور اس مین شریک ہوئے ہی۔ یہ خالص جھوٹ ہے۔ قرآن شریف سے ہمین اتنا معلوم ہوتا ہی۔ کہ وہ حضرت موسیٰ کی غیر حاضری مین قوم کو گوسالہ پرستی سے روک نہ سکے اور یہ قصہ قرآن شریف مین نہین ہی۔ اگر دوسرے لوگ بائبل کی جھوٹی کہانیان درج کر دین۔ تو قرآن شریف ایسے افسانون کا ذمہ وار نہین ہے۔

حضرت مسیح نے کہا۔ کہ مین یونسؑ نبی کا نشان دکھاؤنگا۔ کیا اِن کا یہ مطلب تھا کہ مین بھی یونسؑ کیطرح ایک گناہ کا ارتکاب کرونگا۔ یہ افسوس کی بات ہے کہ جسکو حضرت مسیحؑ یونسؑ کا معجزہ قرار دیتے ہین۔ اِسکو آجکل کے عیسائی گناہ یا گناہ کی سزا بیان کرتے ہین +

بالآخر کیا عیسائیون کیلئے یہ مناسب نہین۔ کہ پہلے یسوع کو اِن گناہونسے بری کر کے دکھائین جن کا ذکر انجیل مین ہی۔ بجائے اِسکے کہ دوسرے انبیاء کو گنہ گار ثابت کرنیکی کوشش کرین +

عِصمت کیونکر ثابت ہوسکتی ہے

اب مین دیکھتا ہون کہ جس مسئلہ عصمت اور شفاعت کو عیسائیونکی طرف سے بار بار پیش کیا جاتا ہی وہ ایک سراسر دھوکہ ہی جو عیسائیون کو لگا ہوا ہی اگر معصوم کے یہ معنی ہین کہ کوئی دشمن کسی کی عملی زندگی کی نسبت کوئی نکتہ چینی نکرے تو اوہم یہود کی کتابین دکھلاتے ہین جنھون نے حضرت مسیح اور اُنکی ماں کے چال چلن پر بہت نکتہ چینی کی ہی اور اگر معصوم ہونیکے یہ معنی ہین کہ کوئی شخص اپنے

منہ سے یہ ہی کہے کہ مین نیک ہون تو آؤ ہم انجیل سے آپ لوگون کو دکھلاتے ہین کہ مسیح نے اقرار کیا ہے کہ مین نیک نہین ہون پس جبکہ خود مسیح ابن مریم کی عصمت کسی طور سے ثابت نہین ہو سکتی بلکہ انجیلون سے بعض حرکات اسکی عصمت کے برخلاف ثابت ہوتی ہین جیسا کہ شراب پینا انجیل کے ابدی احکام حرمت خنزیر و ختنہ وغیرہ کا توڑنا ناحق دوسرونکے مالونکو نقصان پہنچانا فقیہون فریسیون کو گالیان دینا بدکردار عورتون کو جسم چھونے کا موقعہ دینا حرام کا تیل سر پر ملوانا شاگردون کو غیر لوگون کے کھیتون سے خوشے توڑنے سے منع نکرنا۔ اب بتلاؤ کہ یہ تمام امور گناہ ہین یا نہین۔ اگر شراب پینا اچھا کام تھا تو یوحنا نے شراب پینے سے کیون نفرت کی۔ دانیال نے کہا کہ شراب پینے والون پر آسمان کے دروازے بند رہتے ہین۔ ختنہ جو ابدی حکم تھا اس سے کیون روکدیا حالانکہ آجکل کی تحقیقات کے رو سے بھی وہ بہت سے امراض کو مفید ہے ایسا ہی سور ہمیشہ کیلئے حرام تھا اسکو کھانے کا کیون فتویٰ دیا اور خود کہا کہ توریت منسوخ نہین ہوئی۔ اور پھر آپ ہی اُسے منسوخ کیا اور یاد رکھنا چاہیئے کہ مسیح ابن مریم کی عصمت انجیل کے رو سے ثابت کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسا کہ اس مسلول کی صحت ثابت کرنا جسکا مرض ذبول اور دستون کی حالت تک پہونچ چکا ہے کیا ضروری نہ تھا کہ پہلے حضرت مسیح کی عصمت ثابت کر لیتے پھر دوسرون پر نکتہ چینی کرتے قرآن مین استغفار کا لفظ دیکھکر فی الفور یہ دعوےٰ کر دینا کہ اس سے گنہگار ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور انجیل کے اس لفظ کو ہضم کر جانا کہ مین نیک نہین کیا ایمانداری ہے پھر ان سب باتون کے بعد ہم یہ بھی دیکھتے ہین کہ آخرت کا شفیع وہ ثابت ہو سکتا ہے جسنے دنیا مین شفاعت کا کوئی نمونہ دکھلایا ہو سو اس معیار کو آگے رکھکر جب ہم موسیٰ پر نظر ڈالتے ہین تو وہ بھی شفیع ثابت ہوتا ہے کیونکہ بارہا اس نے اُترتا ہوا عذاب عاصیوں سے ٹالدیا اسکی توریت گواہ ہے اسی طرح جب ہم محمد مصطفےٰ صلی اللہ

علیہ وسلم پر نظر ڈالتے ہین تو آپ کا شفیع ہونا اجلے بدیہیات معلوم ہوتا ہے کیونکہ آپکی شفاعت کا ہی اثر تھا کہ آپنے غریب صحابہ کو تخت پر بٹھا دیا اور آپ کی شفاعت کا ہی اثر تھا کہ وہ لوگ باوجود اسکے کہ انہوں نے بت پرستی اور شرک مین نشو و نما پایا تھا ایسے موحد ہو گئے جنکی نظیر کسی زمانہ مین نہین ملتی اور پھر آپکی شفاعت کا ہی اثر ہے کہ اب تک آپکی پیروی کرنیوالے خدا کا سچا الہام پاتے ہین خدا ان سے ہمکلام ہوتا ہے مگر مسیح ابن مریم مین یہ تمام ثبوت کیونکر اور کہان سے مل سکتے ہین ہمارے سید و مولے محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر اس سے بڑھکر اور زبردست شہادت کیا ہوگی کہ ہم ان جناب کے واسطے جو کچھ خدا سے پاتے ہین ہمارے دشمن وہ نہین پا سکتے اگر ہمارے مخالف اس امتحان کیطرف آوین تو چند روز مین فیصلہ ہو سکتا ہے مگر وہ فیصلہ کے خواہان نہین ہین وہ اسی خدا کے ماننے کیلئے ہمین مجبور کرتے ہین جو نہ بول سکتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ پیش از وقت کچھ بتلا سکتا ہے مگر ہمارا خدا ان سب باتون پر قادر ہے۔ مبارک وہ جو ایسے کا طالب ہو +

عصمت انبیاء پر پادری مانرو کے رسالے

پادری مانرو راناگھاٹ میڈیکل مشن کے پادری نے اخبار ”اپی فنی“ کے ایڈیٹر کی مہربانی سے ایک رسالہ عصمت انبیاء پر نکالا ہے جو کہ اسکے ایک پہلے شائع شدہ رسالے کا دوسرا حصہ ہے جو اسی مضمون پر مشتمل تھا۔ ہم خود بھی منتظر تھے کہ پادری صاحب کے قلم سے عصمت انبیاء کا دوسرا حصہ نکلنا چاہیئے۔ لیکن ہمین بڑی امید تھی کہ اس دفعہ پادری صاحب اس انسان کی عصمت کے مسئلہ کیطرف توجہ کرینگے جسکو وہ خوش اعتقادی سے خدا سمجھے بیٹھے ہین۔ اس مضمون پر پادری صاحب کی مضمون نگاری کے دیکھنے کا ہمین شوق تھا لیکن اس مین ہمین یونہی ہونا پڑا ہے لیکن چونکہ پادری مانرو صاحب ہندوستان مین یسوع کی انجیل کے واعظ بنکر آئے ہوئے ہین اسلئے امید ہے کہ وہ بہت جلد ایک تیسرا حصہ شائع کرکے یہ

ثابت کرینگے کہ جو اقوال و افعال یسوع کے انجیل مین لکھی گئی ہین ان سے اسکی معصومیت ثابت ہوتی ہے

عصمت انبیاء کا مسئلہ مسلمانون مین عام طور پر مانا جاتا ہے جن لوگون نے عصمت مین طعن کیا ہے وہ انکی ذاتی رائے ہین ساری مسلمان دنیا کے مضبوط اعتقاد کے خلاف کچھ بھی وقعت نہین رکھتین اغلب ہے کہ اس قسم کی بیہودہ خیالات اسلام مین ان لوگون کے ذریعہ سے آئے ہین جو دوسرے مذاہب کو چھوڑ کر اسلام مین داخل ہوئے تھے اور اسلئے بعض مسائل مین اپنے پہلے خیالات پر ہی جمے رہے لیکن پادری صاحبان کی یہ کسقدر بڑی بے ایمانی ہے کہ وہ پبلک کے سامنے یہ ظاہر کرتے ہین کہ قرآن شریف اور اسکی تمام معتبر تفسیرین عصمت انبیا کا انکار کرتی ہین حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ وہ قصے جنکو پادری مانرو انبیا کے گنہگار ہونیکا قطعی ثبوت خیال کرتا ہے اور جنکا قرآن کریم مین کوئی ذکر نہین ہے ان کو بڑے معتبر اور محقق مفسرین نے جھوٹے اور وضعی ٹھیراکر رد کیا ہے - جو جو الزامات اس رانا گھاٹ کے پادری نے انبیا علیہم السلام پر لگائے ہین اور جنکی بنا وہ قرآن شریف کو ٹھیراتا ہے قرآن کریم کے الفاظ انکے ایک شوشہ کی بھی تائید نہین کرتے - اس سے بڑھ کر کونسی بے ایمانی ہو سکتی ہے کہ عوام کو یہ دھوکا دیا جائے کہ فاضل اور محقق مفسرین کی رائے ایسی اور ایسی ہے حالانکہ اس رائے کو محقق مفسرین رد کرچکے ہین علاوہ ازین کسی مفسر کی رائے ہر ایک حالت مین قابل تسلیم نہین ہو سکتی مسلمانو کے نزدیک قرآن کریم کی تفسیرین خدا کا کلام نہین ہین جنکی ہر ایک لفظ کا وہ اپنے آپکو پابند خیال کرتے ہون ہان اگر کسی لفظ یا آیت کی تفسیر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلی ہوئی ثابت ہو تو اسکو بیشک یقینی طور پر صحیح اور قابل اتباع مانا جائیگا لیکن جن قصون کی بنا پر عصمت انبیا مین طعن کیا جاتا ہے ان مین سے کوئی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف یقینی طور سے منسوب نہین کیا جا سکتا - قرآن کریم کے الفاظ مع تمام حرکات و سکنات و وقوف آج اسی طرح محفوظ ہمارے پاس موجود ہین جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے وہ نکلے تھے اور اکثر

حالتون مین آسانی سے سمجھ آسکتا ہے کہ کسی فقرہ پر بلحاظ سیاق و سباق کے کونسے معنی چسپان ہین اور کونسے وہ معنی ہین جو قرآن شریف کے عام مفہوم کے مطابق ہین قرآن شریف خود اپنی تفسیر آپ کرتا ہے اور اسکے بعض حصے دوسرون کے معنون پر روشنی ڈالتے ہین اسلئے جو جو سوالات پادری مانرو نے پیش کئے ہین اُن کا جواب دیتے وقت ہم صرف قرآن کریم کے الفاظ ہی کو پیش کرینگے اور معنی کرنے مین اُنھین معنون کو صحیح سمجھینگے جو قرآن شریف کے دوسرے حصون کے مخالف نہون اور جن کا مؤید خود قرآن شریف ہو۔ اگر کبھی کہین کہین کسی تفسیر کا حوالہ ہوگا تو وہ صرف تائیدی رنگ مین ہوگا۔ لیکن ہماری تحقیقات کی بنیاد صرف قرآن شریف کے الفاظ پر ہی ہوگی۔ اگر پادری صاحبان کا یہ منشا ہے کہ مباحثہ کو نیک نیتی اور ایمانداری سے جاری رکھین تو اُن کا فرض ہے کہ وہ بھی قرآن شریف کے الفاظ کی بنیاد پر ہمارے بیانات کی تردید کرین اور بجائے اسکے کہ معتبر اور محقق مفسرین کی رائے کا اخفا کر کے جھوٹے قصون کو تمام مسلمان مفسرین کیطرف منسوب کرین صاف لفظون مین اسبات کا اقرار کرین کہ معتبر اور محقق مفسرین جیسے مثلاً امام رازی صاحب تفسیر کبیر ان جھوٹے قصونکو مردود ٹھیراتے ہین جو پادری اپنے الزامات کی تائید مین پیش کرتے ہین۔ اگر ضروری ہوا تو ہم آیندہ یہ بھی ثابت کر کے دکھائینگے کہ ان مردود قصونکو جنھین پادری مانرو نے انبیا علیہم السلام پر الزام لگاتے وقت پیش کیا ہے تمام محقق مسلمان مفسرین نے سیاہ جھوٹ ٹھیرایا ہے +

اس وقت ہم سب سے پہلے ان افعال کی حقیقت پر بحث کرتے ہین جنکو انبیا کیطرف گناہ ٹھیرا کر منسوب کیا جاتا ہے اور اسکے بعد ہم اس مسئلہ کے دوسرے پہلوؤن پر غور کرینگے جیسے الفاظ ذنب وغیرہ کے معنے۔ استغفار کے متعلق ہم مفصل بحث اس رسالہ کی ابتدا مین کر چکے ہین اور اسلیے بجائے اسکے اعادہ کرنیکے ناظرین کو اسی کا حوالہ دیتے ہین +

جیسا کہ اس سے پہلے مفصل بیان کیا جاچکا ہی گناہ کی تعریف یہ ہی کہ گناہ ایک فعل کو اس وقت کہا جائیگا جب کہ ایک انسان اس فعل کو ذریعہ سے خدا کے حکم کو توڑ کر سزا کے لایق ٹھیرے اس صورت میں ضروری ہی کہ گناہ کے صادر ہونیسے پہلے خدا کا حکم موجود ہو اور نیز اس گناہ کے مرتکب کو وہ حکم پہونچ بھی گیا ہو اور نیز اس فعل کے مرتکب کی نسبت عقل تجویز کر سکتی ہو کہ اس فعل کے ارتکاب سے وہ درحقیقت سزا کے لایق ٹھیر گیا ہی لیکن قبل اسکے کہ ہم ان افعال پر بحث کرین جنکو انبیا کی گناہ کہا جاتا ہی اس امر کیطرف ناظرین کو توجہ دلانا ضروری ہی کہ انبیا علیہم السلام کو خدا نے ہر ایک قسم کی سزا سے ہمیشہ کیلئے بری ٹھیرایا ہے چنانچہ قرآن شریف سورۂ انبیا مین صاف الفاظ مین فرماتا ہی اِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ۝ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ۝ (الانبیاء - رکوع ۷) ترجمہ جن کیلئے ہمنے پہلی سے ہی نیک بدلا کر رکھا ہی وہ دوزخ سے بہت دور ہونگے اسکی آہٹ تک بھی نہین سُنین گے اور ہمیشہ کیلئے ایسی زندگی بسر کرینگے جو انکے دل چاہتے ہین بڑی گھبراہٹ کیوقت اُنکو کوئی غم نہ ہوگا اور فرشتے آگے سے انکی ملاقات کرینگے آج وہ دن ہے جسکا تمہارے ساتھ وعدہ کیا جاتا تھا - مگر افسوس ہی کہ پادریون کا منشاء حق کی تلاش نہین ہی بلکہ وہ صرف اعتراض ہی تلاش کرتے ہین اور اسلیئے قرآن کریم کے ایک حصہ کو دوسرے سے ملاکر نہین پڑہتے بلکہ ایک ایک لفظ کو الگ کرکے اعتراض کرنا شروع کر دیتے ہین خواہ کوئی دلیل ہاتھ مین ہو یا نہو اور اسی کو اپنا اہم فرض اور اپنے خداوند کی عمدہ خدمت سمجھتے ہین کہ خدا کے پاک نبیون کی شان مین بہتان باندہین اور اُنکو گالیان دین اور اُنپر طعن کرین ❊

حضرت آدم کا ممنوع پھل کو کھانا

سورۂ طٰہٰ مین حضرت آدم کے قصہ ذرا تفصیل

مین ایک ہی آیت اس فیصلہ کیلئے کافی ہی کہ کس طرح پر حضرت آدم اس عصیان کے مرتکب ہوئے وہ آیت یہ ہی ولقد عہدنا الی ادم من قبل فنسی ولم نجد لہ عزما ترجمہ اس سے پہلے ہمنے آدم کو ایک حکم دیا تھا سو وہ بھول گیا اور ہمنے اس کا گناہ پر عزم نہین پایا۔ اس سے حضرت آدم کی صاف صاف بریت ہوتی ہی کہ اُنھون نے عمداً حکم الہی کو نہین توڑا۔ یہ آیت صرف یہی بیان نہین کرتی کہ حضرت آدم بھول گئے بلکہ اُنکے ارادہ کی بھی صاف نفی کرتی ہی اور یون دوہرے طور پر اُنکو اس جھوٹے الزام سے بری ٹھیراتی ہی۔ چونکہ ارادہ گناہ کیلئے ضروری ہی جیسا کہ ابھی گناہ کی تعریف مین ہمنے دکھایا ہی۔ اسلیئے آدم کا ممنوع پھل کو کھانا گناہ نہین تہا۔ اس آیتہ کے بعد ہی حضرت آدم کا مشہور قصہ شروع ہو جاتا ہی کہ کیونکر شیطان نے اُنھین دہوکا دیا اور کیونکر اُنھون نے ممنوع پھل کو کھایا۔ اسلئے اس سے انکار کی کوئی گنجایش نہین کہ یہ بھول جانا اور بغیر ارادہ کے کام کرنا صرف اسی حکم کے متعلق ہین نہ کسی اور کے اسمین شک نہین کہ آدم حکم الہی کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا مگر اس کا ارادہ نہ تھا کہ خلاف ورزی کرے بلکہ بھولکر ایک ایسا فعل اس سے ہو گیا جس کا نتیجہ ایک حکم الہی کی خلاف ورزی تھا۔ اسلیئے خواہ ہم نتیجہ کو عصیان ہی کہین مگر اسمین کچھ شک نہین کہ آدم اسمین بے قصور تھا اور آدم کا گناہ اسکو نہین کہا جا سکتا۔ اسمین ارادہ کی جزو جو گناہ کیلئے نہایت ضروری ہی بالکل مفقود ہی اور خود خدا تعالی اس معاملہ مین آدم کے گناہ کی نفی کرتا ہی بھول جانا ایک فطرتی انسانی کمزوری ہی اور اسی لیئے جبھی کہ پھل کھا چکنے کے بعد آدم کو معلوم ہوا کہ اس سے بے ارادہ خدا کے حکم کی خلاف ورزی ہو گئی اور ضعف بشریت غالب آگیا تو اُس نے خدا تعالی سے دعا مانگی کہ اے خدا اگر تو ہی ہمارا حافظ نہو اور تو ہی اپنی طاقت کیساتھ ہمین سہارا نہ دے اور ہماری انسانی کمزوری کو دبائے نہ رکھے تو ہم گھاٹا پانیوالے ہونگے۔ استغفار کے معنون پر مفصل بحث پہلے گذر چکی ہی اور اس لیئے ہم اس کا اعادہ اس جگہ پسند نہین

کرتے آیت عصیٰ اٰدم ربہ فغوےٰ میں عصیان یا خلاف ورزی حکم الٰہی جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے حکم الٰہی کے بھول جانے کا نتیجہ تھا۔ اور اس لیئے ایسا عصیان گناہ نہیں کہلا سکتا اور غویٰ کے معنے لسان العرب نے صاف طور پر بیان کیئے ہین کہ فسد علیہ عیشہ یعنی اُسکے آرام مین خلل آگیا۔ پس ان دونون لفظون سے بھی آدم کے گنہگار ہونیکا نتیجہ نہین نکلتا +

حضرت آدم پر شرک کا الزام

مانرو صاحب حضرت آدم پر شرک کا الزام لگاتے ہین ایسی جرأت کیساتھ جو پادریون کے ہی موزون حال ہے۔ وہ لکھتا ہے "سورۃ الاعراف آیت ۱۹۰ مین تصریح کیساتھ بیان کیا گیا ہے کہ آدم شرک جیسے قبیح گناہ کا مرتکب ہوا" ہم پوچھتے ہین کہ آیا ان پادریون مین کوئی ایمانداری باقی بھی رہگئی ہے۔ کیا پادری صاحب بتا سکتے ہین کہ اس آیت مین جس سے وہ شرک کا الزام حضرت آدم پر لگاتے ہین حضرت آدم کا نام بھی آیا ہے۔ اور اگر وہان آدم کا نام ہی نہین تو کیا یہ ایمانداری تھی کہ وہ شرک جیسا قبیح الزام انبیا کیطرف منسوب کرتا حالانکہ اسکو یہ بھی علم ہے کہ قرآن شریف اسبات سے بھرا پڑا ہی کہ انبیا علیہم السلام کو خدا تعالیٰ نے شرک کی ہی بیخکنی کیلیئے بھیجا تھا۔ کیا شرک کے متعلق اس نے قرآن شریف مین یہ سخت وعید نہین پڑھا اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ ترجمہ۔ خدا اس بات کو معاف نہین کرتا ہی کہ اس سے شرک کیا جاوے اور اسکے سوائے جو چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔ بہت امور ایسے تھے جن پر غور کرکے وہ اس الزام کی بیہودگی کو خود ہی سمجھ سکتا تھا اگر اس کا ارادہ نیک نیتی سے حل اعتراض کا ہوتا +

قبل اسکے جو ہم اس آیت کے الفاظ پر بحث کرین جسکی بنا پر الزام لگایا گیا ہی۔ پہلے ہم سورہ اعراف کے مضامین اور انکی ترتیب کو دیکھتے ہین۔ قرآن کریم کی وحی کا ذکر شروع کرکے سب سے پہلے حضرت آدم کا ہی قصہ بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اسکی پیدایش۔ فرشتون کو حکم کہ اُسے سجدہ

کرین۔ درخت کے قریب جانے سے منع کرنا۔ ابلیس کا آدم اور حوا کو دہوکا دینا اور ان کا ہبوط۔ اسکے بعد عام
طور پر نیکون اور بدون کے اعمال اور انکی جزا و سزا کا ذکر ہے۔ اور اسکے بعد دوسرے انبیا کے قصص بیان
کئے گئے ہین جنکے دشمنون کو اس واسطے ہلاک کیا گیا کہ جب پیغمبر نے انکو توحید اور عبادت الہی
کیطرف بلایا تو انھون نے اسکو قبول نکیا۔ ہر ایک نبی کے متعلق اس کا یہ خطاب اپنی قوم کو بیان کیا
گیا ہے یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ترجمہ۔ اے میری قوم خدا کی عبادت
کرو جس کے سوائے اور کوئی معبود نہین۔ اس طرح پر گویا یہ ساری کی ساری سورۃ شرک کی بیخکنی
پر ہی زور دے رہی ہے اور اس کی ساری تعلیم شرک کے ہی خلاف ہے۔ پہلے نوح کا ذکر ہے پھر
ہود کا پھر صالح کا پھر لوط کا پھر شعیب کا اور بالآخر حضرت موسیٰ کا قصہ۔ ان کا فرعون کو حق کیطرف
بلانا اور پھر اسرائیلیون کو تعلیم دینا بالتفصیل بیان کیا گیا ہے کہ کبھی ان کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ انسانی
فطرت پر نقش توحید الہی کا ہے۔ نہ کہ شرک کا۔ کبھی ان کو دہمکایا گیا ہے کہ اگر وہ شرک سے باز نہ
آئینگے اور خدا کے نشانون کا انکار ہی کرتے جائینگے تو ان پر سخت عذاب الہی اور ہلاکت نازل ہونگے
تب وہ پوچھتے ہین يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ السَّاعَةِ یہ عذاب کی گھڑی جس کا وعید ہمکو سنایا جاتا ہی
کب آئیگی تو ان کو جواب دیا جاتا ہے کہ یقیناً تم پر آئے گی مگر لَا تَاۡتِيۡكُمۡ اِلَّا بَغۡتَةً جب آئیگی تو
ناگہان ہی آئے گی اور مین تمھین قبل از وقت اطلاع دیتا ہون اور اس آنیوالے عذاب سے
ڈراتا ہون اسکے بعد یون خطاب الہی انکو ہوتا ہے هُوَ الَّذِيۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ
وَّجَعَلَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا لِيَسۡكُنَ اِلَيۡهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰٮهَا حَمَلَتۡ حَمۡلًا خَفِيۡفًا فَمَرَّتۡ
بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثۡقَلَتۡ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَٮِٕنۡ اٰتَيۡتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيۡنَ
فَلَمَّاۤ اٰتٰٮهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيۡمَاۤ اٰتٰٮهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ
ترجمہ۔ وہی خدا ہے جسنے تمکو ایک ہی جان سے پیدا کیا (یاد رکھنا چاہیئے کہ انھین لوگون کو یہ

خطاب ہے جنکو پہلے خطاب تھا اور اس مین کوئی تبدیلی نہین ہوئی۔ اور تم سے مراد وہی مشرکین عرب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہین) اور اس سے اسکے جوڑہ کو پیدا کیا تاکہ وہ اسکی ساتھ آرام پکڑے۔ پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانکا تو عورت کو ہلکا سا حمل رہا پس اس سے چلتی رہی پھر جب وہ بوجھل ہوئی تو دونون نے اللہ اپنے رب کو پکارا کہ اگر تو ہمین صحیح سالم لڑکا دے تو ہم تیرے شکر گذار ہون۔ لیکن جب خدا نے انکو چنگی بھلی اولاد عطا کی تو وہ دونوں خدا کے شریک ٹھیرانے لگے اس مین جو خدا نے اِن دونون کو دیا تھا بزرگ ہے خدا بلند تر اس سے جو یہ لوگ (یعنی مشرکین عرب) اسکے ساتھ شریک ٹھیراتے ہین * آیت کے آخری الفاظ صاف بتا رہے ہین کہ ان آیات مین آدم اور حوا کا ذکر نہین ہے کیونکہ اگر یہ انھین کے شرک کا ذکر ہوتا تو اخیری الفاظ یون ہونے چاہئے تھے کہ بلند تر ہے خدا اس سے جو اِن دونون نے اس سے شریک ٹھیرائے۔ لیکن کلام الٰہی مین اس موقعہ پر نہ تو صیغہ تثنیہ کا ہی استعمال کیا گیا ہے اور نہ ہی ماضی کا۔ اور اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذکر اِن تمام مشرکین عرب کا ہے جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مخاطب ہین نہ کسی دو ایسے اشخاص کا جنکے ساتھ کوئی تیسرا انسان نہ تھا جس کی وجہ سے جمع کے صیغہ یشرکون کی ضرورت پڑتی +

مختلف باتون پر غور کرکے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آدم اور حوا کا اس جگہ ذکر نہیں ہے

اوّل حضرت آدم کا قصہ بڑی تفصیل کے ساتھ اِسی سورۃ کے شروع مین بیان ہو چکا ہے اور اِس لئے اگر یہ واقعہ اُسکے متعلق ہوتا تو ابتدائے صورت مین ہی آدم کے قصہ کے ساتھ اِس کا ذکر ہونا چاہئے تھا۔ **دوم** سورۃ کے مضامین کی ترتیب صاف اس بات پر شاہد ہے کہ اِس سورۃ مین انبیا علیہم السلام کا ذکر بالترتیب ہے اور آدم سے شروع کرکے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ختم کیا گیا ہے اور اس لیئے آیت مذکورہ بالا مین خطاب بھی

آنحضرتؐ کے دشمنونکو ہے جیسا کہ اِس سے پہلی آیتون مین بھی ذکر انھین مشرکین کا ہے سوم آدم
کا نام ان آیات مین ہرگز مذکور نہین اور مضامین کی ترتیب ہمین یہ اجازت نہین دیتی کہ اِس قصہ کو
آدم کا قِصہ ہی سمجھ لین چہارم حضرت آدم کے ممنوع پھل کھانیکا قصہ بار بار قرآن شریف مین
بیان کیا گیا ہے - اگرچہ اس مین خود ہی خدا تعالے نے یہ کہکر آدم کی بریت بھی کردی تھی کہ وہ
بھول گیا تھا اور عمداً اُس نے حکم کی خلاف ورزی نہین کی - پس اگر آدم شرک جیسے بڑے گناہ کا مرتکب
ہُوا ہوتا تو زیادہ نہین تو کم از کم اتنی دفعہ ہی یہ قصہ قرآن شریف مین بیان کیا جاتا جتنی دفعہ کہ
دانہ کھانے کے قصہ کا ذکر ہے جو کوئی گناہ بھی نہین تھا - مگر تعجب کی بات ہے کہ اتنا بڑا گناہ ہُوا
اور ایک دفعہ بھی اِس کا ذکر قرآن شریف مین نہو اور آیت زیر بحث جسکو اس واقعہ کا مصداق بنایا
جاتا ہے اُس مین آدم کا نام تک بھی نہو - ایک چھوٹی سی لغزش کو جو نسیان کی وجہ سے ہوئی اتنی وقعت
دیجاوے کہ بار بار اِس کا ذکر قرآن شریف مین کیا جاوے اور اتنے بڑے جُرم کو جیسا کہ شرک ہے ایکدفعہ بھی نام
لیکر بیان نکیا جاوے یہ بات ہماری سمجھ مین نہین آتی پنجم دانہ کھانے کی کمزوری کے بعد حضرت
آدم خدا تعالے سے حفاظت اور مدد طلب کرتے ہین اور بار بار یہ کہتے ہین کہ ایخدا اگر تیری مدد میرے
شامل حال نہوگی تو مین زیان کارون مین سے ہونگا لیکن اتنے بڑے گناہ کے ارتکاب کے بعد جس سے زیادہ خدا تعالے
کو ناراض کرنیوالی کوئی چیز ہی نہین وہ ایک لفظ بھی مُنہ پر نہ لایا لیکن یہ کِس طرح ہو سکتا ہے - کیا
اُنکی فطرت ایسی جلدی اِس قدر بدل گئی تھی کہ گناہ کا احساس ہی جاتا رہا - اور وہ ایک سخت دل
گنہگار کیطرح ہو گئے نعوذ باللہ من ذالک ششم ممنوع پھل کھانے کے بعد حضرت آدم نے الفور
خدا کی حفاظت اور مدد طلب کرتے ہین اور خدا تعالی کی طرف سے حفاظت اور مدد کا وعدہ بھی اُنکو دیا
جاتا ہے تا آیندہ ایسی کمزوری اُن سے ظاہر نہو جس پر انسان خود بخود قادر نہین ہو سکتا - پھر یہ
کس طرح ممکن ہے کہ خدا کی حفاظت اور مدد حسب وعدہ الٰہی حضرت آدم کے شامل حال ہو کر وہ ایسے

سیاہ گناہ کا مرتکب ہوسکے۔ کیا خدا کی حفاظت اور مدد اسکے نیک بندوں کی اسی طرح دستگیری کیا کرتی ہی؟ اس قسم کی بیہودگیان خدا کے پاک کلام کیطرف منسوب کرنے سے پادریون کو شرم کرنی چاہیئے ہفتم سورۃ طٰہٰ مین حضرت آدم کے قصہ کے بعد خدا تعالےٰ فرماتا ہے ثُمَّ اجۡتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيۡهِ وَهَدٰی ترجمہ۔ پھر بعد اسکے خداوند نے اُسے چُن لیا اور برگزیدہ کیا اور اُسپر رجوع برحمت کیا اور اُس کو سیدھی راہ پر چلایا۔ اب یہ آیت صاف طور پر اس بات کی نفی کرتی ہی کہ اسکے بعد پھر آدم سے کوئی اسی قسم کی کمزوری ظاہر ہو جیسی کہ پہلے ہوئی تھی شرک جیسے بڑے گناہ کا تو کچھ ذکر ہی نہین۔ علاوہ ازین اگر آدم نے شرک کا ارتکاب کیا تو پھر ہمین نعوذ باللّٰہ یہ ماننا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ نے ایسے شخص کو اپنے لیئے چن لینے مین سخت غلطی کھائی جسکو بسبب اپنے شرک کے ہمیشہ کے جہنم مین ڈالا جانا تھا کیونکہ اُسکی معافی کا بھی ذکر کہین نہین ہشتم قرآن کریم نے صاف فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ وَيَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ لِمَنۡ يَّشَآءُ ترجمہ۔ خدا تعالیٰ شرک کو معاف نہین کرتا اور اس کے علاوہ جس گناہ کو چاہے بخشدیتا ہے۔ اِس لیئے اگر آدم نے شرک کیا تو اُسے بھی نعوذ باللّٰہ دوزخ مین سزا بھگتنی ہوگی حالانکہ اِس خیال کو قرآن کریم اور مسلمانون کے عقائد سخت مردود اور لغتی خیال ٹھیراتے ہین نہم اس سورۃ مین ہر ایک نبی کو یہی حکم ہی کہ شرک کی دنیا سے بیخکنی کرے اور یہی اس کی رسالت کی علت غائی ٹھیرائی گئی ہی پھر اگر انبیا خود ہی شرک مین گرفتار ہو رہے تھے تو اُنکے ذریعہ جو احکام پہنچائے گئے تھے وہ سب بے معنے ہو جاتے ہین دہم آیت زیر بحث کی مابعد کی آئتین بھی یہی ثابت کرتی ہین چنانچہ فرماتا ہے اَيُشۡرِكُوۡنَ مَا لَا يَخۡلُقُ شَيۡـًٔا وَّهُمۡ يُخۡلَقُوۡنَ ۝ وَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ لَهُمۡ نَصۡرًا وَّلَاۤ اَنۡفُسَهُمۡ يَنۡصُرُوۡنَ ۝ قُلِ ادۡعُوۡا شُرَكَآءَكُمۡ ثُمَّ كِيۡدُوۡنِ فَلَا تُنۡظِرُوۡنِ ترجمہ۔ کیا یہ شرک لوگ اِن کو خدا کا شریک ٹھیراتے ہین جو کچھ پیدا نہین کرتے بلکہ خود پیدا کیئے

گئے ہین- اور نہ وہ یہ ہی طاقت رکھتے ہین کہ اپنے پرستارونکو کچھ مدد دیسکین اور نہ ہی وہ اپنے آپ کی مدد کرسکتے ہین- کہہ جنکو تم خدا کا شریک ٹھیراتے ہو ان سب کو بلاؤ اور میرے ساتھ جنگ کرو اور مجھکو ایکدم کی بھی مہلت ندو + یہ آئتین صاف دکھاتی ہین کہ جن مشرکون کا پہلی آیت مین ذکر ہے وہ وہی عرب کے مشرک ہین اور انھین کو یہ خطاب کیا گیا ہی نہ کہ آدم اور حوا کو کہ اپنے معبودونکو اپنی مدد کیلئے بلا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کرین- یہ آئتین قطعی طور پر یہ فیصلہ کرتی ہین کہ جن مشرکین کا پہلی آیت مین ذکر ہے وہ ہی مشرک ہین جو آنحضرتؐ کے دشمن ہین نہ کہ آدم و حوا +

اگر یہ کہا جاوے کہ اس آیت مین دعا جناب الہی سے مانگی گئی ہے- اسلئے اس مین بت پرست مخاطب نہین ہوسکتے- تو ہم کہتے ہین کہ یہ اعتراض صحیح نہین عرب کے بت پرست دوسرے ممالک کے بت پرستون کی طرح اپنے بتون سے برتر ایک ہستی کو مانتے تھے لیکن ان کا یہ خیال تھا کہ ان کے بت بھی چھوٹے چھوٹے خدا ہین اور دنیا کے کاروبار کے انتظام مین خدا تعالےٰ کے ساتھ شریک ہین- اسی مضمون کی آیت جس مین بت پرستون کا ذکر ہے سورہ یونس مین مذکور ہے-

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ۭ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ۭ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ حَتّٰى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَاۗءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَاۗءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ لَىِٕنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ ترجمہ اور جب ہم ان مشرکونکو کسی دکھ کے بعد جو انکو پہنچ چکتا ہی اپنی رحمت چکھاتے ہین تو وہ ہمارے نشانون کے خلاف

مکر کرتے ہین - اِن کو کہیے کہ اللہ کی تدبیر سریع الاثر ہے ہمارے رسول جو کچھ تم مکر کرتے ہو لکھتے جاتے ہین - وہی خدا ہے جو تمکو خشکی اور تری مین سیر کراتا ہے یہانتک کہ جب تم کشتی مین سوار ہوتے ہو اور وہ کشتیان اُنکو خوشگوار ہوا اُن کیساتھ لے چلتی ہین اور وہ خوش ہوتے ہین تو ایک سخت ہوا آتی ہے اور ہر ایک طرف سے اُنپر موجین آتی ہین اور وہ جان لیتے ہین کہ وہ اُنسے گھر گئے - تو پھر وہ خدا تعالے کو خالص کر کے پکارتے ہین کہ اگر تو ہمکو اس سے نجات دے تو ہم تیرے بڑے شکر گذار ہون -

لیکن جب اُنکو خدا تعالے نجات دیتا ہے تو پھر وہ زمین مین بغیر حق کے فساد کرتے ہین + اِس آیت مین بھی یہی بیان کیا گیا ہے کہ مشرک لوگ مصیبت کیوقت خالص خدا کو پکارتے ہین جیسا کہ آیت زیر بحث مین بھی بتایا گیا تھا اور اِسی آیت کیطرح یہان بھی یہی وعدہ کرتے ہین کہ اگر اُنکو مصیبت سے نجات ملجائے تو وہ خدا تعالے کے شکر گذار ہونگے لیکن جب خدا تعالے اُنکو نجات دیدیتا ہے تو پھر شرک کرنے لگتے ہین +

اب صرف یہ دیکھنا باقی رہتا ہے کہ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا سے کیا مراد ہے - اِس آیت کا مدعا یہ ہے کہ مشرکون کو بتایا جاوے کہ خدا تعالے ہی اُن کا اور اُنکی بیویون کا پیدا کرنیوالا ہے نہ وہ کہ جنکو وہ خدا کے شریک ٹھہراتے ہین اور اُنکو اِس غلطی کا جتانا مقصود ہے کہ خدا تعالے کو خالق مانکر وہ پھر دوسرون کو عبادت مین شریک ٹھہراتے ہین اب ظاہر ہے کہ ہر ایک قوم ہر ایک خاندان ہر ایک فرد ایک ہی جان سے پیدا کیا گیا ہے خواہ وہ نسل قریب سے ملی ہو یا دور سے چلی آتی ہو - اگر خَلَقَكُم مین ضمیر کو مجموعی طور پر لیا جاوے یعنی کل مشرکین عرب تو وہ ایک جان یعنی نفس واحدہ عربون کا جد مشترک ہوگا جس سے اِن سب کی نسل چلی آتی ہے لیکن اگر ضمیر مین مشرکین کا ہر ایک فرد مراد لیا جاوے تو اس حالت مین نفس واحدہ یعنی ایک جان سے ہر ایک مشرک کا مخاطب ہے جد مراد ہوگا اس صورت مین معنے یہ ہونگے کہ خدا ہی ہے جسنے اے مشرکو

تم مین سی ہر ایک کو ایک ہی جان سے پیدا کیا ہے دونو صورتون مین لفظ نفس واحدہ یعنی ایک جان سی مشرکین عرب کے کسی ایک جد یا اجداد سے مراد ہوگی۔ الفاظ کے معنے دو صورتون مین درست ہین اگرچہ سیاق اور سباق آیت پہلی معنونکو ترجیح دیتا ہے۔ الفاظ تعالے اللہ عما یشرکون سے جو اسی آیت کے آخر مین آئے ہین یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ آیت مین ایک جوڑہ کا ذکر ہے مگر اس سی کوئی خاص جوڑہ مراد نہین بلکہ مشرک والدین کا ہر ایک جوڑہ مراد ہے کیونکہ خطاب عام طور پر سب کو کیا گیا ہے اور یشرکون جو کہ جمع کے صیغہ مین آیا ہے صاف ثابت کرتا ہے کہ اصل مراد دو سے زیادہ کی ہی۔ اس طرح پر ہر ایک جد ایک نفس واحدہ ہوا اور ہمارا اختیار ہے کہ خواہ اس سے مراد ہر ایک موجود مشرک کے والدین کو لین یا کل مشرکین کے جد مشترک کو مراد لین باقی رہے الفاظ جعل منہا زوجہا سو ان کے متعلق یہ کہنا درست نہین کہ چونکہ یہان عورت کا مرد سے پیدا ہونا بیان کیا گیا ہے اس لئے اس کا مصداق سوائے آدم اور حوا کے اور کوئی نہین ہو سکتا۔ یہ خیال غلط ہے۔ سورہ روم مین قرآن شریف مین آیا ہی ومن آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا ترجمہ۔ اور خدا کے نشانون مین سی یہ بھی ہی کہ اُس نے تمہارے لیئے تم سے ہی تمہاری بیویان پیدا کین۔ پس قرآن شریف کی رو سے صرف حوا ہی آدم سے پیدا نہین ہوئی بلکہ ہر ایک آدمی کیلئے عورت اُسی سی پیدا کی گئی ہی۔ اور جیسا کہ وہان لفظ من آیا ہے جسکے معنے ہین اس نفس سی ایسا ہی یہان پر لفظ من انفسکم استعمال کیا گیا ہے۔ جس کو معنے ہین تمہاری جانون سی۔ دونون جگہ مراد یہ ہے کہ خدا تعالے نے عورت کو اسی قسم سی بنایا ہے جس سی مرد کو۔ اسی طرح پر قرآن شریف مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ آئتین آئی ہین لقد جاءکم رسول من انفسکم اور بعث فی الامیین رسولا من انفسہم جنکے یہ معنے ہین کہ تم مین سی ہی ایک رسول تمہارے پاس

آیا ہے اور خدا نے امیون مین ایک رسول اُن مین سے ہی بھیجا - اور یہان الفاظ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اور مِنْ اَنْفُسِهِمْ جو استعمال ہوئے ہین وہ بعینہ اسی قسم کے الفاظ ہین جو کہ مرد سے عورت کی پیدایش کے متعلق استعمال ہوئے ہین +

اِس طرح پر یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اِس آیت مین جسکے متعلق پادری مانزہ یہ بیان کرتا ہو کہ اس مین کھُلے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ آدم شرک جیسے گناہ کا مرتکب ہوا وہان نہ تو آدم کا نام ہے اور نہ اِن الفاظ سے آدم مراد ہی لیا جا سکتا ہے - اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ پادری لوگ اعتراض کرنے مین کس طرح دیانت کو چھوڑ بیٹھے ہین - قرآن شریف کے الفاظ کیطرف کوئی توجہ نہین کرتے حالانکہ وہی الفاظ ایسے ہین جن کو مسلمان سند مانتے ہین - اور بجائے اِن الفاظ کے یہ لوگ کسی ایک مفسر کی مردود رائے کو ہاتھ مین لیکر اِسی کو اسلام جیسے پاک مذہب پر حملہ کرنیکے لئے قیمتی ہتھیار سمجھتے ہین اور ایسے مفسر کو عالم و فاضل بیان کرتے ہین خواہ اِس کی ایسی رائے کو سینکڑون فاضل اور معتبر مفسر رد کر چکے ہون +

یہ کس قدر دیانت داری سے بعید ہے کہ ظاہر تو یہ کیا جاتا ہے کہ ہم قرآن شریف کی بنا پر اعتراض کرتے ہین لیکن اعتراض کی بنیاد صرف کسی مفسر کی مردود رائے پر یا کسی مردود قول پر ہوتی ہے جس کو نہ صرف دوسرے معتبر مفسر ہی رد کر چکے ہین بلکہ جس کی قرآن شریف بڑے زور سے تردید کرتا ہے +

ہم تعجب کرتے ہین کہ پادری صاحبان انبیا کی طرف گناہ منسوب کرنے مین کسقدر جرأت سے کام لیتے ہین حالانکہ اُنکے ہاتھ مین کوئی دلیل بھی نہین ہی لیکن انجیلون مین جو یسوع کے متعلق اِس قسم کا ذکر ہوتا ہے جس سے گنہ کا نتیجہ نکل سکو اس پر خاموشی سے گذر جاتے ہین - آدم پر تو یہ جھوٹا الزام لگاتے ہین کہ اِس نے خدا کے ساتھ شریک ٹھیرایا لیکن ایسے مقابلہ کیوقت یسوع

کا نام بھی نہین لیتے جس نے اُنکی کتابون کے موافق خدائی کا دعوے کیا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ معمولی طور پر پیدا ہوا ہے اور کمزور سے کمزور انسانکے ساتھ اِس مین مقابلہ کی طاقت نہ تھی آدم کسی عورت کے پیٹ سے پیدا نہین ہوا تھا بلکہ خود خدا تعالے نے اپنے ہاتھ سے اپنی شکل پر اُسکو پیدا کیا تھا۔ لیکن پھر بھی اُسنے ایسے کفر کا دعوے نہ کیا جو عیسائیون کے اعتقاد کے مطابق ایک عورت کے بچہ نے کیا۔ اگر یہ کہا جاوے کہ آدم کی خدائی ایک دانہ کے کھانے سے جاتی رہی تو پھر یسوع پر تو اِس سے بھی بڑھ کر اعتراض ہی کہ اُس نے ایک ایسے کھیت سے جو دوسرے کا مال تھا خوشے توڑے اور اپنے مریدونکو توڑنے دیئے۔ حالانکہ یہ خوشے اس کیلئے ایسے ہی ممنوع تھے جیسا کہ آدم کے لیئے دانہ۔ علاوہ اسکے آدم نے تو بھولکر دانہ کھایا تھا۔ مگر یسوع نے عمداً حکم الٰہی کو توڑا اور علاوہ اسکے اس ناجائز فعل سے سبت کو جسکی تعظیم کا حکم تھا ناپاک کیا۔ اب مقابلہ سے آسانی سے یہ سمجھ مین آسکتا ہے کہ واقعی گنہگار کون شخص ہے آیا وہ جسکے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ اُس نے بھولکر ایک دانہ کھا لیا جس سے وہ منع کیا گیا تھا اور اس طرح پر بغیر ارادہ کے اس سے حکم الٰہی کے متعلق چوک ہو گئی۔ یا وہ شخص جسکی متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اُسنے ارادۃً نہ ایکدفعہ بلکہ کئی خوشے توڑے جو اسکے لیئے ممنوع تھے۔ اور اس طرح پر بڑی جرأت کے ساتھ حکم الٰہی کی عمداً خلاف ورزی کی۔ ہم اُمید کرتے ہین کہ پادری مانزو صاحب اِس مین فیصلہ دینگے +

حضرت نوح کی دُعا

اِس عنوان کے نیچے صرف چند ہی لفظ کافی ہونگے۔ پادری مانزو کا مجرم کانشنس ہر ایک نبی پر کوئی نہ کوئی تہمت لگائے بغیر نہین رہ سکتا۔ اِس نے بڑی جرأت کیساتھ یہ لکھا ہے کہ نوح اپنے بیٹے کے لیئے دعا کرنے مین گناہ کا مرتکب ہوا۔ اب ہم پوچھتے ہین کہ وہ خدا کا حکم جس مین نوح اپنے بیٹے کے لیئے دُعا کرنے سے منع کیا گیا ہو قرآن شریف مین کہان مذکور ہی

اور اگر وہ کوئی ایسا حکم الہی ہنین دکھا سکتا تو یہ کیسا قابل نفرین جھوٹ ہی قرآن شریف مین کوئی ایسی آیت ہنین ہے جس مین یہ ذکر ہو کہ نوح کو اپنے بیٹے کے بچانے کے لیئے دعا کرنے سے منع کیا گیا تھا۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ آیت وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا یعنے ظالمون کے بارہ مین مجھ سی خطاب نکرو۔ پادریصاحب کے لیئے مفید ہنین ہو سکتی کیونکہ خدا تعالے کا نوح کے ساتھہ یہ بھی وعدہ تھا کہ اسکے اہل کو بچا لیا جاویگا۔ اس لیئے پادری مانڑو کو کوئی ایسی آیت پیش کرنی چاہیئے جس مین نوح کو اپنے بیٹے کے لیئے جو اسکے اہل مین سی تہا دعا کرنے سی منع کیا گیا ہو۔ سورہ ھُود مین جہان سی پادریصاحب نے اپنا اعتراض لیا ہے یہ آتیین ہین وَنَادَىٰ نُوحٌ رَّبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي ج وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ ۝ قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ ج إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ق فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ط إِنِّي أَعِظُكَ أَن تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝ قَالَ رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ ط وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي أَكُن مِّنَ الْخَاسِرِينَ

ترجمہ۔ اور نوح نے اپنے رب کو پکارا اور کہا اے میرے رب میرا بیٹا میری اہل سی ہے اور بلاشک تیرا وعدہ (میرے اہل کو بچانے کا) سچ ہے۔ اور تو سب حاکمون سی بڑا حاکم ہے۔ خدا تعالے نے فرمایا اے نوح یہ تیرا بیٹا تیرے اہل سی نہین ہی کیونکہ وہ عمل غیر صالح ہے اس لئے ایسا سوال مجھ سے مت کر جسکا تجھے علم ہنین دیا گیا یہ مین اسلیئے تجھے سمجھاتا ہون کہ تو جاہلون سی نہ ہو جاوے۔ نوح نے عرض کیا اے میرے رب مین تیری ہی پناہ مانگتا ہون کہ ایسا سوال تجھ سے کرون جسکا مجھے علم ہنین۔ اور اگر تو میری حفاظت نکرے اور مجھپر رحم نکرے تو بیشک مین زیانکارون سی ہوں گا +

ان آیتون سی صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح کو یہ خیال تہا کہ چونکہ خدا تعالی

کا وعدہ اسکے اہل کو بچانے کا ہے اسلیئے شاید اس کا بیٹا بھی وعدہ کے الفاظ کے اندر آجاتا ہے
لیکن جب حضرت نوح نے بیٹے کو ڈوبتے ہوئے دیکھا تو خدا تعالیٰ کے سامنے نہایت عاجزی سے
یہ عرض کی کہ جناب الہٰی کا وعدہ اسکے اہل کو بچانے کا تھا اور اس کا بیٹا بھی اسکے اہل مین ہی ہے
اور ساتھ یہ بھی عرض کی کہ خدا کے وعدے بالکل حق ہین اور ہر ایک حکم جو اسکی جناب سے صادر ہوتا
ہے وہ نہایت ٹھیک ہے اسکے جواب مین خداوند تعالیٰ نے اسے بتایا کہ اس کا بیٹا اسکے اہل مین سے
نہین لیکن چونکہ صرف اسی قدر بیان سے حضرت نوح کے سوال کا جواب پورا نہوتا تھا۔ اسلیئے
اسکی وجہ ساتھ یہ بیان فرمائی کہ وہ عمل غیر صالح ہے اس آخری فقرہ کو پادری مانرو حضرت
نوح کی دعا کے متعلق سمجھتا ہے کئی وجوہات ہین جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ خیال بالکل غلط ہے ضمیر کے
لیئے پہلے کوئی اسم ہونا چاہیئے جس کی بجائے وہ ضمیر آئے لیکن پہلے فقرہ مین کوئی ایسا اسم جیسا
مثلاً نوح کی دعا یا نوح کا سوال یا نوح کا فعل واقعہ نہین ہوا۔ اور اسلیئے اِنَّهٗ مین جو ضمیر ہے
اسکو حضرت نوح کی دعا یا سوال کے متعلق نہین سمجھا جا سکتا۔ دوم اِنَّهٗ جو پہلے واقعہ ہوا
ہے اس سے اور بھی صفائی سے معلوم ہوتا ہے جملہ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ معاً اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ
اَهْلِكَ کے بعد آتا ہے لیکن اس آخری جملہ کی ضمیر صاف طور پر بیٹے کیطرف ہے جسکا ذکر پہلی
آیت مین ہے۔ اور اسلیئے اِنَّهٗ جو پہلے جملہ مین واقعہ ہوا ہے اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ مین
اسکی ضمیر بھی اسی اسم کیطرف پھرتی ہے دونو ضمیرین ایک ہی طرز سے واقعہ ہوئی ہین اور انکا
تعلق صاف بتاتا ہے کہ وہ ایک ہی اسم کیطرف پھرتی ہین لیکن چونکہ پہلی ضمیر بغیر کسی شک کے نوح
کے بیٹے کیطرف پھرتی ہے دوسری ضمیر بھی سوا اسکے اور کسی طرف نہین پھر سکتی۔ سوم نوح نے
ان الفاظ مین دعا کی تھی کہ میرا بیٹا میرے اہل مین سے ہے اور اسلیئے صرف اسیقدر جواب کہ تیرا
بیٹا تیرے اہل مین سے نہین ہے کافی نہین ہو سکتا تھا جب تک ساتھ کوئی وجہ نہ بتائی جاتی کہ

کیونکہ اس کا بیٹا اسکے اہل مین سے خارج ہو گیا۔ خدا تعالی کا وعدہ نوح کے ساتھ انکے اہل کو بچانے کا تھا۔ اس لیئے جب اُنھون نے اپنے بیٹے کو غرق ہوتے دیکھا تو نظر با وہ خدا تعالے کے آگے چلا اُٹھے کہ اُن کا بیٹا بسبب انکے اہل مین سے ہونے کے وعدہ کے اندر آنا چاہیے تھا لیکن خدا تعالے نے اس کا یہ جواب دیا کہ تیرا بیٹا تیرے اہل مین سے نہین ہے یہ جواب نوح کی عرضداشت کا کافی جواب کسی صورت مین خیال نہین کیا جا سکتا ہے جب تک کہ کوئی وجہ ساتھ نہ بتائی جاوے۔ کہ کیون بیٹا اہل مین سے نہین سمجھا جانا چاہیے کیونکہ لفظ کے عام معنون مین بیٹا اہل مین سے تھا۔ اس لیئے خدا تعالے نے الفاظ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ کے بعد یہ وجہ بیان فرما دی کہ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ کہ اسکے عمل اچھے نہین۔ اور اس وجہ کے بیان کیئے جانیکے بغیر فقرہ بالکل نامکمل رہتا ہے ❊

پادری مانرو کو الفاظ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ سے جو کہ نوح کے بیٹے کے متعلق استعمال ہوئے ہین یہ دھوکا لگا ہے کہ انسان کو عمل غیر صالح نہین کہا جا سکتا اس لیئے یہ الفاظ نوح کے بیٹے کے متعلق نہین بلکہ نوح کی دعا کے متعلق ہونے چاہیئے۔ لیکن ایسا اعتراض صرف عربی زبان سے ناواقفیت کے باعث پیدا ہو سکتا ہے۔ زبان عربی مین ایسے الفاظ عام طور پر مستعمل ہوتے ہین جیسا کہ کسی شخص کے متعلق مثلاً یہ کہا جاوے اِنَّهٗ عِلْمٌ وَکَرَمٌ وَجُودٌ کہ یعنی وہ شخص علم ہے۔ کرم ہے۔ اور سخاوت ہے۔ جب کہ مراد یہ ہو کہ اس کا علم اور کرم اور سخاوت بہت بڑا ہے قرآن شریف مین بھی اس کی مثال موجود ہے جیسا کہ فرمایا لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ الآ ترجمہ نیکی یہ نہین کہ تم اپنے مُنہ مشرق اور مغرب کیطرف پھیرو لیکن نیکی ہے جو شخص جو ایمان لایا اللہ پر اور یوم آخر پر یعنی اس شخص کو جو اللہ تعالے پر ایمان

لئے صاحب نیکی کہنے کے بجائے نیکی کہا گیا ہو۔ اس لئے ایک ایسے شخص کو جو صاحب عمل غیر صالح ہو اُس غیر صالح کہنے مین کوئی اعتراض نہین بلکہ یہ ایک محاورہ اہل عرب ہے۔ ایک اور امر پر غور کرنے سے بھی ہم اسی نتیجہ پر پہنچتے ہین اس فقرہ کی ایک قراءۃ عَمِلَ غَیْرَ صَالِحٍ ہے۔ اور یہان ماضی کا صیغہ عَمِلَ بجائے مصدری صورۃ عَمَلٌ کے استعمال کیا گیا ہے۔ اب اگرچہ ہم ایسی قراءتون سے اور کوئی فائدہ نہ اُٹھا سکین لیکن اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اصل جو الفاظ قرآن شریف مین استعمال ہوئے ہین انکے معنون پر دوسری قراءۃ سے روشنی پڑتی ہو۔ اب دوسری قراءۃ کے مطابق معنے یہ ہین کہ اس نے عمل کئے عمل غیر صالح۔ اور یہ معنے ہمکو اصل الفاظ کے معنے کرنے مین مدد دیتے ہین۔ کیونکہ اس سے پایا جاتا ہے کہ اصل الفاظ یعنے اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ کے یہی معنے سمجھے گئے تھے۔ اس لئے جس پہلو سے غور کیا جاوے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اصل معنے ان الفاظ کے وہی ہین جو ہمنے اوپر کئے ہین +

حضرت ابراہیم نے جو دعا لوط کی قوم کے لئے کی اس سے بھی نوح کی دُعا کے معاملہ پر روشنی پڑتی ہے۔ حضرت ابراہیم کے متعلق یہ الفاظ آئے ہین یُجَادِلُنَا فِیْ قَوْمِ لُوْطٍ یعنے لوط کی قوم کے بارہ مین ہم سے جھگڑا کیا اب اگر نوح کی دُعا اپنے بیٹے کے لئے اس خیال پر کہ اُنھون نے اس کو وعدہ مین شامل سمجھا گناہ ہو سکتی ہو تو ابراہیم کی سفارش لوط کی قوم کے لئے زیادہ سخت گناہ قرار دیا جانا چاہئے تھا کیونکہ علم کے معاملہ مین تو بہرحال حضرت ابراہیم کیحالت حضرت نوح کی حالت سے کم نہین اور عذاب الٰہی بھی ضروری آنیوالا تھا اور اس لئے اُنکی سفارش بھی قضاو قدر الٰہی کے اسی طرح برخلاف تھی بلکہ حضرت ابراہیم کا معاملہ حضرت نوح سے بعد ہوا ہے اور اس واسطے انکو حضرت نوح کے قصہ سے سبق حاصل کرنا چاہئے تھا اگر وہ نوح کا گناہ ہوتا۔ ابراہیم کا گنہگار قوم کیلئے یہ سفارش کا قصہ اسی سورۃ مین حضرت نوح کے قصہ کے بعد مذکور

ہے اس لیئے اِن دونو قصون کے بیان کیئے جانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر حضرت نوح کی
دُعا خدا تعالےٰ کی ناراضگی کا کچھ بھی موجب ہوتی تو ابراہیم کی سفارش اس سے بڑھ کر ناراضگی کا باعث
ہونی چاہیئے تھی۔ در حقیقت حضرت ابراہیم کا قصہ حضرت نوح کی دعا کے قصہ کی تشریح کرتا
ہے اس لیئے ہم دیکھتے ہین کہ ابراہیم کی دُعا پر اللہ تعالےٰ کیا فرماتا ہے وہ آیت اس طرح
پر ہے یُجَادِلُنَا فِی قَوْمِ لُوْطٍ اِنَّ اِبْرَاھِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاہٌ مُّنِیْبٌ یَا اِبْرَاھِیْمُ
اَعْرِضْ عَنْ ھٰذَا ترجمہ۔ ابراہیم ہمارے ساتھ لوط کی قوم کے بارہ مین جھگڑنے لگا کیونکہ
ابراہیم بڑا نرم دل اور بہت خدا تعالیٰ کیطرف رجوع کرنے والا تھا اے ابراہیم اس سے
جیسا نوح کو اپنے بیٹے کے لیئے دُعا کرنے سے روکا گیا اسی طرح پر ابراہیم کو قوم لوط کے لیے
دُعا کرنے سے روکا گیا۔ چونکہ قرآن بعض بعض کی تفسیر ہے۔ اور ابراہیم کا قصہ بعینہ
قصہ کیطرح اِس جگہ پر واقعہ ہوا ہے اسلیئے ہم اِن دونو قصون کی صورت کو ایک ہی سمجھتے
کوئی وجہ نہین کہ نوح کو اسی فعل کے لیئے عمل غیر صالح کا مرتکب کہا جائے جسکے لیئے ابراہیم کی
جو نوح سے بعد آیا اس قدر تعریف کی گئی ہو اگر ایسی دُعا سے ابراہیم نرم دل ثابت ہوتا ہے
جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا تو نوح بھی اِس دعا سے نرم دل ثابت ہونا چاہیئے۔ اصل حقیقت یہ ہے
کہ دونو صورتون مین صرف الفاظ مختلف ہین اور معانی ایک ہی ہین۔ جس طرح پر نوح کو حکم ہوا کہ
دُعا نکرے اِسی طرح پر ابراہیم کو حکم ہوا کہ دُعا نکرے کیونکہ وہ لوگ جن کے لیئے وہ دُعا کرتے تھے
اپنی بدعملیون کے سبب سے خدا تعالےٰ کے رحم کے مستحق نہ تھے پھر جس طرح ابراہیم منیب یعنے
خدا کی طرف رجوع کرنے والا بیان کیا گیا اسی طرح پر نوح کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ انہو
خدا کی حفاظت اور مدد طلب کی اور اس طرح پر خدا کیطرف اُنکا رجوع کرنا ثابت ہو گیا اور
میں کوئی لفظ بھی ایسا معلوم نہین ہوتا جس سے یہ نتیجہ نکالا جاوے کہ اپنے بیٹے کے واسطے

دُعا کرنے کے لیے حضرت نوح کو خدا نے گنہ گار ٹھیرایا۔ یہ الفاظ کہ "اے میرے خدا مین تیری حفاظت طلب کرتا ہون کہ ایسا سوال کرون جس کا مجھے علم نہین کیونکہ اگر تو میرا محافظ نہ ہو اور مجھ پر رحم نکرے تو مین زیانکارون سے ہونگا" پادری مانرو کے بیان کی تائید نہین کرتے۔ ہم تسلیم کرتے ہین کہ کیا نبی اور کیا غیر نبی سب خدا تعالےٰ کی حفاظت کے محتاج ہین اور جو شخص خدا تعالےٰ کی حفاظت طلب نہین کرتا یا جسکو خدا تعالےٰ کی حفاظت نہین دیجاتی وہ بیشک زیانکارون مین سے ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی دعا کی اور فرمایا رَبِّ لَا تَكِلْنِي إِلَى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ یعنی اے میرے خدا مجھے ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے نفس کیطرف مت چھوڑ یعنے تو ہی میرا ہر وقت محافظ اور مددگار رہ۔ لیکن چونکہ حفاظت الٰہی حضرت نوح کے شامل حال تھی اسی واسطے بچائے گئے اور اگلی آیت مین خدا تعالےٰ انکی نسبت فرماتا ہے يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ یعنے اے نوح اتر ہماری طرف سے سلامتی اور برکتین لیکر کیا یہ بھی کبھی دنیا مین ہوا ہے کہ گناہ کا بدلا خدا کی طرف سلامتی اور برکتین دیجاوین ✤

مگر یہ ایک ہی امر نہین جو پادریون کیطرف سے ہمین تعجب مین ڈالتا ہے کہ وہ ناحق خدا کے نبیون کی شانمین تہمتین لگاتے ہین بلکہ زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ اُنکی انجیلون کی بنا پر وہ انسان جسکو وہ اپنا خدا سمجھتے ہین زیادہ سخت گناہون کا مرتکب ٹھیرتا ہے۔ مثلاً حضرت نوح پر تو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انھون نے اپنے بیٹے کے لیئے دُعا کر کے خدا کی نافرمانی کی اور اسکو ہم جھوٹ ثابت کر چکے ہین کیونکہ نہ تو حضرت نوح کو یہ حکم ہی دیا گیا تھا کہ تو اپنے بیٹے کے لیئے دعا نکرنا اور نہ ہی حضرت نوح کے دعا کرنے کو کہین گناہ کہا ہے لیکن ایک دعا کے ہی معاملہ مین اگر ہم انجیلون کا اعتبار کرین تو یسوع گنہ گار ٹھیرتا ہے۔ انجیلو

مطابق خدا نے یسوع کو اس لیئے دنیا مین بھیجا تہا کہ تا وہ صلیب پر جاوے اور اس حکم الہیٰ کا اُس کو بخوبی علم تہا۔ اسلیئے صلیب پر مرنے سے بچنے کے لیئے دعا کرنے سے بڑھکر یسوع اور کوئی گناہ ہی نہ کر سکتا تہا۔ لیکن انجیلون مین لکھا ہے کہ اُس نے بچنے کے لیئے رو رو کر دعا کی اور ساری رات حکم الہیٰ کی خلاف ورزی مین صرف کی اور غم سے اُسکی موت تک حالت پہونچگئی۔ پس کوئی شک نہین کہ یسوع کی یہ دُعا کہ موت کا پیالہ ٹل جائے خدا کے اس حکم کی نافرمانی تھی جس کا منشا یہ تھا کہ وہ صلیب پر لعنتی موت مرے۔ در حقیقت پادریون نے یسوع کی اِس دُعا کے گناہ کو چھپانے کے لیئے اِس کا گناہ حضرت نوح پر تھوپ دیا ہے۔ ہم امید کرتے ہین کہ پادری مانرو قلم اُٹھاتے وقت ضرور وضاحت کے ساتھ بیان کریگا کہ کیون حکم الہیٰ کی خلاف ورزی مین اپنے بچاؤ کیلیئے دُعا کرنے کے واسطے یسوع گنہگار نہین اور نوح قرآن شریف کے مطابق کیونکر کسی گناہ کا مرتکب ہوا ✦

حضرت یونسؑ کا بھاگنا

حضرت یونس کے متعلق پادری مانرو نے اپنی معمولی جرأت کے ساتھ یہ جھوٹ بیان کیا ہو کہ وہ نعوذ باللہ خدا سے بھاگ گئے اور خدا کے حکم کی خلاف ورزی کی اور حوالہ کے لیئے قرآنکریم کو پیش کرتا ہے۔ جن آیتون کا اُس نے حوالہ دیا ہے اُنکو مفصل نقل کرکے ہم آگے دکھائینگے کہ پادری مذکور نے کیسے سفید جھوٹ بولکر ناحق اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کیا ہے۔ قرآنکریم کا ایک لفظ بھی اسکے اس جھوٹ کی تائید نہین کرتا پہلے ہم ان آیتون کو لیتے ہین جو سورۂ انبیا مین اس قصہ کے متعلق آئی ہین اور جنکا حوالہ پادری صاحب نے دیا ہے۔ اِس سورۃ کے مضامین جیسا کہ اسکے نام سے ظاہر ہوتا ہے انبیا علیہم السّلام کے متعلق بالخصوص نہایت ضروری ہین۔ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ کیونکر انبیا سے استہزا کیا جاتا ہے اور انکی تحقیر اور

توہین کی جاتی ہے اور اُنکو گالیاں دیجاتی ہین اِسکے بعد انبیاء کے مکذبین کا انجام بیان کیا گیا ہے اور پھر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ انبیاء حکم الٰہی کی خلاف ورزی کا ارادہ ہی نہین کر سکتے چنانچہ فرمایا عباد مکرمون لایسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون انبیاء خدا کے مکرم بندے ہین جو خدا کے حکم سے بڑھ کر آگے بات نہین کرتے اور اسی کے ارشاد کے مطابق کام کرتے ہین کوئی سمجھدار آدمی ایک لمحہ کے لیئے بھی خیال نہیں کرسکتا کہ ان الفاظ کے بعد انبیا کی نافرمانیوں کا ذکر بھی ہوسکتا ہے بلکہ یہان تو نافرمانی کے امکان کو ہی توڑا گیا ہے اور اُنکی فطرت کو ہی ایسا بیان کیا گیا ہے کہ نافرمانی کا ارادہ بھی نہین کر سکتے اس عام بیان کے بعد ضروری تھا کہ تشریح کے طور پر الگ الگ ذکر انبیاء کا بھی ہوتا جو انبیاء کے اس وصف کو ظاہر کرنیوالا ہوتا۔ اور قرآن شریف کی یہ بھی عادت ہے کہ عام بیان کے بعد وضاحت کیلئے خاص مثالین بیان فرماتا ہے۔ اِس بیان کی تصدیق کے لیئے اِسی سورۃ کا مطالعہ کافی ہے کہ کس طرح انبیاء کے متعلق خدا تعالیٰ اپنے انعامات و اکرامات کا بیان کرتا ہے۔ اور دکھاتا ہے کہ جو کچھ اسکا منشا تھا وہ انبیاء کرتے رہے اور اس لیئے خدا بھی ہمیشہ اُنکے ساتھ رہا چنانچہ چند انبیاء کا نام لیکر ذکر کیا گیا ہے۔ ہر ایک نبی کی فضیلت کو بیان کرکے بتایا گیا ہے کہ اس مستحکم تعلق اور قرب کے باعث جو خدا کے ساتھ اُنکو تھا کیونکر اللہ تعالےٰ ہر ایک مصیبت کیوقت جو دشمنون کے ہاتھ سے یا قضاء و قدر الٰہی سے اُنپر وارد ہوئی اُنکو بچاتا رہا پہلے حضرت ابراہیم کا ذکر ہے ولقد اتینا ابراھیم رشدہ من قبل (اور اس سے پہلے ہمنے ابراہیم کو رُشد عطا فرمایا) پھر بیان کیا کہ کیونکر لوگ اس سبب سے اُسکے دشمن ہوگئے کہ اُسنے منشاء الٰہی کے مطابق بتونکو توڑا اور بالآخر یہ بیان ہی کہ کس طرح ہر ایک مصیبت اور تنگی کے وقت مین خدا تعالےٰ اسے نجات دیتا رہا حضرت ابراہیم کی اولاد مین سے اسحٰق اور یعقوب کا نام لیا گیا ہی اور پھر یہ آیت آتی ہے وکلا جعلنا صلحین وجعلنٰھم ائمۃ یھدون

بامرنا واوحینا الیہم فعل الخیرٰت اور ہر ایک کو ہمنے راستباز بنایا اور اُنکو امام بنایا جو ہمارے احکام کی لوگون کو ہدایت کرتے اور ہم نے اُنکی طرف نیک کامونکی وحی کی پھر حضرت لوط کا ذکر فرمایا کہ ہمنے اُسکو حکمت اور علم سکھایا اور اس کو اس گاؤں سے نجات دی جو بد عملیان کرتے تھے۔ پھر حضرت نوح کا ذکر ہے کہ " ہمنے اُنکی دُعا کو قبول کیا اور اُسکو اور اُسکے اہل کو بڑی مُصیبت سے نجات دی " پھر حضرت داؤد اور سلیمن کا ذکر ہے کہ " ہمنے اُنھین حکمت اور علم عطا فرمایا " پھر ایوب علیہ السلام کا ذکر ہے کہ " ہمنے اُسکی دُعا کو قبول کیا اور اسکے دُکھ کو دور کیا " پھر حضرت اسمٰعیل ادریس اور ذوالکفل کا ذکر ہے جو بڑے صابر تھے اور ہمنے اُنکو اپنی رحمت مین داخل کیا۔ کیونکہ وہ بڑے راستباز تھے " یہان سے حضرۃ یونس کا ذکر شروع ہوتا ہے وذا النون اذھب مغاضبا فظن ان لن نقدر علیہ فنادی فی الظلمٰت ان لا الٰہ الا انت سبحٰنک انی کنت من الظلمین فاستجبنا لہ ونجینٰہ من الغم وکذٰلک ننجی المؤمنین ترجمہ۔ " اور ہمنے ذوالنون کو بھی رشد عطا فرمایا جب وہ غضب کی حالت مین چلا گیا اور اُسنے خیال کیا کہ ہم اُس پر تنگی نہین کرینگے یا اُس پر مصیبت نہین ڈالینگے (لیکن جب وہ مصیبت مین گرفتار ہوگیا) تو پھر اُس نے اُس تاریکی مین (جسکے اندر وہ مچھلی کے پیٹ مین پڑا ہوا تھا) ہمین پکارا اور دعا کی کہ اے خدا تیرے سوا کوئی معبود نہیں تیری ذات ہر ایک عیب و نقص سے پاک ہے اور مین کمزور اور مصیبتوں مین پھنسا ہوا ہون۔ پس ہمنے اُسکی دُعا کو قبول کیا اور اُسکو مصیبت سے نجات دی اور ہر ایک ایمان والیکو ہم اسی طرح نجات دیتے ہین۔ " یہان ذوالنون منصوب واقع ہوا ہے اور واو عاطفہ ظاہر کرتی ہے کہ اسکا عطف کسی پہلے فعل پر ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم کے بعد جتنے نام آئے ہین وہ واو عاطفہ کے ساتھ منصوب آئے ہین اسلیئے ان سب مین وہی فعل مقدر ہے۔ جو حضرت ابراہیم کے متعلق بولا

آگیا۔ اسی لیئے ہمنے ذاالنون کا ترجمہ فعل مقدر کو ظاہر کرکے کیا ہے۔ آخری آیۃ سے یہ بھی صاف
معلوم ہوتا ہے کہ جس مصیبت مین حضرت یونس گرفتار ہوئے وہ اسی قسم کی تھی جیسی پہلے انبیائے
پر وارد ہوئی تھی اور اُن کا نجات پانا اسی طرز کا تھا جیسا پہلے انبیاء کا جنکا ذکر اسی سورۃ مین
حضرت یونس سے پہلے ہو چکا ہے۔ نیز جو خلاصہ مضمون اس سورۃ کا ہمنے اوپر دیا ہے اس سے
یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس سورۃ مین جسقدر انبیاء کا ذکر ہے اُنمین سے اکثر کا ذکر اسی طرح واقع
ہوا ہے کہ وہ بڑی بڑی مصیبتون مین گرفتار ہوئے لیکن جب اُنھون نے خدا سے دعا کی تو خدا نے اُن کی
دُعا کو قبول کیا اور اُن کی مصیبت کو دور کر دیا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ مصائب جو انبیا پر آئے
ہین وہ اُن کے گناہون کے سبب سے نہین تھے۔ بار بار اس امر پر اس سورۃ مین زور دیا گیا ہے کہ
کس طرح صبر کے ساتھ انبیا نے اِن مصیبتون کی برداشت کی جو قضا و قدر سے یا انکے دشمنون
کے ہاتھ سے اُنھین پہنچتی ہین۔ اور کس طرح اُنھون نے ہر ایک بھروسہ کو چھوڑ کر صرف خدا کو ہی
پکارا اور اسی کی مدد طلب کی جب ساری دنیا انکو چھوڑ چکی تھی اور بالآخر کس طرح پر خدا کے فضل
اور تائید غیبی نے اُنھین اُن مشکلات سے نجات دی۔ جو پہاڑ کی طرح نظر آتی ہین۔ یہی وجہ ہے
کہ اس سورۃ مین قریباً ہر ایک نبی کے متعلق ان الفاظ کا بار بار اعادہ کیا گیا ہے کہ نجینٰہ
کہ ہمنے اُسکو نجات دی۔ یہی الفاظ حضرت یونس کے متعلق استعمال کیئے گئے ہین اور اس جگہ
اسکے ساتھ یہ بھی بڑھا دیا گیا ہے کذٰلک ننجی المؤمنین کہ ہر ایک شخص کو جو مصائب کے وقت خدا
پر پورا ایمان رکھے ہم اسی طرح نجات دیتے ہین۔ اور اِن الفاظ سے یہ ظاہر کر دیا گیا ہے کہ جن
مشکلات مین حضرت یونس مبتلا ہوئے تھے اور جسطرح اُنکو نجات دیگئی سو وہ بعینہ اسی طرز کی تھی
جیسا کہ پہلے انبیا کی مشکلات اور اُنکا نجات پانا تھا +

اب ہم ان آیات کے الفاظ پر غور کرتے ہین جو حضرت یونس کے متعلق ہمنے اوپر لکھی ہین

سب سے پہلے یہ الفاظ قابل غور ہین کہ ہمنے یونس کو رشد عطا کیا۔ جب کہ وہ غضب مین چلا گیا۔ قرآن شریف
مین یہ نہین لکھا کہ یہ اُن کا غضب کیسکے متعلق تھا۔ لیکن اتنی بات ظاہر ہے کہ یہ غضب اُن کا خدا تعالےٰ
کے متعلق نہین ہو سکتا۔ کیونکہ اول تو اسی غضب مین چلے جانے کے متعلق یہ لکھا ہے کہ ہمنے اسکو
رشد عطا فرمایا اگر اُن کا غضب خدا تعالےٰ کے برخلاف ہوتا تو اس طرح پر بیان کیا جانا چاہیئے
تھا کہ یونس سخت غلطی مین تھا اور خدا کے غضب کے نیچے تھا۔ جب کہ وہ غضب مین چلا گیا۔ نہ یہ کہ
ہمنے اُسکو رشد عطا فرمایا جب کہ وہ غضب مین چلا گیا۔ علاوہ ازین ایک بنی کے متعلق یہ کہنا
کہ وہ خدا کے خلاف غضب مین تھا اگر بے ایمانی نہین تو بیوقوفی ضرور ہے۔ خصوصاً جب کہ اسی
سورہ مین یہ بھی بیان کر دیا گیا ہے۔ کہ خدا کے بنی وہ مکرم بندے ہین جو نہین بولتے جب تک خدا
اُنکو نہ بُلاوے اور کوئی کام نہین کرتے جب تک خدا اُنکو کرنے کا حکم نہ دے۔ ہمارے لیئے یہ ضروری نہین
کہ ان تفصیلات کو دیکھین کہ یونس کا غضب کس پر تھا کیونکہ قرآن شریف نے اسکو مجمل رکھا ہے
اور اسکی تفصیل کو ضروری نہین سمجھا۔ ہان اتنا بیان کر دینا ضروری ہے کہ ابن عباس کی
ایک روایت کے مطابق وہ اس ملک کا بادشاہ تھا جسکے برخلاف یونس غضبناک ہوا اور بعض لوگون کا
مذہب ہے کہ وہ اس کی اپنی قوم تھی جس کو وہ وعظ کیا کرتے تھے۔ اور جنھون نے اسکو قبول نکیا ان دونو
باتون مین سے کوئی سی مان لین تو حضرت یونس کا قصہ دوسرے انبیاء کے قصص کے مطابق ہو جاتا ہے
جو اس سورہ مین بیان کئے گئے ہین۔ اور نیز انبیاء کی اس خصوصیت کے مطابق ہو جاتا ہے جو
اوپر بیان کی گئی ہے ؁

اِسکے بعد یہ الفاظ آتے ہین فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ اور یہ وہ موقع ہے جہان یا
تو پادری مانر اور اُسکے دوستون کو غلطی لگی ہے یا اُنھون نے عمداً غلط معنے کیئے ہین صحیح
معنے وہی ہین جو ہمنے اوپر کیئے ہین جن لوگون نے اسکے معنے یہ سمجھے ہین کہ اُس نے خیال کیا کہ ہم

اس پر کوئی قدرت نہین رکھتے" انکے متعلق صاحب لسان العرب کہتا ہی دیکھو جلد ۶ صفحہ ۳۸۶ ولا یتاول مثلہ الا الجاہل بکلام العرب و لغاتہا یعنے ایسے معنے کوئی نہین کرتا سوائے ایسے شخص کے جو عربونکے کلام اور انکے لغات سے بالکل جاہل ہو پھر اس فقرہ کے معنے کرتے ہوئے اسی کتاب مین لکھا ہی کہ" اسکے صحیح معنے یہ ہین کہ ہم اس کے لیئے کوئی مصیبت مقدر نہین کرینگے یا ہم اس پر تنگی نہین کرینگے اور یہ دونون معنے عربی زبان مین مشہور ہین"۔ ان معنون کی مثالین قرآن شریف مین اور جگہ بھی موجود ہین چنانچہ اللہ یبسط الرزق لمن یشاء من عبادہ و یقدر او من قدر علیہ رزقہ اگر بالفرض کسی نے غلطی سے یا عربی زبان کی ناواقفیت کے سبب سے یہ معنے کیئے ہون تو وہ سند نہین ہوسکتے کیونکہ تمام مفسرین اور اہل لغت نے اس غلطی کو بیان کرکے اسکے صحیح معنے کردیئے ہین۔ یہ پادریون کی محض بیوقوفی ہے کہ غلط ترجمہ پر زور دیئے جاتے ہین جبکہ اس غلطی کی اس قدر زور سے تردید بھی کردی گئی ہے +

ان الفاظ پر غور کرنا باقی ہی لا الٰہ الا انت سبحٰنک انی کنت من الظٰلمین لفظ ظلم پر الگ مفصل بحث کیجاوے گی۔ یہان اتنا بیان کرنا ضروری ہی کہ حضرت یونس یہان انسانی کمزوری اور نقص کا خداتعالےٰ کے کمال اور قدرت کے سامنے اقرار کرتے ہین۔ لفظ سبحٰنک کے معنے یہی ہین کہ اے خدا تو ہر ایک عیب اور نقص سے پاک ہے اور اپنی ذات مین کامل ہی۔ خداتعالےٰ کی طاقت اور کمال کے سامنے وہ اپنی انسانی حالت کو عاجزانہ طور پر بیان کرتے ہین اور اپنے مصائب اور تکالیف کو اُسکے سامنے پیش کرتے ہین وہ تمام قوت خداتعالےٰ کیطرف منسوب کرتے ہین اور کمزوری اپنی طرف اور التجا کرتے ہین کہ خداتعالےٰ اپنی طاقت کے ساتھ انکو ان مصائب سے نجات دے جنمین وہ مبتلا ہین کیونکہ وہ خود باہر نکلنے کی طاقت نہین رکھتے۔ ایسا ہی وہ بے عیبی کو خداتعالےٰ کی طرف منسوب کرتے ہین اور اسکے بالمقابل انسانی نقص کو پیش کرتے ہین۔ اور خدا سے دعا کرتے ہین کہ اس کا

کمال ان کے تمام فطرتی نقصونکو پورا کرے۔ اس طرح خدا تعالےٰ کے کمال مطلق اور انسانی کمزوری اور عجز کو بالمقابل رکھا گیا ہی یہی وجہ ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ معتبر روایتوں مین آیا ہے فرمایا کہ جو شخص بڑی مصیبتون کے نیچے دبا ہوا حضرت یونس کے الفاظ مین دعا کرے گا یعنی ان الفاظ مین کہ لا اِلٰہ اِلّا انت سُبحٰنک اِنّی کُنتُ مِنَ الظّٰلِمین اسکے مصائب دور کیے جائینگے۔ تو گویا اس دعا کے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ یہ مصائب سے نجات طلب کرنیکے لئے ہے اور یہ نہین فرمایا کہ یہ گناہ سے معافی مانگنے کے لیئے ہے۔ اس حدیث سے اس دعا کے معنے بالکل صاف ہو جاتے ہین اور معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ظلم جو یہان استعمال کیا گیا ہی اس سے مراد وہ مصائب ہین جو حضرت یونس کو پیش آئے تھے نہ کہ گناہ۔ کسی گناہ کا آگے یا پیچھے ذکر نہین اور خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا کہ یہ دعا مصائب سے نجات مانگنے کے لیئے ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ ما دعا بہا عبدٌ مسلمٌ قط وھو مکروبٌ الّا استجاب اللہ دعاءہٗ یعنے جو کوئی مسلمان جو مصائب کے نیچے دبا ہوا ہو یہ دعا کرے گا۔ ضرور ضرور خدا تعالےٰ اسکی دعا کو منظور کر لیگا۔ اسلیئے اس دعا مین لفظ ظالم کے معنے یہ ہین کہ مصائب کے نیچے دبا ہوا۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو حضرت یونس کیحالت مین ایک شخص کے مناسب حال بالکل نہین ہو سکتی اور نہ ہی اس دعا کو مصائب اور مشکلات سے نجات پانے سے کچھ تعلق ہونا چاہیئے +

آخری الفاظ ان آیات کے فاستجبنا لہٗ ونجّینٰہ مِنَ الغَمّ ان معنون پر اور زیادہ روشنی ڈالتے ہین یہان ایک دعا کا ذکر ہے جو خدا تعالےٰ نے قبول کی اور اس قبولیت کا نتیجہ مصیبت سے نجات دینا ہے اور ساتھ ہی ایسی نجات کا ہر ایک مومن سے وعدہ ہے جو دعا کرے اس سے صاف معلوم ہوتا ہی کہ حضرت یونس کی دعا مصیبت سے نجات کے لیئے تھی جسکو قبول کر کے خدا تعالےٰ نے اس کو نجات دی۔ لیکن قرآن شریف مین جس دعا کا ذکر ہے وہ صرف یہی دعا ہے

جس دعا کا ذکر اوپر ہو چکا یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ اور
اس دعا مین حضرت یونس کے متعلق جو لفظ ہی وہ ظالم کا لفظ ہے اسلیئے حضرت یونس کی
دعا بھی اسی حالت ظلم سے نجات پانیکے لیئے تھی لیکن دعا کی قبولیت ہمین یہ بتاتی ہی کہ یہ حالت سخت
مصیبت اور تکلیف کی حالت تھی اسلیئے ہم لفظ ظالم کے معنے اسی کے مطابق کر سکتے ہین یعنے
مصیبت کے نیچے دبا ہوا اسلیئے جہانتک ان آیات کا ہم کوئی مفہوم لے سکتے ہین۔ نہ تو حضرت
یونس کے خدا سے بھاگنے کا ذکر ہے نہ خدا کے کسی حکم کو توڑنے کا ذکر ہے اور نہ کسی گناہ کا اقرار ہے
اب ہم سورۃ الصافات مین جو حضرت یونس کے متعلق آیتین آئی ہین انکو لیتے
ہین۔ وہ آیتین اس طرح پر ہین وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِذْ اَبَقَ اِلَی الْفُلْکِ
الْمَشْحُوْنِ فَسَاهَمَ فَکَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِیْمٌ فَلَوْلَا
اَنَّهٗ کَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖ الخ " اور یونس ہمارے مرسلون مین سے
ایک تھا۔ یاد کرو جب وہ بھرے ہوئے جہاز کیطرف بھاگ گیا اور قرعہ اندازی کی گئی اور قرعہ
اُسی پر پڑا پھر مچھلی اُسکو نگل گئی اور وہ مستحق ملامت سمجھا گیا تھا۔ لیکن اگر وہ ہماری تسبیح اور
تقدیس کرنیوالون مین سے ہوتا تو اُسی کے پیٹ مین رہتا۔ اس سورۃ مین بھی یہی ذکر ہے کہ
کس طرح خدا تعالٰے نے اپنے برگزیدہ نبیون کو انکے دشمنون کے ہاتھ سے نجات دی کس طرح
نوح پھر ابراہیم پھر موسٰی اور ہارون اور پھر الیاس پھر لوط کو عین ضرورت کے وقت خدا تعالٰے
نے مدد دی کیونکہ ان کا بھروسہ خدا ہی پر تھا اور بڑے بڑے مصائب اور ابتلاؤن کیوقت ثابت قدم
رہے اور راستبازی کے کام کرتے رہے چنانچہ قریب ہر ایک نبی کے متعلق یہ الفاظ آئے ہین
اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ یعنے اسیطرح پر ہم راستبازون کو
انعام دیتے ہین کیونکہ وہ (یعنی جس نبی کا ذکر ہے) مصائب کے وقت ہمارے ثابت قدم بندون

مین سے تھا۔ اسکے بعد حضرت یونس کا ذکر ان تعریفی الفاظ مین شروع ہوتا ہے۔ یونس بھی اُن لوگون
مین سے تھا جنکو ہمنے نبی کرکے چن لیا۔ اس کے بعد اس مصیبت کا بیان ہے۔ جو حضرت یونس پر اسی
طرح پڑی جس طرح حضرت ابراہیم۔ نوح۔ موسی۔ لوط۔ وغیرہ دوسرے انبیا پر مصیبتین آئین اِس
مصیبت کا آغاز یہ ہے کہ حضرت یونس کو ایک جہاز کیطرف بھاگنا پڑا۔ یہ فرض کرنا کہ وہ خدا سے
بھاگے تھے بڑے درجہ کی حماقت ہے اگر خدا کا یہی منشا ہوتا تو ما قبل کی آیت مین بجائے یہ کہنے کے
کہ یونس بھی ہمارے برگزیدہ رسولون مین سے تھا یہ کہنا چاہئے تھا کہ یونس بھی گنہگارون یا مجرمون
مین سے ایک تھا کیونکہ وہ خدا سے بھاگ گیا سورہ انبیا کی آیت پر بحث کرتے وقت ہم یہ بیان
کر چکے ہین کہ حضرت یونس کا بھاگنا اس ملک کے بادشاہ سے تھا یا اپنی قوم سے۔ اسکے بعد جب
حضرت یونس جہاز مین چڑھ بیٹھے تو اور بھی زیادہ مصائب نے اُنکو آگھیرا قرعہ ڈالکر اُنکو دریا
مین پھینکا گیا اور اہل جہاز نے خیال کیا کہ وہ واقعی ملامت کے قابل ہین۔ لیکن چونکہ وہ خدا
تعالٰے کے نزدیک قابل ملامت نہین تھے اسلئے خدا تعالٰے نے اُنکو بچالیا۔ اگر وہ خدا تعالٰے
کے نزدیک ایسے ہی ملزم ہوتے جیسا کہ لوگون نے اُنکو خیال کر لیا تھا جب وہ دریا مین پھینکے گئے
تھے تو وہ ضرور غرق ہو جاتے کیونکہ خدا تعالٰے اُن کی مدد کرتا۔ لیکن خدا تعالٰے خود اُنکے ملزم ہونے
کا انکار ان الفاظ مین کرتا ہے فلولا انہ کان من المسبحین۔ اور فرماتا ہے کہ اگر واقعی
وہ خدا کی تسبیح کرنے والا نہوتا اور ملزم ہی ہوتا جیسا کہ لوگون نے اسے خیال کر لیا تھا تو ضرور
غرق کیا جاتا لیکن خدا تعالٰے اسکی نسبت یہ بیان کرکے کہ وہ خدا کی تسبیح اور تقدیس کرنے
والون مین سے تھا اور اسلیئے بچالیا گیا اس کے ملزم ہونے سے صاف انکار کرتا ہے کیونکہ اگر وہ خدا
کو ناراض کرکے اور خدا کے حکم کی خلاف ورزی کرکے بھاگا ہوتا تو وہ مسبح نہ ٹھیرتا لیکن چونکہ وہ
ہر وقت خدا پر خالص اور سچا ایمان رکھتا تھا جیسا کہ دوسرے انبیا رکھتے تھے اس واسطے خدا

نے اسکو عین اس وقت بچالیا جبکہ اسکے بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی تھی +
ان تمام باتون سے ظاہر ہے کہ حضرت یونس خدا تعالے سے کبھی نہین بھاگے ہان یسوع کے متعلق ایک واقعہ کا انجیل مین ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یسوع خدا سے بھاگ گیا کیونکہ انجیل مین لکھا ہی کہ جب اس مقصد کے پورا ہونے کا وقت آیا جسکے لیئے عیسائیون کے اعتقاد کے بموجب خدا نے یسوع کو بھیجا تھا تو یسوع ایک باغ مین چھپ گیا۔ اب یہودیون سے اپنے آپکو چھپانا خدا تعالے سے بھاگنا تھا کیونکہ یہودی اسوقت عیسائیون کے اعتقاد کے روسے خدا تعالے کے حکم کو پورا کرنا چاہتے تھے۔ لیکن یسوع اس قدر دلیری نہ کرسکا کہ اس حکم الٰہی کے مطابق وہ خودہی یہودیون کے پاس چلا جاتا اور صلیب پر چڑہنے کی درخواست کرتا اور اسی لئے بیچارے یہودیونکو اسکے شاگردون مین سے ایک کو رشوت دینی پڑی تاکہ اس کا پتہ ملجاوے۔ ہم دیکھنا چاہتے ہین کہ پادری یسوع کے اس طرح پر خدا سے بھاگنے کی کیا تشریح کرتے ہین +

حضرت موسےٰ کا قتل کرنا

پادری ماز و حضرت موسیٰ پر یہ الزام لگاتا ہے کہ وہ ایک خون ناحق کرکے خدا کے گنہ گار ہوئے۔ اور سورہ قصص کی بنا پر وہ یہ الزام پیش کرتا ہے۔ سورہ قصص مین یہ قصہ اس طرح پر مذکور ہے۔ اور جب موسیٰ عین بلوغت پر پہونچا اور اسکے انسانی قوےٰ پوری طرح نشو و نما پاگئے تو ہمنے اسکو علم اور حکمت دیا۔ کیونکہ راستبازونکو ہم اسی طرح پر انعام دیا کرتے ہین اور وہ ایسے وقت شہر مین داخل ہوا جب کہ لوگ غفلت کیحالت مین تھے اور اُسنے دو آدمی لڑتے پائے ایک اسکے اپنے گروہ مین سے اور دوسرا اسکے دشمنون مین سے۔ جو شخص اُسکے اپنے گروہ مین سے تھا اُسنے موسےٰ کے پاس فریاد کی اور دشمن پر مدد چاہی تو موسےٰ نے اُسکے ایک مکا مارا تو وہ مرگیا موسےٰ نے کہا یہ شیطانی اعمال کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ شیطان دشمن صریح بھکانے والا ہے۔ پھر حضرت موسیٰ نے دعا کی کہ اے میرے رب مینے اپنی جانکو خسارہ

مین ڈالدیا پس تو میری حفاظت کر پس خدا نے اُس کی حفاظت کی کیونکہ خدا بڑا حفاظت کرنے والا مہربان ہے حضرت موسیٰ نے کہا اے میرے رب جیسا تو نے مجھپر فضل کیا مین بھی کبھی گنہ گارون کا مددگار نہین ہونگا لیکن شہر مین وہ صبحکو ڈرتا ہوا اٹھا اس انتظار مین کہ کوئی اسکو پکڑ نہ لے تو پھر وہی آدمی جسنے پہلے دن اس سے مدد مانگی تھی فریاد کرتا ہوا نظر آیا موسیٰ نے اسکو کہا کہ تو بڑا جھگڑالو ہے پھر جب ارادہ کیا کہ اس شخص پر ہاتھ ڈالے جو ان دونو کا دشمن تھا تو وہ دوسرا شخص بول اُٹھا کہ اے موسیٰ کیا تو ارادہ کرتا ہے کہ جیسا کل ایک آدمی کو قتل کیا ویسا ہی آج مجھے قتل کرے" اس قصہ مین کئی امور قابل غور ہین اول تو قصہ کو شروع کرنے سے پہلے ایسے الفاظ مین حضرت موسیٰ کی تعریف کی گئی ہے جو اسکے خلاف گناہ کا نتیجہ نکالنے سے سخت مانع ہے۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ موسیٰ کو علم و حکمت اس واسطے دیا گیا کہ وہ بڑا راستباز تھا۔ اب قصہ کو بیان کرتے ہوئے پادری اس نکتہ کو کبھی بیان نہین کرینگے چنانچہ پادری مانرو نے ایسا ہی کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ الفاظ سارے قصہ کی جان ہین۔ اور اسکے اصل منشا کو ظاہر کرتے ہین۔ موسیٰ کی راستبازی خدا تعالےٰ کو ایسی پسند آئی کہ اسنے بڑے بڑے انعامات حکمت اور علم کے اُسے عطا فرمائے۔ اب خیال کرو کہ ایسے بیان کے بعد یہ قصہ مذکور ہو کہ ایک دن تو حضرت موسیٰ نے خون ناحق کیا اور رات کو توبہ کیکے پھر دوسری صبح ایک اور خون ناحق کرنے کی کوشش کی اور اس مین بھی کامیاب ہو جاتا اگر شور نہ پڑجاتا۔ کیا اس سے زیادہ بھی بیہودہ تعلق عبارت کا قیاس مین آسکتا ہے اسکی مثال ایسی ہی ہے کہ مثلاً ایک شخص شراب کی ممانعت پر لکچر دینے کھڑا ہوا اور سامعین کی تقلید کیلئے ایک ایسے شخصکو بطور نمونہ پیش کرے جسکی ہر جگہ پرہیزگاری اور شراب نہ پینے کی تعریف اور شہرت ہو رہی ہو اور پھر ساتھ اسکے یہ قصہ بھی بیان کرے کہ یہی شخص جسکو وہ نمونہ کیطور پر پیش کرتا ہے ایک شام کو بازار مین شراب سے مدہوش پڑا ہوا پایا گیا۔ اور پھر رات کو اسکے سامنے اُس نے توبہ کی اور

دوسری شام کو پھر ایک شراب کی دوکان مین جاتا ہؤا دیکھا گیا۔ اس مثال کی بیہودگی پر غور کرو اور پھر سوچو کہ آیا پادری قرآن شریف کے معنے کرنے مین اس سے بھی بڑھ کر حماقت نہین دکھلاتے موسیٰ ایک شخص ہی جسکو پہلے مومنین کے سامنے راستبازی کا ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے اور پھر اسکی راستبازی کی یہانتک تعریف کیجاتی ہی کہ خداتعالےٰ اس سے خوش ہوکر اسکو بڑے بڑے انعام دیتا ہی اور علم و حکمت عطا کرتا ہے۔ اور پھر اگلی آیت مین اسکے متعلق یہ بیان کیا جاوے کہ وہ بڑا سفاک اور خونریز تھا جو ناحق لوگوں کے خون کیا کرتا تھا +

پھر ایک اور امر قابل غور یہ ہے کہ خداتعالےٰ سے حفاظت مانگنے کے بعد اور جب خداتعالےٰ سے حفاظت کا وعدہ انکو دیا جاتا ہے تو حضرت موسےٰ بارگاہ الٰہی مین عرض کرتے ہین رب بما انعمت علی فلن اکون ظہیرا للمجرمین۔ اے میرے رب تیرے انعامونکے سبب سے جو تونے مجھ پر کیے ہین مین کبھی مجرمون کا مددگار نہین ہونگا۔" اس لیے ہم یہ نہین کہہ سکتے کہ اسرائیلی کی مدد کرنیمین حضرت موسےٰ گناہ کے مرتکب ہوئے کیونکہ یا تو اس فعل مین وہ حق پر تھے یا ناحق پر۔ اگر حق پر تھے تو پھر تو کوئی اعتراض ہی باقی نہین رہتا لیکن اگر وہ ناحق پر تھے تو پھر وہ مجرم کے مددگار ٹھیرے۔ لیکن خداتعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ وہ کبھی بھی مجرمون کے مددگار نہین ہوئے۔ بفرض محال اگر یہی مان لیا جاوے کہ یہ وعدہ حضرت موسیٰ کا قبطی کے قتل کے بعد کا تھا۔ تب بھی یہ نتیجہ نہین نکل سکتا کہ اسرائیلی کی مدد کرنے مین حضرت موسےٰ ناحق پر تھے کم سے کم اتنا تو ماننا پڑے گا کہ وعدہ کے بعد حضرت موسےٰ اس قسم کے ارتکاب کی پھر کوشش نکرتے اگر وہ اپنے فعل کو گناہ یا جرم کی مدد سمجھتے۔ لیکن ایکدن بھی اس وعدہ پر نہ گذرنے پایا تھا کہ اسی قسم کا واقعہ حضرت موسےٰ کو پھر پیش آیا کہ آپنے اسی اسرائیلی کو ایک اور قبطی سے لڑتے دیکھا اور پھر اسرائیلی نے اسی طرح موسےٰ کے پاس فریاد کی اور اسی طرح موسےٰ نے اسکی مدد کرنی چاہی اور دشمن کو ہلاک کرنا چاہا مگر ایک ایسا واقعہ پیش

آگیا کہ انکو رکنا پڑا۔ اگر حضرت موسےٰ پہلی دفعہ اسرائیلی کی مدد کو گناہ خیال کرتے تو ممکن نہ تھا کہ انھین واقعات کے ماتحت اسی اسرائیلی کی مدد کو پھر تیار ہو جاتے جو ایکدفعہ انکے گناہ کا موجب ہو چکا تھا درانحالیکہ وہ وعدہ بھی کر چکے تھے کہ وہ کبھی کسی مجرم کی مدد نہین کرینگے۔ آیت فَلَنْ اَکُوْنَ ظَہِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ صاف اس امر پر شاہد ہے کہ دوسرے موقعہ پر حضرت موسیٰ کا فعل ظالمانہ فعل نہ تھا مگر چونکہ حضرت موسےٰ نے دوسرے موقعہ پر بعینہ اسی فعل کا ارادہ کیا تھا جو وہ پہلے موقعہ پر کر چکے تھے اسلیئے ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہین کہ پہلے موقعہ پر بھی وہ کسی بُرے فعل کے مرتکب نہین ہوئے یعنی کسی ایسے فعل کے کہ جسکو وہ خود بُرا سمجھتے ہون یا جو خدا کے نزدیک بُرا ہو ٭

ایک اور امر جسپر غور کرنیسے حضرت موسےٰ کی معصومیت ثابت ہوتی ہے انکی وہ دعا ہے جو کہ مدین کو بھاگتے وقت اُنھون نے اللہ تعالےٰ سے مانگی۔ یہ دعا اِن الفاظ مین ہے رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔ یہان موسےٰ اپنے دشمنونکو ظالم بیان کرتے ہین۔ حالانکہ وہ اگر اپنے فعل کو ظلم سمجھتے تو ممکن نہ تھا کہ اِسی معاملہ مین وہ اپنے دشمنونکو بھی ظالم کہتے۔ اگر حضرت موسےٰ یہ جانتے تھے کہ ایک آدمی کے مار ڈالنے مین اُنھون نے کسی ظالمانہ فعل کا ارتکاب کیا ہے تو پھر وہ اُن لوگونکو جو ایک مجرم شخصکو قرار واقعی سزا دینا چاہتے تھے۔ کیون ظالم کہتے۔ خود انکی یہ تعلیم تھی کہ جان کے بدلے جان تو پھر اُن لوگونکو جو اسی قانون کے مطابق انھین پکڑنا چاہتے تھے جسکو وہ عدل اور انصاف کا قانون سمجھتے تھے کیونکر ظالم کہہ سکتے تھے اُن کا اپنے مخالفون کو ظالم بیان کرنا اسلیئے کہ وہ قبطی کی مارنے کی وجہ سے انکی جان کے درپے ہوگئے تھے صاف ثابت کرتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس معاملہ مین بیگناہ سمجھتے تھے اور یقیناً جانتے تھے کہ اُنھون نے کوئی خون ناحق نہین کیا جسکے بدلے انھین سزا ملنی چاہیئے اگر وہ خون ناحق کے مرتکب ہوئے ہوتے تو ایک عدل اور انصاف کی سزا کو وہ ظلم نہین کہہ سکتے تھے پھر جب موسےٰ مدین مین پہنچتے ہین اور شیخ کبیر کے سامنے اپنا قصہ بیان کرتے ہین کہ کیونکر اُنھون نے ایک

قبطی کو مارا اور پھر کیونکہ وہاں سے بھاگے تو وہ شیخ کبیر بھی قبطیونکو ہی ظالم ٹھیراتا ہی اور اس معاملہ مین انھیر کیطرف ظلم کو منسوب کرتا ہی - اور کہتا ہے لاتخف نجوت من القوم الظّٰلمین تو مت ڈر کہ ان لوگون سے جو تجھپر ظلم کا ارادہ رکھتے تھے تو نجات پاگیا - اسی طرح پر قصہ مین حضرت موسے کے دشمنون کے اس فعل کو کہ وہ قبطی کے بدلے انکو مارنا چاہتے تھے خدا تعالے نے ظلم اور ناحق قرار دیا ہے اور اسلیئے وہ فعل جسپر یہ سزا تجویز کیتے تھے خدا تعالے کے نزدیک ظالمانہ اور ناحق نہین ہو سکتا - ایسا ہی خدا تعالے سے ہمکلام ہوتے ہوئے موسے کہتے ہین ولھم علیّ ذنب کہ ان مصریون کا مجھپر گنہ ہے اور یہ نہین کہا کہ خدا کا گناہ ہی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قتل کے معاملہ مین وہ خدا تعالے کے نزدیک قطعاً اپنے آپکو گنہ گار نہین سمجھتے تھے کیونکہ وہ خدا کو یہ کہتے ہین کہ مین ان مصریونکے نزدیک گنہ گار ہون نہ یہ کہ تیرے نزدیک بھی گنہ گار ہون +

حضرت موسے کے یہ الفاظ ھٰذا من عمل الشیطٰن کہ یہ تیرے شیطانی فعلونکی سزا ہے جو انھون نے قبطی کی متعلق کہے اسی نتیجہ کے موید ہین - جب حضرت موسے نے دیکھا کہ قبطی انکے مکہ سے موت تک پہنچگیا ہے - تو فی الفور بول اٹھے کہ یہ تیرے شیطانی فعلون کے سبب سے ہے - جس سے انکا یہ مطلب تھا کہ تو نے ناحق ایک اسرائیلی پر ظلم کرنا چاہا اسلیئے اپنی سزا کو پہونچگیا - ان الفاظ کو حضرت موسے کے متعلق سمجھنا ایسی بیہودگی ہی کہ اسکی تردید کی حاجت معلوم نہین ہوتی - جتنے پہلوؤن پر ہم ابتک غور کر چکے ہین وہ سب اس بیہودہ خیال کی تردید کرتے ہین اور قرائن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسے اس مصری کے شیطانی فعلون کا ذکر کرتے ہین - الفاظ ظلمتُ نفسی سے بھی یہ مراد نہین لیجا سکتی کہ حضرت موسے اپنی طرف کسی ظالمانہ فعل کو منسوب کرتے ہین کیونکہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہین وہ اپنے دشمنونکے فعل کو جو اس قتل کا بدلہ حضرت موسے سے لینا چاہتے تھے ظالم کہتے اور سمجھتے تھے - اور اسلیئے ایک لمحہ کے لیئے بھی وہ اپنی طرف اس معاملہ مین ظلم کو منسوب کر سکتے تھے

ان الفاظ سے مراد فقط یہ ہے کہ مینے اپنی جانکو خطرہ مین ڈالدیا ہے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مصری جو انکے
پہلے ہی دشمن تھے انکے قتل کیلئے کوئی بہانہ چاہتے تھے - اسی خطرہ کے احساس کے سبب سے وہ فی الفور
خدا تعالی کیطرف رجوع کرتے ہین اور اس سے حفاظت طلب کرتے ہین اور یہ کہتے ہین فَاغْفِرْ لِیْ
کیونکہ وہ ایک راستباز آدمی تھے - اور کسی دوسرے کو خدا کے سوا اپنا مددگار اور محافظ نہ سمجھتے تھے سو
خدا تعالے نے انکی دعا کو منظور کیا اور فرمایا کہ تم مصریونکے ہاتھ سے بچائے جاؤگے چنانچہ اسی وعدہ الہی
کے مطابق عین موقعہ پر اللہ تعالے نے حضرت موسے کو اطلاع دیدی کہ تمہارے پکڑنے کیلئے دشمن
تجویزین کررہے ہین سو تم اس شہر سے بھاگ جاؤ اور اس طرح پر جس حفاظت کا حضرت موسے کیساتھ
وعدہ کیا تھا اسکو پورا کیا - اب ہمیں ان معنون کی صحت پر صرف امور متذکرہ بالا ہی شاہد نہین ہین
بلکہ دوسرے مقامات پر جہان قرآن کریم مین اس قصہ کا ذکر آیا ہے وہان سے بھی انھیں معنون کی
تائید ہوتی ہے - مثلاً سورہ طٰہ مین اللہ تعالے حضرت موسے پر اپنے انعامات کو بیان کرتا ہوا
فرماتا ہے کہ کس طرح کئی موقعون پر تیری جان بچائی - چنانچہ پہلا واقعہ بچپن کا بیان فرماکر پھر فرماتا
ہے وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّیْنٰکَ مِنَ الْغَمِّ یعنے تونے ایک آدمی کو قتل کردیا اور ہم نے تجھے اس
غم سے نجات دی - اسمین ذرا شک نہین ہوسکتا کہ اس غم سے مراد وہی غم ہے جو بعد قتل کے حضرت
موسے کو اپنی جانکے لیئے ہوا جسکے لیئے انھون نے یہ دعا مانگی کہ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ
اگر خدا تعالے کے نزدیک اس قبطی کا قتل گناہ ہوتا اور اسی کے مطابق سورہ قصص کے ان الفاظ
کے معنے ہوتے جو ہمنے اوپر نقل کیئے ہین تو ضرور تھا کہ خداوند تعالے موسے کو یہ بھی فرماتا کہ کس طرح
وہ قبطی کے قتل مین گناہ کا مرتکب ہوا اور کیونکر اس کا گناہ معاف کردیا گیا جبکہ اسنے توبہ کی برخلاف
اسکے خدا تعالے اسی انعام کو بیان کرتا ہے کہ کیونکر جب وہ قبطی کو قتل کرچکا خدا تعالے نے اسکی
جان بچائی اور قرآن مین کہین یہ بھی ذکر ہونا چاہیئے تھا کہ کس طرح موسے اپنے اس گناہ کیلئے نادم

ہوتا رہا اور فکر کرتا رہا کیونکہ حضرت موسے کا قصہ کئی بار قرآن شریف مین بیان ہوا ہے مگر قرآن شریف
مین اسی غم کا ذکر ہے جو حضرت موسے کو اپنی جان کیلئے ہوا تھا اور اسی انعام کا ذکر ہے جو خدا تعالے
نے اس غم کیوقت مین اسکو سہارا دیا اور انکی جان بچائی چنانچہ جسوقت اس کو فرعون کیطرف جانے
کا حکم ہوا تو حضرت موسے نے یہی عرض کی اِنِّی قَتَلْتُ مِنْھُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ
کہ ان مین سے مینے ایک آدمی کو مار دیا ہے اور مین ڈرتا ہون کہ وہ مجھے مار نہ ڈالین۔ پس اسمین کوئی شک
نہین کہ جس غم کا الفاظ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ مین اظہار کیا گیا ہے وہ انکو انکی جان کے خطرہ کا متعلق
تھا جس کا ذکر قرآن شریف مین بار بار کیا ہے اور جس حفاظت کا انکو وہان وعدہ دیا گیا ہے
وہ حفاظت انکے دشمنون کے بد منصوبون سے تھی نہ کہ خدا کی سزا سے۔ چنانچہ اس واقعہ کے بعد
جو کچھ ہوا وہ بھی اسی نتیجہ کا موید ہے۔ کیونکہ اپنے سخت ترین دشمنونکے درمیان سے حضرت موسے کی
زندگی معجزانہ طور پر بچای گئی ٭

جہانتک یہ قصہ قرآن شریف مین موجود ہے اس سے حضرت موسے کے گنہ گار ہونے کا نتیجہ
ہرگز نہین نکل سکتا۔ اب ہم دیکھتے ہین کہ حضرت موسے کا فعل قبطی کے مارنے کا کس قسم کا تھا
اور کیا وجہ تھی کہ وہ قتل مین اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے اور ان لوگون کو جو قصاص مین ان کی
جان لینا چاہتے تھے ناحق پر خیال کرتے تھے۔ یہ امر واقعہ ہے جسکی شہادت تاریخ سے ملتی
ہے کہ اسرائیلی مصریونکے ماتحت ایک سخت غلامی کی زندگی بسر کرتے تھے انکے ساتھ صرف معمولی
غلامون ہی کا سلوک نہ ہوتا تھا بلکہ بہت سختی اور ظلم ان پر کئے جاتے تھے اور ذلیل سے ذلیل کام
ان سے لئے جاتے تھے قرآن شریف اور توریت دونو گواہ ہین۔ آسانی سے سمجھ مین آسکتا ہے کہ
اس ذلت کی حالت مین انکے ظالم آقا کس کس قسم کی بے رحمیان ان پر کرتے ہونگے اور کس
طرح پر بے ہردی سے انکو مار ڈالتے ہونگے۔ تمدن کے پرانے قوانین کی رو سے غلام کے قتل کیوقت

مناسب چارہ جوئی نہین ہوسکتی تھی۔ اور جب اسکے ساتھ ہم اس سختی کو بھی مدنظر رکھین جو مصری اسرائیلیون پر کرتے تھے اور اس ذلیل حالت پر غور کرین کہ جس طرح اسرائیلی رکھے جاتے تھے تو آسانی سے سمجھ مین آ سکتا ہے کہ کس طرح پر قبطی انہی اسرائیلیونکو قانونی گرفت سے بیخوف مار ڈالتے ہونگے۔ جبکہ حکام بھی ان بیچارے عبرانیونکی جانونکی چندان پرواہ نکرتے تھے۔ اب سوچنا چاہیئے کہ اگر ایک اسرائیلی اور قبطی لڑ رہے ہون تو بیچارے اسرائیلی غلام کی جان کسقدر خوف کی حالت مین ہوگی کیونکہ اسرائیلی تو اپنے آقا کے خلاف ہاتھ بھی نہین اٹھا سکتا اور قبطی کو نہ اُنکی جان کی پرواہ ہے اور نہ قانون کا خوف ہے۔ اب اگر حضرت موسےٰ اسرائیلی کی مدد کے لیئے وقت پر نہ پہنچگئے ہوتے تو وہ یقیناً جانبر نہ ہوسکتا جب اُسنے ظالم دشمن کے پنجہ مین اپنے آپکو بے بس پایا تو ناگہان حضرت موسےٰ پر اُسکی نظر جا پڑی اور اُن سے اُسنے مدد طلب کی۔ لفظ استغاثہ جو یہان استعمال کیا گیا ہے وہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ مظلوم اسرائیلی تھا۔ اور اگر حضرت موسےٰ اُسکی جان نہ بچاتے تو وہ خود بخود قبطی کے پنجہ سے نجات نہ پاسکتا یہ حالت دیکھکر حضرت موسےٰ نے اس ظالم کے مُکہ مارا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنکا منشا اُسکو قتل کرنے کا نہین تھا بلکہ صرف مظلوم کو چھڑانے کا تھا۔ مُکہ سے مرجانا یہ ایک اتفاقی امر تھا ورنہ ضرب اس قسم کی نہ تھی جس سے معمولی طور پر نتیجہ موت کا پیدا ہوسکے۔ لیکن اگر یہ بھی مانلیا جائے کہ حضرت موسےٰ کا ارادہ ہی اُسکو قتل کرنے کا تھا تب بھی حضرت موسےٰ حق پر ہی تھے کیونکہ اگر وہ مظلوم کی مدد نکرتے تو معاً اُسکی جان کا خاتمہ ہو جاتا۔ اسلیئے حضرت موسےٰ نے جو کچھ فعل کیا وہ ایک جان بچانے کیلیئے تھا اور اسلیئے اُسکو گناہ یا جرم کسی صورت مین کہا نہین جا سکتا۔ حضرت موسےٰ کا قتل کے واقعہ کے بعد ہی معاً یہ کہنا کہ مین مجرمونکا مددگار ہرگز نہین ہونگا اسی امر پر دال ہے کہ وہ خوب جانتے تھے کہ اسرائیلی کی مدد کرنے مین اُنھون نے ظالم کی مدد نہین کی بلکہ مظلوم کی کی ہے یہی وجہ تھی کہ دوسرے دن جب اُنھون نے اُسی اسرائیلی کو ایک اور قبطی کے پنجہ مین گرفتار پایا اور مدد کیلیئے چلاتے ہوئے دیکھا تو پھر وہ اُسی طرح مدد کیلیئے طیار ہوگئے۔ یہ کہ اُسکو حضرت

موسے نے غوی کہا اس سے مراد اُنکی یہ نہ تھی کہ وہ ظالم ہے کیونکہ غوی کو اگر ان معنون مین استعمال کرتے تو کبھی اُسکی مدد کیلئے آگے نہ بڑہتے غوی سے مراد اُنکی یہ تھی کہ تو جھگڑالو ہے۔ اور اس کو یہ اطلاع دینا مقصود تھا کہ اُسکو ایسے آدمیون کے ساتھ جھگڑنے سے پرہیز کرنا چاہئے جو بڑی بیدردی سے اُس کی جان کا خاتمہ کردینے کو طیار تھے۔ پس صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسے ایک غلام کی جان بچانے لگے تھے کہ اتفاقاً ظالم اپنی سزا کو پہونچگیا۔ اور حضرت موسے کا یہ فعل صرف جائز ہی نہ تھا بلکہ ایک بیگناہ آدمی کی جان بچانے کیلئے ضروری ہوگیا تھا +

حضرت ہارون پر شرک کا الزام

پادری مانرو حضرت ہارون پر شرک کا الزام لگاتا ہے اور سند کیلئے سورہ اعراف کی آیت ۱۵۰ کا حوالہ دیتا ہے۔ اس آیت کو بمعہ ترجمہ ہم نیچے لکھتے ہین تا کہ معلوم ہو کہ کسقدر دیانتداری سے پادری صاحبان کام لیتے ہیں وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِن بَعْدِي ۖ أَعَجِلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ ۖ وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ ۚ قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ ترجمہ۔ اور جب پھر آیا موسے اپنی قوم کیطرف غصب اور رنج سے بھرا ہوا۔ کہا بُرا ہے جو کچھ تمنے میرے بعد کیا۔ کیا تمنے اپنے ربّ کے حکم مین شتابی کی۔ اور تختیاں ڈالدین اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اسکو اپنی طرف کھینچنے لگا اُسنے کہا اے میری ماں کے بیٹے۔ قوم نے مجھے ضعیف سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے مار ڈالتے پس میرے ساتھ دشمنونکو خوش مت کر اور ان ظالم لوگون کے ساتھ مجھکو نہ ملا"۔ ہم تعجب کرتے ہین کہ اس ساری آیت مین کونسا لفظ ہے جو پادری مانرو کے الزام شرک کی تائید کرتا ہے حضرت موسےٰ کے غضب اور رنج جیسا کہ آیت مین صاف بتایا گیا ہی قوم کے خلاف تھا کیونکہ انھون نے اُنکی

غیر حاضری مین گوسالہ پرستی اختیار کی اور ان الفاظ کی مخاطب بھی وہی قوم ہے کہ "برا ہے جو
کچھ تمنے میرے پیچھے کیا" پھر اسی قوم کی نسبت ہی حضرت ہارون کہتے ہین کہ قوم نے مجھے کمزور
سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہارون خود اس قوم مین شامل
نہ تھے بلکہ اُن کے گوسالہ پرستی کی مخالفت کرنے کی ہی وجہ سے اُنکی جان خود خطرہ مین پڑی ہوئی تھی
یہ آیت صاف شاہد ہے کہ حضرت ہارون اُن لوگون مین سے نہ تھے جنھون نے گوسالہ کی پرستش
کی تھی بلکہ برعکس اسکے اُنھون نے گوسالہ پرستی کی مخالفت یہانتک کی کہ لوگ انکے دشمن اور مارنیکے
درپے ہوگئے حضرت ہارون کا توحید پر قائم رہنا اور توحید کا وعظ بنی اسرائیل کو سنانا سورہ
طٰہٰ مین صاف الفاظ مین بیان کیا گیا ہے وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ
يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ - اور
ہارون نے اس سے پہلے اُنکو کہا تھا اے میری قوم تم اس گوسالہ سے آزمائے گئے ہو۔ اور تمہارا
رب بڑا رحم کرنیوالا ہے پس تم میرے پیچھے چلو اور میرے امر کی پیروی کرو" کیا ان صاف
الفاظ کے باوجود ایک نبی پر شرک کا الزام لگانا ایمانداری ہے پھر حضرت ہارون سورہ اعراف
کی اس آیت مین جو اوپر نقل کی گئی ہے صاف حضرت موسےٰ کو کہتے ہین کہ مجھے ان ظالمونکے ساتھ
مت ملا اور اس طرح پر اپنے اس فعل مین شامل ہونے کا صریح انکار کرتے ہین کوئی لفظ اس
آیت مین ایسا نہین جس سے ہارون کا گوسالہ پرستی مین شامل ہونا ثابت ہو بلکہ صاف صاف
الفاظ اس جرم مین اُنکی شمولیت کی تردید کرتے ہین اور ظاہر کرتے ہین کہ وہ گوسالہ پرستی کے برخلاف
وعظ کرتے رہے۔ اس سے پہلے حضرت آدم کے متعلق لکھتے ہوئے ہم یہ بھی بیان کر چکے ہین کہ شرک
جیسے سخت گناہ کو انبیا کی طرف منسوب کرنا قرآن شریف کے صریح اور صاف الفاظ کو رد کرنا
ہے اسلیئے اس مضمون پر دوبارہ بحث کرنے کی ضرورت نہین حضرت ہارون کی شرکت کا نتیجہ حضرت موسےٰ

کی اِس دُعا سے نکالنا کہ انھون نے کہا تھا رَبِّ اغْفِرْ لِی وَلِاَخِی سخت بیہودگی ہی۔ استغفار کے معنون پر پہلے بحث ہوچکی ہی اور استغفار کرنے سے یہ نتیجہ نہین نکلتا کہ جسکے لئے استغفار کیا گیا ہے وہ کوئی گناہ بھی کرچکا ہی۔ بلکہ استغفار کے معنے خدا کی حفاظت اور مدد کو طلب کرنیکے ہین علاوہ اسکے حضرت موسے کا اس دُعا مین اپنے آپکو اپنے بھائی کے ساتھ شامل کرنا اور یہ کہنا کہ اے خدا مجھے اور میرے بھائی کو مغفرت عطا کر اسبات پر شاہد ہی کہ وہ گناہونکی معافی سے دعا کرتے تھے کیونکہ اتنا تو ہر ایک کو ماننا پڑے گا کہ حضرت موسے کسی طرح سے اس گوسالہ پرستی مین شامل نہ تھے بلکہ اُسکا حال سُنکر آنکو سخت رنج پہونچا تھا۔ اِن کا استغفار جیسا اپنے لئے ہے ویسا ہی اپنے بھائی کے لئے ہے اور اس سے غرض صرف حفاظت الٰہی کا طلب کرنا ہی۔ کیا یہ ایک اور حیرت انگیز امر نہین کہ اگر استغفار کے معنے گناہونکی معافی کی درخواست کے سوا کچھ نہین تو استغفار کی ضرورت حضرت موسٰی اور ہارون کے لئے تو ہو جو گوسالہ پرستی مین شامل نہین ہوئے تھے اور اس ساری قوم کیلئے اُسکی ضرورت نہو۔ جو گوسالہ پرستی مین مبتلا ہوئی تھی +

حضرت ابراہیم پر جھوٹ کا الزام

پادری مانز وکہتا ہی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تین مرتبہ جھوٹ بولنے کے گناہ کے مرتکب ہوئے

مگر یہ پادری صاحب جھوٹ بول رہے ہین کیونکہ قرآن شریف مین کہین ذکر نہین کہ حضرت ابراہیم نے جھوٹ بولا۔ اس بیان کی تائید مین وہ قرآن شریف کو پیش نہین کرتا بلکہ حدیث کیطرف رجوع کرتا ہے ہم خیال نہین کرتے کہ اسکو یہ علم ہو کہ مسلمان حدیث کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہین۔ اُسکو معلوم ہونا چاہئے کہ کوئی اہل اسلام کے نزدیک معتبر نہین ہوسکتی جو قرآن شریف کے خلاف ہو۔ اب قرآن شریف تو حضرت ابراہیم کو صدیقاً نبیاً کا خطاب دیتا ہے یعنی نہایت ہی صادق نبی اسکے مقابلہ مین کسی حدیث کو کس طرح معتبر مان سکتے ہین جسمین ایسے صادق کیطرف کذب منسوب کیا گیا

ہو۔ کیونکہ حدیثون مین بہت سا موضوعات کا بھی مجموعہ ہی اور اسلیے کوئی حدیث قابل سند نہین جو قرآن کریم کے مخالف ہو۔ یہ کتنی صاف بات ہی کہ قرآن کریم جو خدا کا پاک کلام ہے جھوٹا نہین ہوسکتا لیکن حدیث کو صحیح مانکر اسکے راوی کو سچا اور حضرت ابراہیم کو جھوٹا ماننا پڑتا ہی حالانکہ حدیث کو جھوٹا مانکر صرف راوی کو جھوٹا ماننا پڑے گا۔ اب کون مسلمان ہی جو قرآن کریم کے الفاظ صِدِّيقًا نَبِيًّا کے باوجود بھی حضرت ابراہیم کو اسلیے جھوٹا مانیگا تا کہ حدیث کا ایک راوی سچا ثابت ہو حضرت ابراہیم کے استغفار سے یہ معنی نکالنا جیسا کہ بہت دفعہ ثابت کیا جاچکا ہی محض بیوقوفی ہی۔ علاوہ اسکے عیسائیون کو کوئی عذر تلاش کرنا پڑے گا جس سے حضرت عیسیٰ مومنین کی جماعت مین خارج ہوجائین کیونکہ حضرت ابراہیم نے اپنے لیئے ہی استغفار طلب نہین کیا بلکہ کل مومنین کی جماعت کے لیے جو دنیا مین ہوئے یا ہونے والے تھے ؛

اگرچہ ایسی ضرورت تو نہین مگر ہم یہان ان امور پر بھی غور کرتے ہین جنکی نسبت حضرت ابراہیم کیطرف کذب منسوب کیا جاتا ہی سب سے اوّل کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم نے یہ کہنے مین کہ اِنِّي سَقِيمٌ جھوٹ بولا ہم حیران ہین کہ اسمین کیا جھوٹ ہے کس معتبر ڈاکٹر نے حضرت ابراہیم کی اسوقت کیحالت کو دیکھکر یہ کہا تھا کہ حضرت ابراہیم اپنے آپکو بیمار کہنے مین سچے نہین ہین اگر کوئی آدمی کہے کہ مین بیمار ہون تو کون شخص اسمین شک کرسکتا ہی پھر حضرت ابراہیم پر کیون ان الفاظ کی بنا پر ایک جھوٹی تہمت لگائی جاتی ہی دوسرا موقعہ جسکے متعلق حضرت ابراہیم پر جھوٹ کی تہمت لگائی جاتی ہی حضرت ابراہیم کا یہ قول ہی بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَٰذَا اصل بات یہ تھی کہ بت پرستون نے حضرت ابراہیم کو پوچھا کہ تونے ہمارے بت توڑے ہین جسکو جواب مین آپنے یہ فرمایا۔ ان الفاظ کے مختلف معنی مفسرین نے کیئے ہین اور انمین سے ہر ایک حضرت ابراہیم کو جھوٹ کی تہمت سے بری ٹھیراتا ہی۔ علاوہ ازین یہ امر بھی قابل غور ہی کہ فَعَلَهُ کے بعد وقفہ ہی۔ اسلیئے اس فعل کا فاعل اسی

مین مقدر ماننا پڑے گا اور معنی یہ کرینگے کہ کیا جسنے کیا اور کَبِیرُھُمْ ھٰذَا الگ جملہ ہوگا کہ یہ انمین کا بڑا موجود ہے۔ چونکہ فعل اور فاعل کو درمیان اس طرح پر وقفہ نہین آیا کرتا اسلیئے یہ معنی نہایت صحیح اور اقرب الی الفہم ہین۔ اگر کَبِیرُھُمْ کو فَعَلَهٗ کا فاعل بھی مان لیا جاوے تو تب بھی حرج لازم نہین آتا کیونکہ اس سے حضرت ابراہیم کا منشا کسی امر کو چھپانے کا نہ تھا بلکہ صرف بت پرستونکو انکی بیوقوفی کیطرف توجہ دلانے کا تھا۔ کہ ایک طرف تو وہ اسبات کو مانتے تھے کہ انکے بتون مین وہ طاقتین ہین جن سے زمین و آسمان کی کاروبار چل رہے ہین اور دوسری طرف سب سے بڑے بت مین اسقدر طاقت بھی تسلیم نکر سکتے تھے کہ وہ چھوٹون کو توڑ سکے اگر اسکو جھوٹ کہا جاوے تو اسکی غرض صرف اپنے قصور کا اخفا ہوسکتی تھی۔ لیکن حضرت ابراہیم نے کبھی اپنے اس فعل کو چھپانا نہین چاہا بلکہ وہ عام مجلس مین تمام مشرکین کو مخاطب کرکے علانیہ کہہ چکے تھے تَاللّٰهِ لَاَكِيدَنَّ اَصْنَامَكُمْ کہ خدا کی قسم مین ان تمہارے بتون سے جنگ کرونگا جس سے صاف انکا منشا یہ تھا کہ مین انکو توڑ ڈالونگا۔ انکے اسی علانیہ اظہار کیوجہ سے بت پرستونکو پتہ بھی لگ گیا تھا کہ انکا توڑنے والا سوائے ابراہیم کے اور کوئی نہین پھر اخفا کے کیا معنے ہوسکتے ہین تیسرا موقعہ جسکی نسبت اس صادق پر جھوٹ کی تہمت لگائی جاتی ہی اسکا ذکر قرآن شریف مین نہین یہ حضرت ابراہیم کے اس بیان کے متعلق ہی کہ سائرہ میری بہین ہے جسکا ذکر کتاب پیدایش مین ہی۔ مگر اسی کتاب کے باب ۲۰ آیت ۱۲ مین صاف لکھا ہی کہ وہ "یعنی سائرہ میری بہین بھی ہی کیونکہ وہ میری مان کی لڑکی تو نہین مگر باپ کی لڑکی ہے" پھر اسکو بہین کہنے مین جھوٹ ہی کیا ہوسکتا ہی +

اس سے معلوم ہوگا کہ حضرت ابراہیم تو کبھی جھوٹ کے مرتکب نہین ہوئے اور قرآن کریم ایسے عقیدہ کو رد کرتا ہی لیکن جب ہم انجیلونکو پڑھتے ہین تو انمین کئی موقعہ پر یسوع کے جھوٹ بولنے کا ذکر ہے اب مشکل یہ ہی کہ اناجیل کو سچی تسلیم کیا جاوے تو یسوع کو جھوٹا ماننا پڑتا ہے لیکن اگر یسوع کو

سچا مانا جائے تو انجیلونکو جھوٹا ماننا پڑتا ہی۔ شاید پادری مانرو صاحب اس مشکل کو دور کر سکین اور اُمید ہے کہ وہ ضرور اس معاملہ پر کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کرینگے۔ مثلاً متی ۲۳/۴۳ مین یسوع چور کو کہتا ہی کہ "آج تو میرے ساتھ بہشت مین ہوگا" لیکن اسے علم تھا کہ وہ خود دوزخ کو جائے گا اور چور کو اپنے ساتھ بہشت مین لیجانا محض جھوٹ تھا یوحنا ۲۰/۱۷ مین قبر سے نکلنے کے بعد مسیح کہتا ہی کہ مین ابھی اپنے باپ پاس نہین چڑھا ہون اور عیسائی اعتقاد کے مطابق وہ چالیس روز تک دوزخ مین رہا یا زمین پر رہا بہشت مین نہین گیا۔ ایک اور مثال جسمین یا یسوع کو جھوٹا ماننا پڑتا ہی یا انجیلونکو متی ۱۶/۲۸ مین درج ہی جہان لکھا ہی کہ انمین سے جو یہان کھڑے ہین بعض موت کا مزہ نہ چکھین گے یہانتک کہ وہ ابن آدم کو اپنی سلطنت مین آتے نہ دیکھ لین" اب تمام دنیا مانتی ہی کہ یہ جھوٹ ہے اور پادریون کا اختیار ہے کہ جسکی طرف چاہین اس جھوٹ کو منسوب کرین انہین جلدی جواب دینے کی ضرورت نہین کیونکہ سخت زد یا یسوع پر واقع ہوتی ہی یا انجیلونپر۔ اسلیئے پادری صاحبان غور کے بعد جواب دین۔ پھر ایک موقعہ پر یسوع نے اپنے حواریونکو یہ کہا کہ وہ باران کے باران ہی باران تختونپر بیٹھینگے اور انھین باران مین یہودا اسکریوطی بھی شامل تھا۔ اب انجیلون سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ یسوع کو یہ علم بھی تھا کہ یہودا اسکو پکڑوا کر لعنتی اور شیطان کا فرزند ہو جائیگا اسلیئے ایسے آدمی کو تخت کا وعدہ دینا جھوٹ تھا جو یسوع نے بولا۔ اور بھی کئی مثالیں پیش کیجا سکتی ہین۔ لیکن پہلی انکے متعلق پادری مانرو کے جواب سنکر پھر ہم اور پیش کرینگے ہم اُمید کرتے ہین کہ پادری صاحب انکے جواب مین تساہل سے کام نہ لینگے +

حضرت داؤد پر تہمت

پادریون نے حضرت داؤد علیہ السلام پر زنا کی تہمت لگائی ہی انکی اصلیت بائبل کے جھوٹے قصون مین ہو تو ہو لیکن قرآن کا ایک لفظ بھی اس بے بنیاد الزام کی تائید

ہنین کرتا بلکہ صاف الفاظ مین اس جھوٹ کی تردید کرتا ہی اور محقق مفسرین اور محدثین بھی اسی نتیجہ
پر پہنچے ہین کہ یہ محض جھوٹ ہے چنانچہ فخرالدین رازی جو مفسرین مین سب سے بڑھ کر مانے گئے ہین
تفسیر کبیر مین اس قصہ کے متعلق لکھتے ہین کہ مفسرین مین سے اکثر محققین نے اس قصہ کو مردود
ٹھیرایا ہے اور اس پر کذب اور فساد کا حکم لگایا ہے " حضرت علی کو جب یہ معلوم ہوا کہ ایسا
جھوٹا الزام خدا کے ایک پاک نبی پر لگایا جاتا ہی تو اُنھون نے خطبہ مین یہ فرمایا من حدثکم
بحدیث داود علی ما یرویہ القصاص جلدۃ مائۃ وستین وھو حد الفریۃ علی
الانبیاء یعنی جو شخص حضرت داود کا قصہ اس طرح بیان کریگا جس طرح قصہ گو لوگ بیان کرتے ہین
(یعنی انپر زنا کی تہمت لگائے گا) مین اس کو ایک سو ساٹھ کوڑے لگاؤن گا اور یہ انبیا پر جھوٹی تہمت
کی حد ہی۔ یہان حضرت علی نے نہ صرف اس قصہ کو جھوٹا ٹھیرایا ہے بلکہ اسکی حد عام مومنین پر تہمت
کی حد سے دوگنی کردی ہی چنانچہ خطبہ مین آپنے یہی بیان فرمایا کہ جب عام مومن پر تہمت کی حد اسّی
کوڑے ہی تو کوئی وجہ ہنین کہ نبی پر تہمت کیلئے دوگنی سزا نہ دیجاوے۔ حضرت علیؓ کے اس خطبہ سے یہ بھی معلوم
ہوتا ہے کہ اس قسم کے قصے مسلمان محققین کے ذریعے اسلام مین ہنین آئے بلکہ جھوٹے قصہ گو ہی اسکے
اصل مشتہر کرنے والے تھے۔ اس لئے جو الزام حضرت داود پر لگایا جاتا ہے اسکی تردید کافی طور پر حضرت
علی کے اس خطبہ اور مسلمان محقق مفسرین کی رائے سے ہی ہو جاتی ہی لیکن اسکے جھوٹ کو اور بھی واضح
کرنے کیلئے ہم قرآن کریم کے اصل الفاظ پر بحث کرینگے اور دکھائینگے کہ یہ قصہ گھڑنے مین کہانتک جھوٹ
سے کام لیا گیا ہی جن آیات کی بنا پر اعتراض کیا جاتا ہی وہ سورہ ص مین آئی ہین۔ اس قصہ
کو سمجھنے کیلئے سب سے پہلے یہ ضروری ہی کہ اسکے اول و آخر پر غور کیا جاوے۔ چنانچہ آغاز مین اور آخر
پر حضرت داود کی بہت ہی تعریف کی گئی ہی اور یہ خیال کرنا کہ ایسے تعریف کے الفاظ کے درمیان
کسی ایسے سخت جرم کا ذکر ہی جسکے متعلق تہمت لگائی گئی ہی پرلے درجہ کی حماقت ہی چنانچہ شروع

مین پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے اللہ تعالےٰ فرماتا ہی۔ اصبر علی ما یقولون واذکر عبدنا داؤد ذا الاید انہ اواب وشددنا ملکہ واتیناہ الحکمۃ وفصل الخطاب "اُن اذیتوں پر جو کفار کیطرف سے تجھے پہونچ رہی ہین) صبر کرو اور ہمارے بندہ داؤد کو یاد کرو جسکو ہمنے طاقت دی ہوئی تھی کیونکہ وہ ہماری طرف رجوع کرنے والا تھا اور ہمنے اُسکے ملک کو مضبوط کیا اور اسکو حکمت اور فصل خطاب عطا فرمایا"۔ اس جگہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت ہی کہ جس طرح حضرت داؤد دکھون اور تکلیفون پر صبر کرتے رہے اسی طرح آپ بھی صبر کرتے رہین۔ اس سورہ کا مکی ہونا اس امر پر شاہد ہے کہ یہ زمانہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر بڑے بڑے مصائب کا زمانہ تھا اور کفار کیطرف سے آپکو اسوقت طرح طرح کے دکھ اور تکلیفین پہونچ رہی تھین ان تکالیف کیوقت آنحضرت کو حکم ہوتا ہی کہ اُسی طرح صبر سے انکی برداشت کرو جس طرح حضرت داؤد نے صبر سے مصائب کی برداشت کی +

ہم اسبات پر زور نہین دیتے کہ پادری صاحبان ضرور پہلے رائی کے دانہ کے برابر ایمان حاصل کرین تو ہی انکی سمجھ مین یہ بات آسکے گی۔ کیونکہ انجیل کی شہادت سے معلوم ہوتا ہی کہ رائی کے دانہ کے برابر ایمان ان مین بالکل نہین لیکن اگر انکے دماغ مین رائی کے دانہ کے برابر عقل ہو تو اسبات کا سمجھنا انکے لیے چندان مشکل نہوگا کہ اگر نعوذ باللہ حضرت داؤد کے کسی فسق کا ذکر آیت مذکور مین ہی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کس بات مین انکی پیروی کرنے کیلئے حکم دیا گیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تو یہ فرماتے ہین کہ زانی زنا نہین کرتا در آنحالیکہ وہ مومن ہو اور نیز یہ کہ جو شخص کسی مسلمان کا ناحق خون کرنے مین کچھ بھی حصہ لیگا وہ قیامت کے دن خدا تعالےٰ کے سامنے اس حالت مین حاضر ہوگا کہ اُسکی پیشانی پر خدا کی رحمت سے ناامید لکھا ہوا ہوگا۔ اور خدا تعالےٰ آپکو اس شخص کی پیروی کا حکم دیتا ہی جسکے متعلق ساتھ ہی یہ ذکر ہے کہ اس نے نعوذ باللہ زنا کیا اور ایک مومن کو اُسکی عورت چھیننے کے لئے ناحق قتل کرایا پھر علاوہ ازین آنحضرت کے سامنے کس طرح وہ شخص صبر کیلئے نمونہ پیش کیا جا سکتا ہی جو اپنی شہوانی خواہشات کو بھی نہین روک سکتا

ایسے شخص سے صبر کی اُمید کیا ہو سکتی ہی پھر ایک اور امر قابل غور ہے کہ حضرت داؤد کو اللہ تعالے ان
الفاظ مین یاد فرماتا ہے کہ وہ ہمارا خاص بندہ ہی اور اسکو **عبدنا** کے عزت کے خطاب سے پکارتا ہے
گویا اس لفظ مین حضرت داؤد کی کمال عبودیت کا اظہار فرماتا ہی اور اس پاک اور خالص تعلق کو ظاہر
کرتا ہی جو حضرت داؤد کو جناب الہی سے حاصل ہی ایسی تعریف کے ذکر کے ساتھ زنا اور قتل جیسے قبیح جرائم
کا ذکر ایک احمقانہ خیال ہی خدا کا پاک کلام ایسی بیہودگیون سے پاک ہی سورہ فرقان مین اللہ تعالے عباد
الرحمٰن کی صفات بیان فرماتا ہے اور دوسری صفات کے ساتھ یہ بھی بیان فرماتا ہے کہ وہ زنا نہین
کرتے اور نہ ناحق خون ہی کرتے ہین۔ پھر غور کرو کہ حضرت داؤد کو خدا تعالے **ذوالاید** بیان فرماتا
ہے یعنے صاحب طاقت۔ طاقت سے مراد صرف جسمانی یا دنیوی طاقت ہی نہین۔ کیونکہ حضرت داؤد کی
دنیوی طاقت کو آگے الگ ان الفاظ مین بھی بیان فرمایا ہی **و شددنا ملکہ** یعنے ہم نے اُس کی
سلطنت کو مضبوط کیا اور علاوہ ازین دنیوی طاقت مومنین کے ساتھ مخصوص نہین بلکہ کفار کو بھی
دیجاتی ہی۔ اسلیئے اس جگہ صاحب طاقت بیان کرنے سے بالخصوص انکی روحانی طاقت کا ذکر مقصود ہی۔
یعنے وہ طاقت جو انسان کو بدی کی کشش کے مقابلہ کیلئے دیجاتی ہی اور یہی وہ روحانی طاقت ہے
جسکی وجہ سے حضرت داؤد کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے صبر کا نمونہ بیان فرمایا اس سے یہ صاف
معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف کے مطابق حضرت داؤد کو اللہ تعالے کیطرف سے یہ طاقت دیگئی تھی کہ وہ
اسکے احکام کے مطابق چلین اور اسکی راہ سے باہر ایک قدم بھی نہ رکھین انہین معنون کی تائید لفظ اواب
سے بھی ہوتی ہی جو ساتھ ہی واقع ہوا ہے کیونکہ **اوّاب** مبالغہ کا صیغہ ہی یعنی بہت ہی خدا کیطرف
رجوع کرنیوالا۔ اسی لیئے جہان ایک طرف اللہ تعالے نے یہ بیان فرمایا کہ حضرت داؤد کو عظیم الشان
روحانی طاقت دیگئی تھی۔ ساتھ ہی یہ بھی بیان فرماتا ہی کہ وہ ہمیشہ خدا کیطرف رجوع کرنیوالے تھے یعنی
ہر معاملہ مین خدا کی فرمانبرداری کو اختیار کرتے تھے ایسے آدمی کیطرف زنا اور قتل کو منسوب کرنا اور پھر یہ کہنا

کہ یہ قصہ مذکور بھی اسی آیت مین ہی جسمین اسکی یہ تعریف کیگئی ہی پہلے درجہ کی ہیوگی ظہور تو کیا ہی پھر اللہ تعالےٰ یہ بھی بیان فرماتا ہی کہ ہمنے حضرت داؤد کو حکمت عطا فرمائی تھی اور خود ہی قرآن شریف مین حکمت کے معنے بیان فرماتا ہی کہ ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔ یعنی جسکو حکمت دیجاوے اسکو خیر کثیر دیا جاتا ہے +.

یہ اعلےٰ درجہ کے اوصاف اس شخص کے بیان کیئے گیے ہین جس کے متعلق پادری صاحبان یہ کہتے ہین کہ اس سے اگلی آیت مین اسکے سیاہ کبائر کا ذکر ہی قبل اس کے جو ہم ان آیات کے الفاظ پر غور کرین جنکی بنا پر یہ بہتان حضرت داؤد پر باندھا جاتا ہی ہم یہ بھی دیکھنا چاہتے ہین کہ ان آیات کے بعد اللہ تعالےٰ حضرت داؤد کا ذکر کن الفاظ مین کرتا ہی۔ قصہ کو ختم کرنے کے بعد سب سے پہلے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ان لہ عندنا لزلفیٰ وحسن مآب "اور داؤد کو ہمارے حضور قرب حاصل تھا اور اچھا رجوع کرنا"۔ اب کیونکر ممکن ہی کہ ایکطرف تو ابھی ایک شخص کے زنا اور خونریزی کا قصہ ختم نہین ہوا اور دوسری طرف اسکی تعریف ان الفاظ مین ہو جاوے کہ اسکو جناب الٰہی مین بڑا قرب حاصل تھا۔ قصہ کے عین اختتام پر ان الفاظ کا آنا صاف بتاتا ہی کہ قصہ مین کوئی ایسا ہی امر مذکور ہے جس سے حضرت داؤد کی استقامت اور اسکا قرب بارگاہ الٰہی مین ثابت ہوتا ہی۔ ورنہ کوئی اور نظیر بھی قرآن شریف مین ہونی چاہیئے کہ جہان فاسقون کے کبائر کا ذکر کرتے ہوئے خدا تعالےٰ نے یہ بھی فرمایا ہو کہ انکو ہماری جناب مین قرب حاصل تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ دونون خیال ایکدوسرے کے متضاد ہین اور ایک کے ساتھ دوسرا جمع ہی نہین ہو سکتا پھر قرآن شریف جیسی فصیح بلیغ کتاب کیطرف ایسے متضاد خیالات کو منسوب کرنا پادریوں کی آپ ہی ہے۔ جو شخص زنا جیسے شیطانی فعل کا مرتکب ہو کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ اسکو خدا کے حضور قرب حاصل ہی ایسے فعل سے وہ شیطان کیطرف پھرتا اور شیطان کے نزدیک ہوتا اور خدا تعالےٰ سے دور ہوتا ہے اور پھر اور بھی تعجب کی بات یہ ہی کہ اسکے بعد ہی خدا تعالےٰ حضرت داؤد کو کہتا ہے کہ اے داؤد ہم

تجھے زمین پر اپنا خلیفہ بناتے ہین۔ اگر نعوذ باللہ حضرت داؤد پر یہ تہمت سچی ہو تو یہ خوب بدلہ ہے۔ کہ ادہر تو
ایک شخص نفسانی خواہشونکے تابع تمام انسانی حقوق سے اندھا ہو کر زنا اور خون ناحق کا مرتکب ہوتا
ہے اور ادہر اسے خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ لو اب ہم تمہین اپنا خلیفہ بنا کر انسانی حقوق کا محافظ ٹھہراتے
ہین کیا خدائے تعالےٰ کو حضرت داؤدؑ کا یہ فعل بہت ہی پسند آیا تھا یا اسکے سوائے زمین پر اور کوئی خلافت
کے قابل ہی معلوم نہوا۔ اس قسم کی بیہودگیون سے معترضین کو شرم کرنی چاہئے۔ اگر ایک عیسائی کے اندر
بھی یہ سچی خواہش ہو کہ وہ سچائی کو معلوم کرے اور اسی کو اختیار کرے تو اس قدر مضبوط دلائل موجود ہین
کہ جن سے انکار کی گنجایش ہی نہین لیکن ان لوگونکے مد نظر صرف دنیا ہی دنیا ہے اور اس سچے
اور زندہ خدا کو چھوڑ کر جھوٹ سے پیار کرتے ہین ہم نے صفائی سے ثابت کر دیا ہے کہ جس آیت کی
بنا پر حضرت داؤدؑ پر جھوٹا الزام لگایا جاتا ہے اس سے پہلی اور پچھلی آیات اس قصہ کی سخت تردید کرتی
اور اسکو جھوٹا ٹھہراتی ہین اب اصل الفاظ پر غور کرنا باقی ہے۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَهَلْ أَتٰكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۝ إِذْ
دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ
فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلٰى سَوَاءِ الصِّرَاطِ ۝ إِنَّ هٰذَا أَخِيْ
لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ
فِي الْخِطَابِ ۝ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلٰى نِعَاجِهٖ وَإِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ
الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ إِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ وَظَنَّ دَاوٗدُ أَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّأَنَابَ
فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ وَإِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝ يٰدَاوٗدُ إِنَّا جَعَلْنٰكَ
خَلِيْفَةً فِي الْأَرْضِ۔ ترجمہ۔ اور کیا پہونچی ہے تیرے پاس (داؤد کے) دشمنونکی خبر جب وہ

دیوار پھاند کر عبادت خانے مین آگئے جب وہ داؤد کے پاس آئے تو وہ ان سے ڈر گیا وہ کہنے لگے مت ڈر ہم تو صرف دو فریق مقدمہ ہین اور ہم مین سے بعض نے بعض پر زیادتی کی ہے سو ہم مین انصاف کا فیصلہ کر دے اور بات کو دور نہ ڈال اور ہم کو سیدھی راہ (اس معاملہ مین) بتا دے۔ (پھر ایک بولا) یہ میرا بھائی ہے اسکے پاس ننانوے دنبیان ہین اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے پھر بھی یہ کہتا ہے کہ وہ ایک بھی میرے ہی حوالے کر دے اور اسبات کیلئے مجھسے زبردستی کرتا ہے۔ حضرت داؤد نے کہا کہ اس طرح پر تیری دنبی کو بھی اپنی دنبیون مین ملا لینے کے واسطے مانگنے مین یہ ناانصافی کرتا ہے اور حق بات یہ کہ اکثر شریک ایکدوسرے پر زیادتی کرتے ہین سوائے ان لوگون کے کہ ایمان لائے اور نیک عمل کئے مگر ایسے لوگ بہت تھوڑے ہین اور داؤد نے سمجھ لیا کہ ہمنے اسکو فتنہ مین ڈالا ہے سو اس نے خدا کی حفاظت طلب کی اور خدا کے آگے جھک کر گر گیا اور خدا کیطرف رجوع کیا۔ سو ہم نے اسکو حفاظت دی اور اسکے لئے ہمارے حضور مین قرب ہے۔ اور اچھا ٹھکانا اے داؤد ہم تجھکو اس ملک مین خلیفہ بناتے ہین۔" اب اس سارے قصے مین ایک لفظ بھی ایسا نہین جس سے صراحتاً یا کنایتہً یہ نتیجہ نکل سکے کہ حضرت داؤد نے نعوذ باللہ اوریا کو قتل کیا اور اس کی جورو سے زنا کیا۔ کسقدر افسوس کی بات ہے کہ کفارہ کی من گھڑت کو قائم رکھنے کیلئے عیسائی لوگ اپنے خداوند کے دادا کی بے ادبی سے بھی باز نہین آتے۔ یہ ایک جھوٹے عقیدے کے گندے لوازم ہین۔ قرآن شریف کے الفاظ کا...... لفظی ترجمہ جو اوپر دیا گیا ہے پادریون کو جو خدا کے ایک پاک نبی پر کمینہ تہمتین لگاتے ہین جھوٹے ٹھیراتا ہے۔ قرآن شریف جس قصہ کو بیان کرتا ہے وہ صرف اسقدر ہے کہ حضرت داؤد کے دشمن کسی بد ارادہ کیساتھ دیوارین پھاند کر آگئے تھے لیکن حضرت داؤد کو جاگتا پا کر وہ اپنے بد ارادہ کو تو پورا نکر سکے اور اپنی بچاؤ کیلئے یہ بہانہ پیش کر دیا کہ ہم ایک مقدمہ لیکر آئے ہین جسکا فیصلہ آپ اسیوقت کر دین حضرت داؤد نے جب دیکھا کہ اسکے دشمن اس طرح اسکی ہلاکت کے درپے ہین تو آپنے سمجھ لیا کہ سوائے حفاظت الہی کے دوسری طرح انکے ہاتھ سے بچنا مشکل ہے اور اسی لئے

خدا سے دعا کی کہ تو ہی میری حفاظت کر۔ اور چونکہ وہ خدا کے نزدیک بڑے مقرب اور بہت اسکی طرف رجوع کرنے والے تھے اسلیئے اللہ تعالےٰ نے اِنکی دُعا کو قبول کیا اور تمام خطرات کو دور کر دیا اور اِس ملک مین اُنھین خلیفہ بنا دیا۔ محقق مفسرین نے اِسی روایت کو صحیح تسلیم کیا ہی چنانچہ امام رازی تفسیر کبیر مین اس آیت کے نیچے لکھتے ہین۔ "یہ بیان کیا گیا ہی کہ حضرت داؤد کے دشمنونکی ایک جماعت آپکے قتل کے درپے تھی اور آپنے تنہائی مین عبادت کیلئے ایکدن علیحدہ کیا ہوا تھا۔ دشمنون نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا اور ایک شرارت کا منصوبہ پورا کرنیکے لیئے دیوارین پھاند کر عین اُسجگہ پر پہونچ گئے جہان حضرت داؤد تنہا تھے لیکن وہان پہونچنے پر اُنھون نے پہرے والونکو موجود پایا اور اِس لئی اس خوف سی کہ وہ گرفتار کر لیئے جاوینگے ایک جھوٹ بنا کر حضرت داؤد کے سامنے پیش کر دیا۔" آیت کا سیاق و سباق اور دوسرے تمام واقعات انھین معنونکی سچائی پر دلالت کرتے ہین۔ یہ قصہ کہ جو لوگ دیوار پھاند کر آئے تھے وہ حضرت داؤد کے دشمن نہین تھے بلکہ فرشتے تھے جو حضرت داؤد کو اوریا کی جورو کے معاملہ مین تنبیہ کرنے آئے تھے۔ قران شریف کے الفاظ کو مدِنظر رکھکر صحیح تسلیم نہین کیا جا سکتا۔ ایک لفظ بھی ایسا نہین جس سی معلوم ہو سکے کہ وہ فرشتے تھے۔ برعکس اِسکے اُن کا دیوار پھاند کر آنا اور دروازہ مین سے گذر کر نہ آنا یا کسی اور خارق عادت طریق سے ظاہر ہونا یقینی طور سی اس نتیجہ پر پہونچاتا ہی کہ نہ تو وہ درحقیقت فریق مقدمہ تھے جیسا اُنھون نے بیان کیا اور نہ فرشتے تھے۔ بلکہ داؤد کو قتل کرنیکا منصوبہ کر کے آئے تھے اور یہ سمجھکر کہ اسوقت وہ اکیلا اپنی عبادت گاہ مین ہوگا۔ دیوار پھاند کر اندر آ گئے کیونکہ سیدھے راستے سی آتے تو انھین باہر کے دروازہ پہرے والے انکو روک دیتے۔ علاوہ ازین اگر وہ فرشتے ہوتے تو وہ جھوٹ نہ بولتے اور یہ نہ کہتے کہ ہم دو فریق مقدمہ ہین اگر حضرت داؤد واقعی کسی گناہ کے مرتکب ہوئے تھے تو کیا خدا کسی اور طریق سی انکو اس کا احساس دلا سکتا تھا اور کیا حضرت داؤد کا اپنا احساس گنہ کا اسقدر جاتا رہا تھا۔ اور

وہ ایسا سخت دل ہو گیا تھا کہ ایسے قبیح جرایم کا مرتکب ہو کر جیسے کہ زنا اور قتل ہین پھر بھی پتہ نہ لگا کہ مینے خدا کی مرضی کے خلاف کوئی کام کیا ہی اور جبتک دو فرشتے جھوٹ نہ بولتے اسکو پتہ ہی نہ لگ سکتا تھا۔ کہ مینے کوئی گناہ کیا ہی۔ اِس لئے ایسا خیال کرنے سے نہین صرف خدا کے ایک پاک نبی پر ہی جھوٹی تہمت نہین لگائی جاتی۔ بلکہ اللہ تعالے کے فرشتون کو بھی جھوٹے ماننا پڑتا ہی۔ علاوہ ازین اگر حضرت داؤد واقعی ایسے گناہ کے مرتکب ہوئے ہوتے جس سے وہ خدائی اور انسانی حقوق کو توڑ چکے تھے تو فیصلہ دیتے وقت یہ الفاظ انکے منہ سے کیونکر نکل سکتے تھے کہ بہت سارے شریک ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہین۔ سوائے ان لوگونکے جو ایمان لائے اور جو عمل نیک کرتے ہین۔ بظاہر وہ اپنے آپ کو مومن اور عمل صالح کرنیوالے سمجھتے ہین اور اِس لئے وہ ان لوگون مین سے نہین ہو سکتے جو اپنے قریبیون پر یا ہمسایون پر یا دوسرے لوگون پر کسی قسم کا ظلم روا رکھتے ہون۔ اب جب حضرت داؤد اپنے آپ کو اِن لوگون مین سے بھی نہین سمجھتے جو دوسرون پر چھوٹے سے چھوٹا ظلم بھی کر سکین۔ تو یہ کسقدر بیہودگی ہے کہ یہ کہا جائے کہ وہ خود نہ صرف مال پر ہی ظلم کر چکے تھے بلکہ پاکدامنی پر اور جان پر بھی حملہ کر چکے تھے کیا کوئی شخص ایسی جرأت کر سکتا ہی کہ دوسرے کو تو اتنے ظلم پر بھی سخت تنبیہ کرے کہ اُسنے کسی کی بکری کیون لی اور خود ایک آدمی کو جان سے مار کر اسکی عورت کو چھین لے۔ اگر واقعی حضرت داؤد ایسا کر چکے ہوتے تو بجائے اسکے کہ اپنے آپکو اِن لوگون سے مستثنے کرتے جو لوگون کے حقوق چھین لیتے ہین انکو چاہیے تھا کہ اپنے آپ کو ایسے ظالمون مین سے سب سے بڑھ کر سمجھتے۔ علاوہ ازین اللہ تعالے کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرمانا کہ دشمن جو دکھ دیتے ہین انپر اسی طرح صبر کرو جس طرح داؤد نے اپنے دشمنونکی تکلیفون پر صبر کیا بیمعنے ہو جاتا ہی۔ اگر بجائے صبر کے حضرت داؤد کے کامون مین سے نمونہ وہ پیش کیا جاوے جو ایک سخت گناہ ہی۔ صبر کا نمونہ اسی صورت مین ہو سکتا ہی کہ وہ معنے لئے جاوین جو اوپر بیان کئے گئے ہین کیونکہ اس صورتمین حضرت داؤد اپنے ان دشمنونکو بھی معاف کرتے ہین جو قتل

کا منصوبہ کرکے اچانک اِنپر آن پڑے تھے۔ باوجود صاحب طاقت اور ملک ہونے کے آپنے اِن سے وہ سلوک
نکیا جس کے وہ مستحق تھے بلکہ انکو معاف کیا اور خود جناب الہی سے پناہ مانگی۔ وہ چاہتے تو انکو مار ڈالتے
لیکن اُنھون نے اپنی طاقت پر بھروسہ نکرکے جناب الہی سے حفاظت طلب کی کیونکہ سچی حفاظت
وہی ہے جو خدا کیطرف سے ملتی ہے یہ فقرات کہ ظن داؤد انما فتنہ اور فاستغفر ربہٗ
کسی سمجھدار آدمی کو اس نتیجہ پر نہین پہونچا سکتے کہ حضرت داؤد کسی گناہ کے مرتکب ہوئے تھے
جیسا ان پر الزام لگایا جاتا ہے۔ پہلے فقرہ کا مطلب صرف یہ ہے کہ حضرت داؤد سمجھ گئے کہ اِن کی
زندگی بڑے خطرے کی حالتمین پڑ گئی تھی۔ اور دوسرے کے معنے یہ ہین کہ اُنھون نے اپنے رب سے
حفاظت طلب کی ✦

حضرت داؤد کے متعلق یہ جھوٹی کہانیان کیونکر مشہور ہوگئین اسکے متعلق چند الفاظ
کافی ہونگے۔ وہ طاقت اور سلطنت جو حضرت داؤد اور سلیمانؑ کو حاصل تھی سلیمان کے بیٹے کے
نیچے اس مین سخت ضعف آگیا۔ جو یہودی اِس کی حکومت سے آزاد ہوگئے انکے دلونمین پہلے اسکے متعلق
اور پھر حضرت سلیمان اور داؤد کے متعلق نفرت بڑھتی گئی۔ مرور زمانہ سے یہ نفرت دل مین جمتی
گئی اور زیادہ مضبوط ہوتی گئی اور اسلیئے جھوٹے قصے انکی نسبت مشہور ہونے شروع ہوگئے۔ اور
بالآخر ایسے ایسے قصے مشہور کئے گئے جو اُنکی نبوت کے منافی تھے چنانچہ حضرت سلیمان پر کفر اور بُت
پرستی کا الزام لگایا گیا اور اسلیئے قرآن شریف کو اِس الزام کی تردید کیلیئے یہ ضرورت پڑی کہ بیان
کرے کہ سلیمان نے کفر نہین کیا ورنہ اسبات کے کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ وما کفر سلیمان
حضرت مسیح کے متعلق بھی ایک الزام کی ہی تردید کیلیئے قرآن شریف کو یہ کہنا پڑا کہ اِنکی روح
شیطانی نہین بلکہ خدا کیطرف سے ہے کیونکہ حضرت مسیح اور اُنکی والدہ پر بھی یہود نے بڑے ناپاک
الزام لگائے تھے ایسے ہی جیسے کہ آجکل کے عیسائی دوسرے انبیاء پر لگاتے ہین۔ اسلیئے اللہ تعالے نے

اِن الزامات کی تردید کی۔ اور جیسا کہ سلیمان کے متعلق کہا کہ وہ کافر نہیں تھا اسی طرح پر مسیح
کے متعلق فرمایا کہ اِکی روح شیطانی نہین بلکہ خدا کیطرف سے ہی۔ ہر دو نبیوں کی صورتمین اس قسم کے بیان کی
ضرورت نہ پڑتی اگر دشمنوں کے اِن ناپاک حملوں کا جواب مقصود نہوتا کیونکہ جب سلیمان کے متعلق کفر کی
نفی کی تو اُس سی یہ نتیجہ نہین نکلتا کہ باقی نبیوں نے کفر کیا تھا۔ ایسا ہی جب مسیح کے متعلق یہ کہا
کہ اِسکی روح خدا کیطرف سے ہے تو یہ نہین سمجھے۔ بلکہ دونوں صورتوں مین رد الزام مقصود ہے غرض حضرت داؤد
اور سلیمان کے متعلق ایسی ایسی جھوٹی کہانیان شائع ہونی شروع ہوگئین۔ اور آخر کار قومی اعتقاد کا
جزو ہوگئین۔ جب اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو یہودی بھی بکثرت اسلام
مین داخل ہوے اور جسطرح یہ کہانیان اُنمین علی العموم مشہور تھین اسی طرح بعد اسلام کے بھی چلی آئین
ان قصوں کے زیادہ اسلام مین پھیل جانے پر حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو یہ ضرورت پڑی کہ وہ صاف
طور پر اس امر کا اعلان کردین کہ جو شخص حضرت داؤد کی نسبت ایسا جھوٹا قصہ بیان کریگا اُسپر جھوٹی
تہمت کی دوگنی حد لگائی جاوے گی لیکن جون جون یہودی اسلام مین زیادہ داخل ہوتے گئے اور مرور
زمانہ کے سبب سے اسلام کے پاک اصولوں پر اِس مضبوطی سی قیام نہ رہا جیسا کہ ابتدائی زمانہ اسلام
مین تھا۔ یہ قصے بھی زیادہ وقعت کی نظر سے دیکھے جانے لگے۔ یہانتک کہ کسی مفسر نے بے احتیاطی سی
اُنکو تفسیروں مین بھی داخل کردیا۔ لیکن ہم ثابت کرچکے ہین کہ قرآن کریم کے الفاظ ان کا سیاق و سباق۔
محقق مفسرین کی رائے اور حضرت علی کا اعلان حضرت داؤد کے متعلق اِس الزام کو سیاہ جھوٹ
ٹھیراتے ہین +

یہ تو حضرت داؤد کا قصہ ہی لیکن انجیلوں مین حضرت مسیح کے متعلق ایک فاحشہ عورت کا
قصہ بیان کیا گیا ہی۔ اور ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہین کہ پادری صاحبان انجیل کے حرف حرف کو سچا اور
الہامی مانکر حضرت مسیح کی عصمت کو کیونکر ثابت کرسکتے ہین۔ حضرت مسیح نے ایک کنجری سی تیل ملوایا

اور تیل بھی وہ جو انکی زنا کی کمائی کا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ باوجود شباب کے اور بن بیاہا ہونیکے یسوع ایسی عورتونکے ساتھ کھلے طور سے ملتا جلتا تھا جنکا چال چلن نہ صرف مشتبہ تھا بلکہ جو شہرت یافتہ بدکار عورتین تھین اور اُسکا تعلق اِس قسم کا تھا کہ وہ ایک موقع پر اُن بدکار عورتون کی تعریف بھی کرتا ہی دیکھو لوقا ۷ باب ۳۸ اور متی ۲۱ باب ۳۱۔ اگر اس قسم کا کوئی واقعہ حضرت داؤد کے متعلق یا دوسرے کسی نبی کے متعلق قرآن شریف مین ہوتا تو پادری بہت ہی خوش ہوتے لیکن یہ اپنی آنکھ کا شہتیر انکی نظر سے پنہان ہی۔ اگر یہ واقعات جو انجیلونمین یسوع کی نسبت مذکور ہین کسی دوسرے نبی کے متعلق ہوتے تو کئی مانر وادر قلندر مضمون پر مضمون لکھتے کہ فلان نبی فلان گناہ کا مرتکب ہے لیکن جب یسوع کے متعلق اِس قسم کے واقعات پائے جاتے ہین تو پھر تاویل کا دروازہ کھلجاتا ہی اور انھین واقعات سے جو دوسرے نبیونکی صورت مین گناہ بتائے جاتے ہین مسیح کی صورت مین بڑے بڑے نصائح اور اخلاقی سبق عیسائیون کے لیئے نکالے جاتے ہین۔ پادریونکی یہ منطق ہماری سمجھ مین نہین آتی ایک طرف تو ہمین کہا جاتا ہی کہ چونکہ حضرت داؤد نے بذریعہ استغفار حفاظت الٰہی طلب کی اسلیئے وہ نعوذ باللہ زنا کا مرتکب ہوا تھا اور دوسری طرف یہ کہ چونکہ مسیح کنجریون اور بدکار عورتون کے ساتھ ملا جلا رہتا تھا اِس واسطے وہ پاکباز ہے۔ راستبازی کے دشمن اور نبیونکو گالیان دینے والے ان پادریون سے بڑھکر دنیا مین کبھی پیدا نہین ہوئے۔ وہ اپنے دلون کو پاک کرنا تو جانتے ہی نہین مگر راستبازون کے دلون کی پاکیزگی کو بھی وہ ناپاکی سمجھتے ہین +

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک پر حملے

پادری مانر و قرآن شریف کے* دو مقامات پیش کرتا ہے جہان اسکے نزدیک آنحضرت کے کسی ایسے فعل کیطرف اشارہ ہے

* اِنکے علاوہ جن چار مقامات کا ذکر پادری مانر و کرتا ہی ان پر علیحدہ استغفار اور ذنب کے نیچے بحث کی گئی ہے کیونکہ ان سے پادری صاحب عام طور پر گنہ گار ہونا نکالتے ہین اور اُن دو مقامات کیطرح وہان کسی خاص گناہ کا ذکر نہین بتلاتے +

جسکو گناہ کہا جا سکتا ہی اِن مین سی پہلا مقام سورہ احزاب مین ہی۔ چنانچہ اس سورة مین سی ایک آیت کے ایک حصہ کا ترجمہ نقل کرکے پادری مانرو بڑی جرأت سی کہتا ہی۔ "کیا اسکا یہ مطلب نہین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالے نے اِس گناہ کیلئے سرزنش کی کہ وہ کیون لوگون سی ڈرے" لیکن اِس آیت مین جس کا وہ حوالہ دیتا ہے۔ وہ ایک لفظ بھی ایسا نہین دکھا سکتا جس سی معلوم ہو کہ آنحضرت لوگون سی ان معنون مین ڈرے تھی جن معنون مین خدا سی ڈرنا چاہیئے یا یہ کہ وہ خدا سے نہین ڈرتے تھی۔ یا یہ کہ وہ اِس طرح پر ڈرنے مین کسی گناہ کے مرتکب ہوئے تھی۔ چنانچہ وہ آیت ہم یہان نقل کرتے ہین۔ واذ تقول للذی انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ امسک علیک زوجک واتق اللہ وتخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ وتخشی الناس واللہ احق ان تخشہ فلما قضے زید منہا وطرا زوجنکہا لکیلا یکون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیاءھم اذا قضوا منہن وطرا وکان امر اللہ مفعولا ٥ ترجمہ۔ اور جب تو نے کہا اس شخصکو جسپر اللہ نے احسان کیا اور جسپر تو نے بھی احسان کیا اپنی بیوی کو طلاق مت دے اور خدا سے ڈر اور تو اپنے دل مین ایک چیز کو چھپاتا تھا جسے اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا اور تو لوگون سی ڈرتا تھا اور اللہ زیادہ حقدار ہے اس بات کا کہ تو اُس سی ڈرے۔ پھر جب زید اُس عورت سی اپنی غرض پوری کر چکا تو ہمنے اُسے تیرے نکاح مین دیدیا تاکہ مسلمانون کیلئے اپنے لے پالکونکی جوروؤن سی جب وہ اُنھین طلاق دیدین نکاح کر لینا کوئی گناہ نہ ہے اور خدا کا امر اسی طرح پر ہوتا تھا۔" اب کسی پہلو سے سوچا جاوے خدا کے سوائے کسی اور چیز سے ڈرنا کسی صورت مین گناہ نہین کہلا سکتا۔ پادری مانرو کو چاہیے تھا کہ اپنے دعویٰ کی تائید مین قرآن شریف کی کوئی آیت پیش کرتا۔ حضرت موسے مصریون سی ڈر کر مدین کو بھاگ گئے مگر کیا کہین سی یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایسا کرنے مین وہ خدا کے گنہگار تھے۔ پھر جب اللہ تعالے کے حکم کے مطابق حضرت موسے نے اپنا عصا پھینکا اور وہ سانپ بنگیا تو اُسوقت بھی موسے ڈرے

لیکن یہ کہین نہین لکھا کہ وہ ایسا کرنے مین کسی گنہ کے مرتکب ہوئے تھے۔ پھر ایک اور امر قابل غور ہی کہ جب حضرت موسے اور ساحرین کا مقابلہ ہوا اور اُنکی رسیان وغیرہ لوگونکی نظر مین سانپ دکھائی دینے لگین تو حضرت موسے کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی یعنی موسی اپنے دل مین ڈرے۔ لیکن باوجود اسکے کہین خدا نے حضرت موسے کو سرزنش نہین کی کہ وہ کیون ڈرا یا کہین یہ نہین کہا کہ اُسنے گنہ کیا۔ اسی طرح اور بہت سی مثالین بائیبل سے پیش کی جا سکتی ہین جن سے صاف پایا جاتا ہے کہ اس قسم کا ڈرنا کوئی گناہ نہین ہے اگر عقل کی رو سے دیکھا جائے تو بھی اس طرح پر ڈرنا گنہ نہین ہی۔ ڈر انسان کی فطرت مین رکھا ہوا ہے اور کسی خوفناک نظارے کو دیکھ کر فطرتاً انسان ڈر جاتا ہے لیکن اس طرح پر ڈرنے سے یہ نہین کہ انسانکو خدا کا ڈر نہین رہتا خدا کا ڈر ایک الگ چیز ہے جسکے سبب سے انسان اُسکی مرضی کی راہو نپر چلتا ہی۔ اور اُسکی فرمانبرداری کے طریق کو اختیار کرتا ہے اور اُسکی نافرمانی کو ایک بھسم کرنیوالی آگ سمجھ لیتا ہے۔ اِن معنونمین خدا کے پاک نبی اللہ تعالےٰ سے ڈرتے ہین اور اِن معنون مین سوائے خدا کے اور کسی چیز سے نہین ڈرتے۔ چنانچہ سورۃ احزاب کی اس آیت سے مابعد کی آیت جسپر پادری مانرو اعتراض کرتا ہے اس طرح پر ہے اَلَّذِیْنَ یبلغون رسلت اللہ ویخشونہ ولا یخشون احدا الا اللہ یعنے جو لوگ خدا کے پیغام پہونچاتے ہین اور خدا سے ہی ڈرتے ہین اور سوائے خدا کے کسی سے نہین ڈرتے۔ یہان تمام انبیا کی نسبت صاف صاف بیان کیا گیا ہے کہ اِن سب کو خدا نے ایسا بنایا ہے کہ وہ سوائے خدا کے کبھی کسی سے نہین ڈرتے۔ اور اس لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس وجہ سے کہ وہ بھی انبیا مین سے ہین بلکہ بموجب قرآن شریف کے سب سے افضل ہین لوگون سے ڈرنے مین خدا کے گنہ گار نہین ہوسکتے کیونکہ جن معنونمین خدا سے ڈرنا چاہئے۔ اُن معنونمین تمام انبیا خدا کے سوا کسی سے ڈرتے ہی نہین۔ اب پادری مانرو صاحب اگر چاہتے تو ان الفاظ کو قرآن شریف مین عین اسی موقعہ پر پڑھ سکتے تھے جہان

انکو چند الفاظ اعتراض کرنیکے لیئے نظر آگئے تھے لیکن تعصب کا پردہ انکی آنکھ پر پڑا رہا اور اسلیئے انکو یہ لفظ نظر نہ آئے انبیا کی یہ تعریف بتاتی ہی۔ کہ حضرت موسیٰ کا ڈرنا یا آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ڈرنا یا کسی دوسرے نبی کا ڈرنا انکے خدا کے ڈر کے کسی طرح متضاد نہین ہی کیونکہ ایسے موقعہ پر دراصل یہ لفظ الگ معنون یعنی استعمال ہوتا ہی۔ نہ صرف انبیا کی نسبت ہی قرآن شریف یہ کہتا ہی کہ وہ سوائے خدا کے کسی سی نہین ڈرتے بلکہ انحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی نسبت بھی فرماتا ہی کہ لایخافون لومۃ لائم کہ وہ کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت سے نہین ڈرتے۔ پس جب انحضرت کے صحابہ کا یہ حال ہی کہ وہ خدا کی راہ مین خدا کے سوا کسی سے نہین ڈرتے تو انحضرت جو انکے لیئے بطور رہبر تھے کس طرح پر خدا کی راہ مین لوگون سے ڈر سکتے تھے +

اس فقرہ یعنی تخشی الناس کے اصلی معنی سمجھنے کیلیئے ضروری ہی کہ زید اور زینب کے نکاح اور طلاق کے متعلق تمام واقعات پر غور سے نظر کیجائے۔ سب سے پہلی آیت جس سے یہ ذکر شروع ہوتا ہی سورہ احزاب مین اس طرح پر آئی ہی وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لہم الخیرۃ من امرہم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبیناہ ترجمہ۔ اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو نہین چاہیئے کہ جب اللہ اور اسکا رسول ایک امر کا فیصلہ کر دین تو پھر انکو اس امر (کے کرنے یا نہ کرنے) مین اختیار رہے۔ اور جو شخص اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کریگا وہ سخت گمراہی مین پڑ گیا۔ اس آیت کے شان نزول مین علامہ سیوطی لباب النقول فی شان النزول مین کہتے ہین کہ طبرانی نے صحیح سے قتادہ سے یہ روایت کی ہی کہ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش کو نکاح کیلیئے درخواست کی اور زینب اور اعزہ یہ سمجھے کہ زید کیساتھ اسکا نکاح کرنیکا تھا۔ زینب نے سمجھا کہ آپکا منشاء اپنے واسطے ہی لیکن جب اسکو پتہ لگا کہ آپکا ارادہ زید کے ساتھ اسکے نکاح کرنیکا ہی تو اس نے انکار کیا۔ پس انحضرت پر یہ وحی نازل

ہوئی وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ الآیہ۔ پس وہ راضی ہوگئیں اور آنحضرت کا حکم مان لیا پھر اسی کتاب میں علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ ابن جریر نے عکرمہ کے طریق سے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش کی زید بن حارثہ کے ساتھ شادی کے لئے درخواست کی۔ زینب نے اس سے کنارہ کیا اور کہا کہ میں اس سے اچھی ہوں از روئے حسب کے۔ تب خدا تعالےٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ الآیہ اور ابن جریر نے عوفی کے طریق سے ابن عباس سے اسی طرح پر روایت کی ہے ✣

ان متفق روایات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے زینب کے زید کے ساتھ نکاح کیلئے درخواست کی تھی مگر زینب اور اسکا بھائی اگرچہ اس بات کیلئے تو بخوشی تیار تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہو جاوے مگر زید سے نکاح کیلئے انہوں نے انکار کر دیا اسوجہ سے کہ زید ایک غلام آزاد شدہ تھا حالانکہ زینب قریش کے شریف خاندان کی ایک معزز عورت تھی لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خود اس سے نکاح کرنا پسند نہ کرتے تھے اور یہی چاہتے تھے کہ وہ زید کی بیوی بنتی ہو جاویں۔ جب زینب اور اس کے بھائی کی طرف سے انکار پر اصرار ہوا تو خدائے تعالے نے انکو اس معاملہ میں متنبہ کیا اور تمام مومن مردوں اور مومن عورتوں کیلئے ایک عام حکم کے ذریعہ انکو مطلع فرمایا کہ جب خدا اور اسکا رسول ایک معاملہ میں فیصلہ کر چکے ہیں تو پھر کسی مومن مرد یا مومن عورت کے یہ لایق نہیں کہ وہ انکار کرے اور یہ بھی بتا دیا کہ اگر وہ خدا اور اسکے رسول کے حکم سے انکار رکھینگے تو سخت گمراہی میں پڑینگے۔ اس آیت کے آنے پر زینب اور اس کا بھائی راضی ہوگئے اور خدا تعالےٰ کے حکم کو خوشی سے قبول کیا۔ اور زید کا زینب کے ساتھ نکاح ہو گیا ✣

یہانتک تو اس نکاح کا قصہ ہے۔ اور ناظرین اسے پڑھکر خود دیکھ لینگے کہ جو الزام آنحضرت کی ذات مبارک کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ کسقدر جھوٹا ہے۔ اب یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ

آنحضرت کے بہت نزدیک رشتہ دار تھی۔ زینب کی ماں امیمہ عبد المطلب کی بیٹی تھی (دیکھو اسد الغابہ فی معرفتہ الصحابہ جلد پنجم صفحہ ۴۶۳) اس قدر قریب کی تو رشتہ داری تھی مگر ساتھ ہی یہ بات بھی تھی کہ زینب اِن لوگوں میں سے تھی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ابتدا ہی میں ایمان لے آئے تھے اور وہ پارسا بھی تھی اِن تمام باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم زینب کو بڑی اچھی طرح سے جانتے تھے تمام واقعات یعنی آپکا اور زینب کا رشتہ داریکا اس قدر قریب تعلق اور زینب کا ابتدا میں ہی مسلمان ہو جانا اور پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مدینہ کو بھاگنا یقینی طور پر ثابت کرتے ہیں کہ زینب کوئی اجنبی عورت نہیں تھی بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسکو بچپن سے ہی بخوبی جانتے تھے اور بارہا بچپن میں اور جوانی میں اسکو دیکھا ہؤا تھا۔ علاوہ ازیں اسلام سے پہلے عرب میں پردہ کی رسم نہ تھی۔ اور اسلیے مرد اور عورتیں تمدنی زندگی میں باہم ملتے جلتے تھے۔ بلکہ اسلام میں بھی پردہ کا حکم آنحضرت کے زینب سے نکاح کے بعد ہوا ہے اور چونکہ تمام عیسائی مورخین اسبات کو تسلیم کرتے ہیں اس لیئے اسپر زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔ اب ان تمام واقعات پر غور کرو کہ اول تو زینب آنحضرت کی پھوپھی کی لڑکی ہے اور پھر ابتدائی مسلمانوں کی چھوٹی سی جماعت میں بھی داخل ہے پھر وہ آنحضرت کے ساتھ ہی مدینہ کو بھاگ کر چلی آتی ہے اور پردہ کا ملک میں کوئی رواج بھی نہیں اور خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم زینب سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ زید کے ساتھ نکاح منظور کرے اور پھر سوچو کہ یہ کسقدر بڑا سیاہ جھوٹ ہے کہ آنحضرت صلعم نے نیم کشادہ دروازہ میں سے اتفاقاً زینب کو دیکھ لیا تھا۔ اور اُسکی خوبصورتی کے سبب سے اُس پر فریفتہ ہو گئے تھے اس کمینہ اور گندے جھوٹ کو پیش کرنیوالے خدا کی لعنت کے نیچے ہیں۔ ہم تو دیکھتے ہیں کہ جب زینب آنحضرت کیساتھ نکاح کرنا چاہتی ہے تو وہ خود اُسکو منظور نہیں کرتے اور باوجود اسکے اصرار کے کہ وہ اپنے نکاح میں اُسے لیں آپ زید کیلئے ہی زور دیتے ہیں۔ اگر نفسانی خواہش ہی آنحضرت کے اس نکاح کی محرک تھی تو پھر کونسی

رہ بھی جو آپ نے اس وقت منظور کیا جب وہ جوان بھی بات یہ ہو کہ تعصب کا پردہ جو عیسائیون کی آنکھ کے آگے پڑا ہوا ہے وہ اُنھین واقعات کو اصل صورت مین دیکھنے نہین دیتا +

اب اس بیان سے جسے مسلمان محققین نے سچا اور صحیح بیان تسلیم کیا ہے اور جسے اُنھون نے قابل اعتبار قرار دیا ہے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہی اسبات پر زور دیا تھا کہ زینب کا زید کے ساتھ نکاح کر دیا جاوے اور خود زینب اور اس کے رشتہ دار اُس کے مخالف تھے لیکن اللہ تعالیٰ کیطرف سے جو وحی نازل ہوئی اُس مین یہی حکم تھا کہ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہو وہی ٹھیک ہی اور زینب اور اُسکے رشتہ دارونکو اس معاملہ مین کوئی اختیار نہیں اس لیے اس نکاح کے متعلق یہ ایک شہرت یافتہ امر ہو گیا تھا کہ یہ نکاح خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہوا ہی - یہ بات بہت قابل توجہ ہے کیونکہ اسکی طرف پھر بھی ہم توجہ دلائینگے جب تک وحی نازل نہین ہوئی تب تک زینب زید کے ساتھ نکاح پر راضی نہین ہوئی اور اس امر سے مسلمان اور غیر مسلمان سب آگاہ تھے - سب جانتے تھے کہ زینب نے انکار کیا تھا مگر آنحضرت کے فیصلہ کے مطابق وحی الہی نے فیصلہ کیا اسلیئے ایک ایسے نکاح کے متعلق جو خدا کے حکم سے ہوا تھا لوگ ہر وقت منتظر تھے کہ آیندہ کیا ہوتا ہے +

اب ہم نکاح کے بعد کے واقعات پر غور کرتے ہین سب سے پہلے قرآن کریم کے ان الفاظ مین ہمین اس مضمون کیطرف توجہ دلائی گئی ہے واذ تقول للذے انعم اللہ علیہ و انعمت علیہ امسک علیک زوجک واتق اللہ - اور جب تو کہتا تھا اس شخص کو جسپر اللہ تعالے نے احسان کیا اور تو نے احسان کیا کہ اپنی بیوی کو طلاق مت دے اور خدا سے ڈر - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زید اپنی بیوی کو طلاق دینی چاہتا تھا لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے طلاق سے روکا - اسکے متعلق حاکم انس رض سے روایت کرتا ہے کہ زید بن

جارۂ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور زینب بنت جحش کی شکایت کی (یعنی اس امر کی کہ وہ اس سے متکبرانہ طریق سے پیش آتی ہے) اسپر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طلاق مت دو اور خدا سے ڈرو۔ دیکھو لباب النقول فی اسباب النزول۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کے بعد زینب جو نہایت معزز خاندان قریش کی عورت تھی اپنے حسب کی بڑائی کے سبب سے ایسے طریق سے زید سے پیش آتی تھی جو اسکو ناگوار گذرتا تھا۔ اور آخر اسکو بالکل ناقابل برداشت پاکر زید نے آنحضرت کے پاس شکایت کی اور طلاق دینا چاہا لیکن آنحضرت نے اسے منع کیا اور فرمایا کہ اس سختی کی برداشت کر کے اپنی بیوی کو رکھو اور خدا سے ڈرو۔ یہ کہنا کہ یہ الفاظ دل سے نہ تھے نہایت کمینہ درجہ کی بے ایمانی ہے خواہ اس کا کہنے والا امپور ہو یا ناروہو یا یسوع کی انجیل کا کوئی اور حلیم واعظ۔ اگر آنحضرت کو یہ کہنا درست ہے تو کیون جائز نہین کہ یسوع کو بھی بھیڑ کی صورت مین ایک بھیڑیا بلکہ بھیڑئے سے بھی بدتر مانا جاوے وہ وقت کب آئے گا کہ پادری صاحبان بھی ایمانداری سے اعتراض کرنا سیکھین گے۔ کب انکو یہ سمجھ آئیگی کہ خدا کے پاک اور معصوم نبیونکو گالیان دینے سے وہ اپنے موہوم خداوند کی کوئی خدمت نہین کر سکتے۔ اگر تمام برگزیدونکو گنہگار کہا جائے گا تو اس سے ایک ضعیف انسان ایک عاجز مخلوق جو نو ماہ تک عورت کے پیٹ مین خون حیض سے پرورش پاتا رہا خدا اور خالق ارض و سما نہین بن جائیگا زید آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا ہے اور اپنی بیوی کے متکبرانہ سلوک کی جو شرافت خاندان کے احساس کیوجہ سے تھا۔ آپکے پاس شکایت کرتا ہے اور طلاق کا ارادہ ظاہر کرتا ہے آنحضرت نہایت سختی سے اسے روکتے ہین مگر یہ سچائی کے دشمن کہتے ہین کہ یہ نعوذ باللہ منافقانہ الفاظ تھے اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہین جانتے تھے کہ زید آپکے ارادے سے جو انکی بیوی کے متعلق آپ رکھتے تھے آگاہ ہے اور یہ بھی جانتے تھے کہ وہ آپ کی خاطر طلاق دے رہا ہے تو اس فقرے کے کیا معنے تھے کہ اتق اللہ خدا سے ڈرو۔ کس طرح آپ زید کو ان الفاظ مین روک سکتے تھے کہ اے زید خدا سے ڈر اور اپنی بیوی کو

طلاق مت دے۔ کیا یہ لفظ منافقانہ ہو سکتے ہیں۔ ہنین بلکہ یہ لفظ ہی ایسے ہین کہ دل کے اندر ہی نکلے ہوئے ہین خدا سے ڈر ایک ایسا فقرہ ہنین ہے جو ایک مجرم دل زبان پر لا سکے اور پھر ایسے شخص کے سامنے جس وہ جانتا ہو کہ اسکے فاسد خیال سے وہ آگاہ ہی کیا انسانی فطرت ایک لمحہ کیلئے بھی اس خیال کی برداشت کر سکتی ہی اور پھر زید جسکو یہ لفظ کہے گئے ہین کون ہو اور اسکا آنحضرت سے تعلق کیا ہی۔ یہ وہ نازک تعلق ہے جو مرید اور مرشد کے درمیان ہوتا ہے۔ مرید ایمان رکھتا ہی اور یقیناً جانتا ہے کہ میرا آقا خدا کا بھیجا ہوا ہے تا لوگونکو راستبازی کی طرف بلائے وہ خدا سے ہمکلام ہوتا ہے اور خدا اُس سے ہمکلام ہوتا ہے وہ اپنی راستبازی مین ایک کامل انسان ہے اور نیکی کا ایک نمونہ ہی جسکے ہر ایک قول اور فعل کی اُسے پیروی کرنی چاہئے۔ اب اس نازک تعلق کو جسکی بنیاد راستبازی اور پاکیزگی پر تھی سامنے رکھو اور اُن الفاظ پر غور کرو جو ایسے آقا کے مُنہ سے اس مرید کیلئے نکل رہے ہین کہ خدا کے سامنے تقوےٰ اختیار کرو اور اپنی بیوی کو طلاق مت دو۔ کسقدر ظلم اور بے ایمانی ہے کہ کہا جائے کہ یہ الفاظ منافقانہ اور ظاہرداری کے تھے ہنین تھی اور دلی منشا یہ نہ تھا کیا منافقانہ الفاظ ایسا ہی اثر کیا کرتے ہین۔ جیسا کہ آنحضرت کے الفاظ نے صحابہ کے دلپر اثر کیا .... جنھون نے اِن الفاظ کو سُنکر اپنا سب کچھ اُسی کی راہ مین کھو دیا اگر آپکے الفاظ دل سے نہ تھے تو انھون نے دلونپر کیون اثر کیا۔ کیا یہ سچ ہنین کہ دلپر وہی اثر کرتا ہے جو دل سے نکلے ؛

پھر ہم اصل مضمون کیطرف توجہ کرتے ہین جب زید نے خانگی مشکلات کیوجہ سے زینب کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو آنحضرت نے اُسے بہت ناپسند کیا اور اُسکو اُس فعل سے روکا۔ آپنے کیون روکا اسکے کئی وجوہات تھے اول تو زینب کا آپکے ساتھ نہایت ہی قریب کا تعلق تھا اور زید سے بھی آپکو بڑی محبت تھی اور آپ پسند ہنین کرتے تھے کہ دو شخص جنسے آپکو اسقدر تعلق اور محبت تھی انمین ناچاقی ہو۔ علاوہ برین خود ہی آنحضرت اس شادی کے محرک ہوئے تھے اور زینب کے منشا کے خلاف آپنے اسپر زور دیا تھا حالانکہ

زینب کے دوسرے رشتہ دار بھی اُسے پسند نکرتے تھے اس لئے ضرور تھا کہ زینب کے وارث بھی قومی اور رسمی خیال کے لحاظ سے اس طلاق سے ناخوش ہوں اور یہ بات بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دلکے مضطرب کرنیکا باعث ہو سکتی تھی۔ اگر نکاح کیوقت وہ لوگ تھوڑے بھی ناخوش تھے تو اب طلاق سے انکو بہت ہی رنج کا اندیشہ تھا لیکن سب سے بڑی بات یہ تھی کہ زینب کا نکاح حکم الٰہی کے مطابق ہوا تھا اب آنحضرت کو یہ فکر تھا کہ جاہل اور رسمی خیال کے لوگ اپنے نزدیک اسے بھی ایک اعتراض سمجھ لینگے کہ ایک نکاح جو وحی الٰہی کے حکم کے نیچے ہوا تھا اتنی جلدی اس کا نتیجہ ایسی ناچاکی اور طلاق ثابت ہوا۔ آپ یہ بھی سوچتے تھے کہ مخالف منکر جو ہر وقت اسلام پر اعتراض کرنے کے لیئے حیلے سوچتے رہتے تھے انھیں بھی طلاق پر زبان درازی اور طعن کا موقعہ ملیگا اور وہ لوگونکو سچائی کے قبول کرنے سے روکینگے یہی وجہ تھی کہ آپنے زید کو طلاق دینے سے روکا۔ تاکہ مخالفونکو زباندرازی اور طعن کا موقعہ نہ ملے چنانچہ اسکے بعد جو الفاظ قرآن کریم مین استعمال ہوئے ہین وہ آنحضرت کے دل کی اس مضطربانہ حالت کو ظاہر کرتے ہین وَتُخْفِی فِی نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ اور تو اپنے دلمین چھپاتا تھا اُسبات کو جسے اللہ ظاہر کرنیوالا تھا اور تو لوگونسے ڈرتا تھا اور اللہ زیادہ حقدار ہے کہ اس سے ڈرے" ان الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر آنحضرت کے دل کی کیا حالت تھی۔ آپ نہین چاہتے تھے کہ طلاق ہو کر اس ناچاقی کا افشا ہو اور معاندین اسلام کو زباندرازی کا موقعہ ملے۔ آپ یہ بھی جانتے تھے کہ اس قسم کی نکتہ چینیان ناواقفونکی ٹھوکر کا باعث ہوجاتی ہین اس لئے آپکی دلی خواہش یہی تھی کہ زید طلاق نہ دے اور جھگڑے پر پردہ پڑ جائے یہی وہ بات تھی جسکو آنحضرت چھپانا چاہتے تھے مگر اللہ تعالےٰ کا منشا یہ نہ تھا کیونکہ جیسے آگے چلکر اسی آیت کے اخیر پر بیان کیا گیا ہے اس نکاح اور طلاق مین خدا تعالیٰ ایک خاص منشاء الٰہی کو پورا کرنا چاہتا تھا جیسا کہ فرمایا وَکَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا آنحضرت اسی بات سے ڈرتے تھے کہ ایسا نہو کہ یہ نکتہ چینیان کفار کیطرف سے سچائی کے قبول کرنے مین لوگونکے لئے روک ہوجاوین

وہ لوگون سے ڈرتے تھے مگر انہین کے فائدے کیلئے کہ ایسا نہو یہ لوگ ہلاکت مین پڑ جاوین۔ آنحضرت کو یہ غم جو لوگون کیلئے تھا کہ وہ راہ ہدایت پر کیون نہین آتے اس کا اظہار قرآن شریف مین دوسرے موقعہ پر اس طرح پر کیا گیا ہے لعلک باخع نفسک الا یکونو مومنین ایک موٹی سمجھ کا آدمی تو یہ خیال کرے گا کہ اس جگہ آنحضرت کو سرزنش کی گئی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس جگہ خدا تعالے آنحضرت کی تعریف کرتا ہے اس غمگساری اور ہمدردی کیلئے جو آپکو لوگون کے ساتھ تھی اسی طرح ان الفاظ تخشی الناس مین لوگون کی بہتری کے غم کیطرف اشارہ ہے آنحضرت کے دل کی ایسی حالت کو دیکھکر اللہ تعالے فرماتا ہے کہ ان لوگون سے ڈرنا نہین چاہیئے کیونکہ اس طلاق کے ذریعے اللہ تعالے اپنا ایک خاص منشا پورا کرنا چاہتا ہے اور اسی کی مصلحت نے یہ تقاضا کیا ہے کہ اسی طرح پر یہ نکاح اور پھر طلاق ہو پس جب اسکا ارادہ اور مصلحت یہی چاہتے ہین تو پھر اور کسی ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ ہی حقدار ہے کہ ہر وقت اسی سے ڈرنا چاہیئے گویا ان الفاظ مین یہ بتایا گیا ہے کہ تم اس بات سے مت ڈرو کہ ایسی طلاق سے کوئی مضرت پیدا ہوگی اور اسلیئے جس طرح حکم الہی ہے اسی طرح ہونے دینا چاہیئے ؛

اس وقت تک آنحضرت کا زینب سے نکاح کرنیکا کوئی ارادہ نہ تھا کیونکہ ابھی ایکدو سال پیشتر ہی وہ انکار کر چکے تھے جب زینب نے یہ خواہش ظاہر کی تھی۔ بالآخر زید نے طلاق دیدی اور آنحضرت نے بھی حکم الہی کے مطابق اُسے روکنا چھوڑ دیا اور طلاق کے بعد عدت بھی گذر گئی جیسا کہ الفاظ فلما قضی زید منہا وطرا کا منشا ہے۔ اسکے بعد یعنی طلاق اور عدت کے گذر جانیکے بعد حکم الہی آتا ہے کہ آنحضرت خود زینب سے نکاح کرلین۔ چنانچہ الفاظ منقولہ بالا کے بعد خدا تعالے فرماتا ہے زوجنکہا یعنے ہمنے اُسے یعنی زینب کو تیری بیوی بنادیا۔ یہان یہ نہین فرمایا کہ تونے زینب سے نکاح کی خواہش ظاہر کی یا نکاح کرلیا۔ تو ہمنے تجھے اجازت دیدی بلکہ یہ فرمایا کہ خود ہمنے ہی تیرا نکاح

اسکے ساتھ کر دیا۔ یعنی ہمارے حکم سے تو نے نکاح کیا۔ اور جب تک ہمنے حکم نہین دیا نکاح نہین کیا کیا ان الفاظ سے یہ صاف نتیجہ نہین نکلتا۔ کہ آنحضرت نے حکم الہی کے بغیر ارادہ نکاح کا نہین کیا۔ اور یہ حکم اُسوقت نازل ہوا جب طلاق کے بعد عدت بھی گذر چکی تھی۔ اگر یہ نکاح آنحضرت کی خواہش سے ہوتا تو قرآن شریف کو چاہیے تھا کہ اسی طرح پر اسکو بیان کرتا لیکن قرآن شریف ہمین یہی بتاتا ہے کہ آنحضرت کی خواہش نہ تھی بلکہ خدا کا حکم تھا +

اب اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیون خدا تعالے نے پہلے ہی موقعہ پر آنحضرت کو حکم نہین دیا کہ آپ ہی زینب سے نکاح کر لین بلکہ اسوقت تو زید کے نکاح کا حکم دیا اور اب جب نا چاقی کے بعد طلاق ہو گئی تو پھر آنحضرت کو حکم دیا کہ اب تم زینب سے نکاح کرو۔ وہان ہی اس سوال کا جواب اس طرح پر دیا گیا ہے۔ لکیلا یکون علے المومنین حرج فی ازواج ادعیائھم اذا قضوا منھن وطرا وکان امر اللہ مفعولا۔ (”ہمنے اسواسطے تیرا نکاح زینب سے کیا ہے) کہ مسلمانونکے لیے اپنے لے پالکونکی مطلقہ بیویونسے نکاح کر لینا گناہ نہ ہے اور یہ خدا کا حکم تھا جو اسی طرح پر پورا ہونا تھا“ یہان نہایت صاف الفاظ مین اس حکم کیوجہ بیان کی گئی ہے کہ کیون ہمنے بعد طلاق کے رسول کو حکم دیا کہ زینب سے نکاح کرو۔ ان الفاظ کے معنون مین کسی قسم کے شک و شبہ کی بھی گنجایش نہین اگر یہ نکاح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اپنی خواہش کا نتیجہ مانا جاوے تو یہ وجہ نکاح کی جو قرآن شریف نے خود بیان فرمائی ہے بے معنی ہوئی جاتی ہے۔ اب اس جگہ دو سوال ہین جنکا حل کرنا ضروری ہے۔ اول یہ کہ آیا تبنیت کی رسم فی الواقع مضر رسم ہے یا نہین اور آیا یہ ضرورت تھی کہ اُس بُری رسم کو دور کرنیکے لیے آنحضرت خود ایک نمونہ بنے اس جگہ ہم نہایت اختصار کیساتھ ان سوالونکے جواب دینگے۔ اول تبنیت کی رسم کو لو۔ اسکے مضر ہونے مین کسی کو شک نہین ہو سکتا صرف کہدینے سے ایک انسان دوسرے کا باپ یا بیٹا نہین ہو سکتا علاوہ برین اسکی بنیاد جھوٹ پر ہے اور جو شخص

خدا تعالی جو عالم الغیب ہے وہ خوب جانتا ہوگا کہ زید و زینب کا نکاح آلاخر فسخ ہونیوالا ہے پھر بعد اسکے کیون جگہ ... آنحضرت ... زینب ... نکاح ...

جھوٹ بولتا ہے وہ راستبازی سے دور رہتا ہے۔ اس رسم کے بدنتائج ہندو مذہب مین سب سے بڑھکر ظاہر ہوئے ہین اور اسی بدرسم کیوجہ سے آخر نیوگ جیسا ناپاک اصول اس مذہب کے پیروؤنکو ماننا پڑا ہے۔ اور اس طرح پر بے غیرتی سے ایک عورت خاوند کی موجودگی مین اجنبیون کے پاس حصرت اولاد لینے کیلئے بھیجی جاتی ہے اس قسم کے ناپاک اصولونکی دنیا سے بیخکنی کرنا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بڑا مقصد تھا۔ اور اسلیئے ضروری تھا کہ مذہب اسلام اس رسم کو بھی دنیا سے دور کرے۔ بیلی جن لوگونکو کسی قسم کی اصلاح سے کام پڑا ہے وہ خوب سمجھ سکتے ہین کہ بغیر نمونہ بننے کے رسوم کا دور کرنا ناممکن ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مشن کی کامیابی کا یہی راز ہے کہ آپ نے جو کچھ اپنے پیروؤن کو کرنیکا حکم دیا پہلے خود اسپر عمل کر دکھایا۔ اس گہری نظر سے جو اللہ تعالے نے آپکو عطا فرمائی تھی آپ دیکھتے تھے کہ فطرت انسانی ایسی واقع ہوئی ہے کہ جبتک واعظ خود نمونہ بنکر نہ دکھلاوے دوسرے لوگونکو ان نیک کامون کی طاقت نہین ملتی جنکا وعظ انکو کیا جاتا ہے۔ یسوع نے کیون ناکامیابی کا منہ دیکھا کیونکہ انجیلون کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو تعلیم وہ دیتے تھے وہ ناقابل عمل تھی اور خود بھی اسپر ان کا عمل نہ تھا۔ کیون آج عیسائی قومین شراب خوری سے تباہ ہو رہی ہین ؟ کیونکہ یسوع نے خود شراب سے پرہیز نکیا۔ اس جگہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نمونہ پر غور کرو کہ آپ نے کس طرح شراب خوری کو خود پرہیزگاری کا ایک کامل نمونہ بنکر مسلمانون کے درمیان سے دور کیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم زندگی کے ہر ایک پہلو مین کامل نمونہ تھے اور انھون نے خود راستبازی کے تمام طریقون پر چلکر اپنے پیروؤن کو دکھا دیا کہ کس طرح انسان ایک کامل انسان بن سکتا ہے بدرسوم کی بیخکنی سچے مصلح کا عظیم الشان کام ہوتا ہے۔ پرانی رسوم آہستہ آہستہ عادت مین داخل ہو جاتی ہین کئی ہزار کتابین نصیحت کی ایک انسان سے بھی بد عادت کو نہین چھوڑا سکتین چہ جائیکہ دنیا سے انھین نیست و نابود کر دین

صحابہ کو قرآن شریف مین ہی سکھایا گیا تھا لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ کہ تمہارے لئے ہر ایک نیکی کا نمونہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہین اسلیئے جو وہ آپکو کرتے دیکھتے وہی کرتے۔ یہی وجہ بھی کہ اللہ تعالے نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ تبنیت کی رسم کو دنیا سے دور کرنے کے لئے وہ خود زینب سے نکاح کرین جو عربون کی رسم کے مطابق سخت معیوب امر سمجھا جاتا تھا کیونکہ زید جو زینب کو طلاق دیچکا تھا اس کے ساتھ رسول خدا اسقدر محبت کرتے تھے کہ لوگ اُسے آپ کا بیٹا کہنے لگے تھے اسلیئے سب سے پہلے آنحضرت ہی کو حکم ہوا کہ زینب سے نکاح کرکے اس بدرسم کی جڑھ کاٹین۔ اگر آنحضرت کی اپنی خواہش یہ ہوتی کہ زینب کو نکاح مین لاوین تو اس سے پہلے کوئی روک اُن کیلئے نہ تھی آپ اسے اچھی طرح جانتے اور پہچانتے تھے اور آپ جسوقت چاہتے وہ اور اسکے وارث بخوشی راضی ہوتے کہ آپ اس سے نکاح کرلین۔ چنانچہ جب زید کے لیئے آپ نے اُسے مانگا تو اسوقت بھی زینب اور اُسکے ورثا دونون کی منشا یہ تھی کہ آپ خود اُس سے نکاح کرلین لیکن آپنے اُسے پسند نہین کیا اور اُسوقت زید کے ساتھ ہی زینب کا نکاح کرایا۔ اس مین مصلحت الٰہی یہی تھی کہ زید کے طلاق دیدینے کے بعد آپ اس سے شادی کرین تا اسلام سے یہ رسم اُٹھ جاوے کہ صرف کہدینے سے کوئی شخص حقیقی بیٹا بن سکتا ہے سو پہلی دفعہ خدا تعالےٰ نے یہی چاہا کہ زینب کا نکاح زید کے ساتھ ہو اور پھر حالانکہ آنحضرت بظاہر طلاق کو پسند نہ کرتے تھے لیکن خدا کے حکم کے مطابق طلاق ہی ہوئی اور آخر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح سے منشاء الٰہی پورا ہوا۔ اس امر الٰہی کے پورا ہونے کیطرف ان الفاظ مین اشارہ ہے جیسا کہ فرمایا وکان امر اللہ مفعولا اور پھر فرمایا وکان امر اللہ قدرا مقدورا یعنے امر الٰہی ہوکر ہی رہنا تھا اور اس امر الٰہی کا ہونا پہلے سے ہی مقدر ہو چکا تھا تمام اعتراض زید اور زینب کے نکاح پر اور پھر طلاق پر اور اسکے آنحضرت کے ساتھ نکاح پر خدا تعالےٰ کے ان الفاظ سے دور ہو جاتے ہین

کہ ایک امر الٰہی تھا جو ہو کر ہی رہنا تھا۔ کیونکہ پہلے سے مقدر ہو چکا تھا اور منشا الٰہی اس مین یہ تھا جیسا کہ خود اللہ تعالےٰ نے بیان فرمادیا ہے کہ اسلام سے تبنیت کی رسم اٹھادیجاوے ۔

آیت مذکورہ بالا سے مابعد کی آیت اور بھی وضاحت کے ساتھ اس امر کو بیان کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زینب کے ساتھ نکاح کرنا حکم الٰہی ہی کی تعمیل مین ہوا تھا اور اپنی کسی خواہش کو پورا کرنے کے لئے نہین تھا۔ ماکان علی النبی من حرج فیما فرض اللہ لہ ترجمہ۔ "نبی پر اس کام کے کرنے مین کوئی گناہ نہین جو اللہ تعالےٰ اسکے لئے فرض کردے۔" پادری مانرو کو اپنے اعتراض پر شرم کرنی چاہئے قرآن شریف صاف صاف کہتا ہے کہ آنحضرت کو خدا نے حکم دیا کہ نکاح کرلین۔ اس لئے آپ پر کوئی حرج نہین۔ کیا سچ یہ ہے کہ آنحضرت کو کسی گناہ کیلئے سرزنش کی گئی ہے یا یہ کہ آپ کو ہر ایک الزام اور گناہ سے جو آپکے ناعاقبت اندیش دشمن آپ پر لگادین بری اور پاک اور معصوم ٹھیرایا گیا ہے۔ یہ الفاظ کہ خدا نے پیغمبر کیلئے اسبات کو فرض کردیا تھا کہ وہ زینب سے نکاح کرین اسبات کی نفی کرتے ہین کہ آپ کا اپنا بھی کوئی ارادہ یا خواہش اس امر کا تھا۔ علاوہ ازین یہان سے صاف ثبوت ملتا ہے کہ آنحضرت کیطرف اس معاملے مین کوئی گناہ منسوب نہین کیا جا سکتا حالانکہ پادری مانرو بڑی جرأت کے ساتھ یہ دعوے کرتا ہے کہ نبی علیہ السلام اس معاملہ مین گنہگار تھے اگر پادری صاحب یہ کہین کہ رسول کریم علیہ السلام لوگون سے ڈرنے سے گنہگار ہوئے تو اسکی بھی صاف نفی اسی آیت مین موجود ہے جہان فرمایا ہے الذین یبلغون رسلت اللہ ویخشونہ ولا یخشون احدا الا اللہ یعنی جو لوگ خدا کے پیغام پہونچاتے ہین اور اسی سے ڈرتے ہین اور سوائے خدا کے اور کسی سے نہین ڈرتے یہ لفظ عام ہین یعنی کسی معاملہ مین بھی انبیاء سوائے خدا کے کسی سے نہین ڈرتے یہ خیال کرلینا کہ اس سے مراد صرف یہ ہے کہ وہ تبلیغ پیغام الٰہی مین کسی سے نہین ڈرتے

اور باقی امور مین ڈر جاتے ہین محض بیوقوفی ہے علاوہ ازین جو الفاظ ویخشونہ دونون فقرات کے درمیان آئے ہین ان سے بھی یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ خشیت کا ذکر عام ہے اور صرف تبلیغ پیغام تک محدود نہین ورنہ یہ الفاظ درمیان مین نہ آتے۔ اصل مین ان مین سے ہر ایک جملہ **الذین خلوا من قبل** کا بیان ہے کیونکہ پہلی آیت مین یہ نہین بتایا گیا کہ الذین خلوا من قبل سے کیا مراد ہے سو اس جگہ اس امر کو کھولکر بیان کیا گیا ہے کہ وہ وہ لوگ ہین جو پیغام الہی مخلوق تک پہونچاتے ہین اور خدا سے ڈرتے ہین اور خدا کے سوا کسی چیز سے نہین ڈرتے۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کافی ہے یہ ایک مشہور ضرب المثل ہے اور شاید پادری ماِنرو صاحب کو بحیثیت ایک پادری کے اپنی شہرت قائم رکھنے کیلئے ایسے ایسے بے بنیاد حیلے سوچنے پڑین جیسے مثلاً یہ کہ اسمین صرف انبیأ سابق کا ذکر ہے اور آنحضرت اس مین شامل نہین ہین مگر اُسے یاد رکھنا چاہئے کہ بحیثیت نبی ہونیکے آنحضرت ویسے ہی اس مین شامل ہین جیسے کہ دوسرے نبی۔ بلکہ اگر آنحضرت کا ذکر بالخصوصیت اس مین مقصود نہو تو ایسا بیان کرنے سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے کہ انبیاء سابق یون کیا کرتے تھے اصل مقصود کتاب اللہ کا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو ہی بیان کرنا ہے۔ علاوہ ازین بہت ساری آیات اس مضمون کی ہین جن کو خود پادری صاحب کئی دفعہ ذکر کر چکے ہین کہ آنحضرت دوسرے انبیاء کیطرح نبی ہین پادری ماِنرو کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اسکے نزدیک تو انبیاء سابق بھی معصوم نہین ہین پھر کیا وجہ ہے کہ وہ اس تعریف مین دوسرے انبیاء کو تو داخل سمجھے مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس مین داخل نہ سمجھے پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ حضرت عیسیٰ کے ڈرنے کا تو خود قرآن شریف مین ذکر اور حضرت موسےٰ **الذین خلوا من قبل** مین داخل ہین نیس اگر حضرت موسےٰ اس تعریف مین داخل ہین تو آنحضرت کیون نہین +

ہم یہ بھی بیان کر چکے ہین کہ جہان کہین کسی نبی کے سوائے خدا سے ڈرنے کا ذکر ہے اس جگہ یہ

مراد نہین کہ وہ اس دوسری چیز سے اسی طرح ڈرا جیسے انسان کو خدا سے ڈرنا چاہئے یا یہ کہ وہ اسوقت خدا سے نہین ڈرتا تھا ہم یہ بھی بیان کر چکے ہین کہ قرآن شریف نے کہین اس طرح ڈرنے کو گناہ نہین کہا ہے اور اگر کہا ہو تو یادری ماٹرو کا فرض ہے کہ وہ آیت پیش کرے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ ڈرنا اقتضائے بشریت اور انسانی کمزوری کا خاصہ ہے چونکہ نبی مین بھی بشریت ہوتی ہے اس لیئے اسکے بمقتضائے بشریت ڈرنا گناہ نہین اور نہ ہی قابل اعتراض ہے۔ ہان انبیار کے ساتھ یہ سنت اللہ ہے کہ جب کبھی بمقتضائے بشریت وہ ڈرین تو حفاظت الٰہی معاً اُن کے شامل حال ہو جاتی ہے اور انسانی کمزوری کو دبا دیتی ہے۔ جو لفظ اس آیت مین بولے گئے ہین **وتخشی الناس واللہ احق ان تخشٰہ** اِن سے بھی یہی قانون الٰہی معلوم ہوتا ہے۔ یہ الفاظ آنحضرت کے دل کی کیفیت سے آگاہ کرتے ہین اس مین شک نہین کہ وحی الٰہی دل کے اندر سے پیدا نہین ہوتی لیکن یہ انعام الٰہی دل کی حالت کے بموجب عطا ہوتا ہے اور جس دل پر وارد ہو اس کی حالت کا نقشہ دکھاتا ہے۔ آنحضرت کے دل کی پہلی حالت بمقتضائے بشریت یہ ہے کہ آپ کے دل مین ایک لمحہ سے بھی کم کیلئے لوگون کے ڈر کا خیال آیا۔ جن معنون مین اس ڈر کو چاہین لین لیکن اس خیال نے آپکے دل مین جگہ نہین پکڑی اور نہ اس کا کچھ اثر آپ کے دل پر ہوا بلکہ معاً دوسری حالت دل کی یہ ہو گئی کہ **واللہ احق ان تخشٰہ** کہ اللہ ہی سے ڈرنا چاہئے اور حقیقی ڈر اللہ ہی کا ڈر ہے نہ کہ غیر اللہ کا یہ سچ نہین کہ پہلے خیال کا بھی آپ کے دل پر کوئی اثر ہوا تھا کیونکہ پیشتر اسکے کہ وہ دل مین جگہ لے دوسری حالت بدل گئی اور وہی آپ کے دل کی مستقل حالت ہے جس پر آپ قائم رہے۔ ایک خیال بمقتضائے بشریت تھا لیکن دوسرا خیال جو صحیح اور سچا تھا اور منصب رسالت کے لازم حال پر تھا وہ معاً اس پہلے خیال کو دل سے دور کرتا اور انسانی کمزوری کو دبا دیتا ہے کیونکہ یہ دوسرا خیال حفاظت الٰہی کا لازمی نتیجہ ہے۔ جو کسی انسانی کمزوری کو نبی کے دل پر غالب نہین ہونے دیتی۔

انبیا مین بشریت کا حصہ بھی موجود ہوتا ہے اور اس لیئے بلحاظ بشریت کے اگر کوئی خیال ان کے دل مین آئے تو خدا کا فضل اور حفاظت معاً اس کو دبا دیتے ہین۔ ہمارا یہ اعتقاد نہین کہ انبیا مین بشریت نہین ہوتی البتہ یہ اعتقاد ہم رکھتے ہین اور سچا مذہب یہی ہے کہ بشریت کی کوئی کمزوری انبیا پر غالب نہین ہوتی بلکہ ہر وقت خدا کی حفاظت اور مدد اس طرح پر ان کے ساتھ لگی رہتی ہے جو بشریت کی کمزوریون کو دبائے رکھتی ہے۔ چنانچہ وتخشی الناس کے ساتھ ہی اللہ تعالےٰ کا یہ ذکر کر دینا کہ واللہ احق ان تخشٰہ یہی بتاتا ہے کہ آنحضرت کے دل کی اصلی حالت جس پر آپ قائم تھے واللہ احق ان تخشٰہ کی مصداق ہے ایسا ہی جہان حضرت موسےٰ کا ڈرنا بیان کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے فاوجس فی نفسہٖ خیفۃ موسٰی یہ بھی بلحاظ تقاضائے بشریت ہے مگر حضرت موسیٰ اس پر قائم نہین ہے اور نہ اُس کا کوئی اثر ان کے دل پر ہوا بلکہ ساتھ ہی منصب رسالت کے لحاظ سے جو ان کے دل کی حالت ہونی چاہیئے وہ بیان کر دی گئی ہے اور وہ یہ ہے فلما لا تخف انک انت الاعلےٰ یعنے اپنے مظفر و منصور ہونے کا احساس۔ اور یہی اُن کے دل کی اصلی حالت ہے اور جس پر وہ ہمیشہ قائم ہین بشری کمزوری دل پر تسلط نہین کر سکتی بلکہ نسکے آتے ہی معاً حفاظت الٰہی شامل حال ہو کر کمزوری کو دبا دیتی ہے اور خوف وغیرہ سب کچھ جاتا رہتا ہے (یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت موسےٰ کو خوف صرف یہ تھا کہ ایسا نہو لوگ ساحرون کے دھوکہ مین آجائین) اس طرح پر اللہ تعالےٰ کا انبیاء کے ساتھ تعلق ہوتا ہے کہ ہر ایک بشریت کی کمزوری معاً حفاظت الٰہی کی ذریعہ دبا دیجاتی ہی اور اس کا اثر دل پر مستقل طور پر کچھ نہین ہوتا اور نہ وہ کمزوری انپر غالب ہی آسکتی ہی ✦

قرآن شریف کی ان آیات سے معلوم ہوگا کہ اس قصہ کے مختلف واقعات بالترتیب قرآن شریف مین بیان کیئے گئے ہین سب سے پہلے وہ وحی ہے جسکے آنے پر زینب زید کیساتھ نکاح

پر راضی ہوئی۔ پھر ایک جھگڑا پیدا ہوتا ہے اور زید آنحضرت کے پاس شکایت لیکر آتا ہے اور
طلاق دینے کا ارادہ ظاہر کرتا ہے آنحضرت اُسے روکتے ہین اور آپ کو یہ بھی اندیشہ ہوتا ہے
کہ اس ناچاقی کے افشا ہونے سے لوگون کو ابتلا ہو۔ مگر آخرکار طلاق واقع ہوجاتی ہے اور عدت
بھی گزر جاتی ہے اُسکے بعد آنحضرت کو حکم ہوتا ہے کہ زینب سے نکاح کرین اور اس کی بڑی
غرض یہ بتائی گئی ہے کہ تا تبنیت کی رسم دُنیا سے دور ہوجاوے اور مسلمانون کو اپنے لے پالکون
کی مطلقہ بیویون سے نکاح کرنے مین مضائقہ نہ ہو۔ پھر یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہی وہ غرض تھی جسکے
پورا کرنے کے لیئے یہ سارے واقعات خداتعالے کے منشا کے مطابق ظہور مین آئے اسکے بعد
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بریت کیجاتی ہے تاکوتہ اندیش مخالف ٹھوکر سے بچین اور صاف
لفظون مین کہا جاتا ہے کہ آنحضرت پر اس معاملے مین کسی قسم کا الزام نہین لگایا جا سکتا اور وجہ
اسکی ساتھ ہی یہ بیان کیجاتی ہے کہ خدا نے حکم دیا تو آپ نے نکاح کیا۔ اور بالآخر یہ بھی بیان
کر دیا گیا ہے کہ یہ خیال نہین کرنا چاہیئے کہ لوگون سے ڈرتے ہین آنحضرت نے گناہ کیا کیونکہ خدا
کے رسول سوائے خدا کے کسی سے نہین ڈرتے۔ ہم یہ بھی دکھا چکے ہین کہ یہ آنحضرت کا لوگون
سے ڈرنا محض طلاق کے معنے مین تھا۔ چنانچہ بخاری بھی یہی روایت کرتا ہے کہ یہ آیت زید اور
زینب کے معاملات سے متعلق ہے یعنی ناچاقی اور طلاق کے متعلق۔ اگر ہم اس ڈر کو ان معنون مین بھی
لین کہ آنحضرت ڈرتے تھے کہ لوگ کہین گے اپنے لے پالک کی بیوی سے نکاح کر لیا تو بھی کوئی حرج نہین
اور نہ ان معنون کے لیئے سے ان دلائل مین سے کوئی دلیل کمزور ہوتی ہے جو ہم اوپر بیان کر چکے ہین
لیکن سیاق وسباق ایت انہین معنون کو چاہتا ہے جنھین ہمنے ترجیح دی ہے۔

جو واقعات اس قصے کے یہان بیان کئے گئے ہین یہی معتبر اور صحیح روایتون مین ملتے ہین
اور اسکے سوا انہین کی صحت پر یقین کیا جا سکتا ہے جو قرآن سے واقعات پا ور یون کہ مفید مطلب

نہین ہین اس لئے وہ مردود قصون اور روایتون پر بھروسہ کرتے ہین اور صحیح اور معتبر روایتون کیطرف نہین آتے کہا جاتا ہے کہ جب زینب کا زید سے نکاح ہوگیا تو ایکدن آنحضرت زید کے گھر تشریف لیگئے اسوقت وہ تو گھر مین موجود نہین تھا لیکن اس کی بیوی موجود تھی اتفاقاً آنحضرت کی نظر اسپر دروازے کے شگاف مین سے جا پڑی اور یہی باعث نکاح کا ہوگیا کیونکہ جب زید کو معلوم ہوا کہ یہ واقع ہوا ہے تو اس نے خود آنحضرت کیخاطر اپنی بیوی کو طلاق دیدی تا آپ اس سے شادی کرلیوین چنانچہ ایسا ہی ہوا صرف یہی نہین کہ قرآن شریف اس جھوٹے قصہ کی تائید نہین کرتا بلکہ صاف لفظون مین اسکی تردید کرتا ہے اگر اس قصے کو سچا مانا جاوے تو اس سے قرآن شریف کی تکذیب لازم آتی ہے کیونکہ اسکے رو سے تو آنحضرت اس معاملہ مین قابل الزام ٹھہرتے ہین حالانکہ قرآن شریف کہتا ہے کہ اس معاملہ مین آپ کسی طرح سے قابل الزام نہین۔ دوسرے اس قصے کے رو سے آنحضرت کا نکاح زینب کے ساتھ اپنی خواہش کا نتیجہ ہوگا۔ حالانکہ قرآن شریف کہتا ہے کہ خدا نے آپ پر یہ فرض کردیا تھا اور اسلیئے نکاح صرف خدا کے حکم سے ہی ہوا نہ کہ اور کسی طرح۔ اور نیز اس کو امر الٰہی بیان کیا گیا ہے تیسرے اس قصہ کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت زینب سے نکاح چاہتے تھے لیکن قرآن شریف کہتا ہے کہ آپ نے زید کو طلاق دینے سے روکا۔ اگر آپ کو نکاح کی کچھ بھی خواہش ہوتی تو آپ زید کو طلاق دینے سے کیون روکتے بلکہ خوش ہوتے۔ یہ کہنا کہ ممانعت کے لفظ اوپرے دل سے تھے اول کہنے والیکے اپنے دل کی حالت کو ظاہر کرتا ہے کہ کیسا سیاہ اور گندہ دل ہے۔ اور دوسرے بہرحال منع تو کیا خواہ اوپرے دل سے ہی کیا۔ لیکن اگر نکاح کی خواہش ہوتی تو روکتے کیون۔ علاوہ ازین اس قسم کی نصیحت کہ خدا سے ڈرو اور راستبازی اختیار کرو یہ سچے دل کی نصیحت ہوسکتی ہے جھوٹے کے مناسب حال الفاظ ہی نہین۔ چہارم قصہ کی غرض یہ ہے کہ زینب کے ساتھ نکاح کرنے مین آنحضرت کا صرف اپنی خواہشات کو پورا کرنیکا مقصد تھا۔ حالانکہ قرآن شریف کہتا ہے کہ اس نکاح سے خدا کی ہی غرض تھی کہ

تہنیت کی رسم کو دور کیا جاوے۔ ۲ ترجمہ جن الفاظ مین زید کو بیان کیا گیا ہے وہ بھی اس قصے کو جھوٹا ٹھہراتے ہین بجائے اس طرح کہنے کے کہ جسوقت تو زید کو کہتا تھا کہ قرآن شریف فرماتا ہے وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ۔ جب تو کہتا تھا اس شخصکو جسپر خدا نے احسان کیا اور جسپر تونے احسان کیا۔ اس مین دو باتین زید کے متعلق بیان کی گئی ہین اول یہ کہ وہ اُن لوگون مین سے ہے جن پر اللہ نے انعام کیا اسلیئے وہ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ مین شامل ہوا اور یہی وہ مرتبہ ہے جسکے لیئے تمام مسلمان خواہش رکھتے ہین اب اگر یہ مانا جائے کہ زید نے یہ جانکر زینب کو طلاق دی تھی کہ رسول خدا اُس سے نکاح کی خواہش رکھتے ہین اور ان تمام واقعات کو سچا مانا جائے جو میور صاحب نے اپنی کتاب مین لکھے ہین تو زید انعمت علیہم مین ہرگز نہین ہوسکتا بلکہ اس صورت مین یہ واقع اُسکی بڑی بے عزتی اور گمراہی کا ثبوت ہوگا کہ ایسے شخص کے پیچھے وہ چلتا تھا جو اپنی نفسانی خواہشون کے پورا کرنے مین دن رات لگا رہتا تھا۔ پس زید کو ان لوگون مین داخل کرکے جنکو قرآن شریف نے منعم علیہ مانا ہے خدا کے کلام نے اس جھوٹے قصہ کی تردید کردی ہے۔ پھر زید کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ رسول خدا کے بھی اسپر بہت احسان ہین لیکن اگر ایسا امر آنحضرت کیطرف سے ظہور مین آیا ہوتا تو آپکے سارے احسان اور انعام باطل اور کالعدم ہو جاتے اور قابل ذکر نہ ہوتے چہ جائیکہ خصوصیت سے اُن کا ذکر کیا جاتا پس جب قرآن شریف کا لفظ لفظ اس قصے کی تردید کرتا ہے تو اسکو صحیح ماننے کیلیئے ہمارے پاس کوئی وجہ نہین ہے کیونکہ ہر ایک روایت جو قرآن شریف کے مخالف ہو وہ رد کرنی چاہیئے +

جب یہ معلوم ہوگیا کہ قرآن شریف اس قصے کی تردید کرتا ہے تو اب ہم یہ دیکھینگے کہ آیا واقعات اسکو کیسا ٹھہراتے ہین سب سے پہلے یہ مسلم ہے کہ زینب آنحضرت کی حقیقی پھوپھی کی بیٹی تھی اور اسلیئے آنحضرت اُسکو بچپن ہی سے جانتے تھے۔ دوسرے وہ ابتدا مین ہی اسلام لے آئی تھی

اور یہ ممکن ہی نہ تھا کہ آنحضرت نے اُسے دیکھا ہو تیسرے وہ مہاجرہ بھی تھی۔ چوتھے اسلام سے پہلے
عرب میں پردہ کی رسم نہ تھی اور عورتیں اور مرد باہم ملتے جلتے تھے اور اسلام میں بھی پردہ کا حکم اسوقت
آیا جب زینب کا نکاح آنحضرت سے ہوچکا تھا۔ یہ کسقدر جھوٹ ہے کہ اتفاقاً آنحضرت کی نظر زینب پر
جا پڑی۔ زینب ہمیشہ آنحضرت کے سامنے رہی بلکہ آپکے سامنے جوان ہوئی بیاہی گئی اور پھر خود آپنے
اُس کا نکاح زید سے کرایا اور خود اُسکے ساتھ نکاح کرنا منظور نہ کیا۔ کیا یہ سچ نہیں کہ آنحضرت کے ساتھ
نکاح کیوقت اُس کی عمر پینتیس ۳۵ سال کی تھی اور یہ عمر گرم ملکوں میں عورتوں کیلئے بڑھاپے کی عمر ہوتی
جاتی ہے۔ پھر ایک اور امر قابل غور ہے اگر کوئی اس قسم کا واقعہ ہوا ہوتا جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے تو ضرور
تھا کہ آپکے پیروؤں کے دل میں سخت شبہات پیدا ہوتے۔ اگر آپ ایک ایسے ناجائز فعل کے
مرتکب ہوتے تو آپکا سلسلہ ایک لحظہ میں درہم برہم ہوجاتا۔ زید تو پہلے آپکی صداقت کا منکر ہوتا
کیونکہ اسکو ان تمام واقعات کی خبر تھی اور اس کی شہرت فوراً پھیل جاتی ایسے واقعہ پر ایک آدمی بھی
آپکے ساتھ نہ رہ سکتا کیونکہ یہ فعل بظاہر صورت ایسا قبیح ہے کہ مرشد اور مرید کا نازک تعلق اس سے
ایکدم میں ٹوٹ جاتا ہے آپکے پیروؤں کا تعلق آپکے ساتھ صرف راستبازی ہی کی بنا پر تھا
اور آپ کو وہ قابل پیروی نمونہ جانتے تھے کونسی چیز تھی جسکو دیکھکر آپکے اصحاب نے اپنے وطن اور
جائدادیں چھوڑ دیں۔ دکھ اور تکالیف سہے اور جانوں کو بے دریغ قربان کر دیا۔ یہ صرف آپ کی کامل
راستبازی اور صحابہ کے دلوں میں آپکے نقش قدم پر چلنے کی سچی خواہش تھی۔ پھر اس طرح کا ناجائز
فعل کو آپکے اندر پاکر آپکے ساتھ رہ سکتے۔ لیکن ہمیں صاف شہادت ملتی ہے کہ ایک صحابی کے دل میں
بھی کسی قسم کا شک یا شبہ پیدا نہیں ہوا۔ کیا اس سے قطعی اور یقینی ثبوت نہیں ملتا کہ یہ قصہ جسے یورپ
صاحب پیش کرتے ہیں ایک سراسر جھوٹ ہے اور اسکی اصلیت آنحضرت کی زندگی کے واقعات میں
کچھ بھی نہیں۔ ان سب امور [illegible] قرآن شریف [illegible] اور واقعات [illegible]

اس قصّے کا جھوٹا ہونا ثابت ہوتا ہے +

اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ خود اس قصّے کی سند کیا ہے۔ میور صاحب طبری کا حوالہ دیتے ہین طبری ایک ایسا مورخ ہے جسنے بغیر تنقید کے روایات کو اپنی کتاب مین داخل کیا ہے۔ صرف ایک محدثین کا فرقہ ہی ایسا ہے جسنے احادیث کا جھوٹ اور سچ پرکھنے مین محنت شاقہ اٹھائی ہے۔ طبری ان لوگون مین سے نہین ہے۔ اور نہ ہی اسنے اپنی تاریخ یا تفسیر مین جھوٹ اور سچ کو الگ کرنیکی کوئی کوشش کی ہے بلکہ ہر ایک روایت کو جو اسے ملگئی بلا تنقید درج کر دیا ہے اسلیئے کسی روایت کے معتبر یا غیر معتبر ہونے کو دیکھنے کیلئے ہمین محدثین کیطرف رجوع کرنا چاہیئے طبری نے جو روایت لی ہے معلوم ہوتا ہے کہ کسقدر سادگی سے بلا تحقیق اُسنے اس قصہ کو درج کر دیا ہے۔ یہ قصہ دوبار طبری مین مذکور ہے اور روایت لفظی مین دونو روایتون مین تھوڑا سا اختلاف ہے راوی دونون صورتون مین ایک ہی بیان کئے گئے ہین۔ طبری محمد بن عمر سے وہ عبد اللہ بن عامر اسلمی سے اور وہ محمد بن یحییٰ بن حبان سے اس روایت کا ذکر کرتا ہے طبری جو ایک چوتھی صدی کا مورخ ہے صرف تین راویون کے ذریعہ ایک روایت کو آنحضرت تک پہونچاتا ہے اور اسکی روایت...... اسی سے مشکوک ہوجاتی ہے اب ہم ہر سہ راویونکو علیحدہ علیحدہ لیتے ہین اخیر جس شخص تک روایت پہونچائی جاتی ہے۔ وہ محمد بن یحییٰ بن حبان ہے لیکن چونکہ وہ صحابہ مین سے نہین اسلیئے ایک ایسے قصہ کو جو اسکے سامنے نہین ہوا صرف اسی کی سند پر کوئی وقعت نہین دیجا سکتی یہ روایت کسی صحابی تک نہین پہنچتی اور اسلیئے ہم اسے رد کرنے پر مجبور ہین یہ محمد سنہ ۱۲۱ھ مین فوت ہوا۔ محمد سے عبد اللہ بن عامر اسلمی روایت کرتا ہے جو سنہ ۱۵۰ھ مین مرا اور اسکو اسماء الرجال کی کتابون مین احد من الضعفاء لکھا ہے اسلیئے اسکی روایت بھی قابل اعتبار نہین رہتی۔ علاوہ ازین انھین کتابون مین یہبھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ شہرت کی غرض سے کوئی روایت نہین کرتا اور نہ ہی محمد بن عمر اس سے کچھ روایت کرتا ہے اس لیئے اس کی

روایت محمد بن یحییٰ سے اور اس سے محمد بن عمر کی روایت محدثین کے نزدیک بالکل ناقابل اعتبار ہے محمد بن عمر کی نسبت جس سے طبری کو روایت پہنچی ہے ابھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ اسکا پورا پتہ نہیں دیا گیا۔ علاوہ ازیں یہ روایت طبری نے صرف ایک ہی ذریعہ سے پہنچائی ہے۔ حالانکہ محدثین کے نزدیک اعلیٰ درجہ کی صحت روایت کیلئے ضروری ہے کہ وہ مختلف ذریعوں سے مختلف آدمیوں کو پہنچی ہو جس سے جھوٹ یا سازش کا شک جاتا ہے اسلئے ایک ایسی روایت کی بنا پر جو ہر طرح سے جھوٹ ثابت ہوتی ہے آنحضرت پر حملہ کرنا ایمانداری کا کام نہیں ہے +

ان سب امور پر غور کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس قصہ کی بنا پر پادری مارزو نے آنحضرت پر گناہ کا الزام لگایا ہے وہ قصہ ہی جھوٹا ہے۔ اور قرآن شریف ایسے الزام کی تردید کرتا ہے۔

ایک اور پہلو سے غور کر کے ہم اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ عرب ایک غیور قوم تھی اور بہ سبب اپنی شرافت کے احساس کے ان میں غیرت کا مادہ بہت تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بھی ایسے معمولی نہیں تھے اور نہ ہی وہ عورتیں جنھوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا تھا کنجریاں تھیں بلکہ کیا مرد اور کیا عورت سب باغیرت اور پاکدامنی کی قدر کرنیوالے تھے۔ ایک موقعہ پر جب آنحضرت اپنی کسی بیوی کے ہمراہ جا رہے تھے تو دو آدمی پاس سے گذرے آپ نے اسیوقت انکو بلا کر فرمایا کہ یہ میری بیوی ہے۔ یہ اسلئے نہیں تھا کہ ان گذرنیوالے دونوں میں آپ کی نسبت کوئی شک پیدا ہوا تھا۔ بلکہ آپکی غیرت یہ نہیں چاہتی تھی کہ امکانی طور پر بھی آپ کے صحابہ میں سے کسی کے دل میں کوئی شک پیدا ہو اور اسی کامل عصمت اور پاکدامنی کے لحاظ سے جو آپکو حاصل تھی۔ آپنے یہ فرمایا اس جگہ یسوع میں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک بین فرق ہے۔ انجیل میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک موقعہ پر یسوع ایک کنجری کے ساتھ ایک ایسے مقام پر پایا گیا جہاں اور کوئی انسان نہ تھا۔ اب اس بار یک فرق پر غور کرو کہ آنحضرت اپنی بیوی کے ساتھ جا رہے تھے لیکن پھر بھی

آپنے اسے ضروری سمجھا کہ اس پاک و نازک تعلق کے مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے کیلئے جو آپکے مریدون اور آپکے درمیان تھا کسی کو امکانی طور پر بھی شک کی گنجایش نہین ہونی چاہئے۔ برعکس اس کے یسوع باوجود اسکے کہ شادی بھی نہوئی ہوئی تھی اور انجیلون کے بیان کے مطابق شراب کے استعمال سے بھی پرہیز نکرتا تھا ایک مشہور بُرے چال چلن کی عورت کیساتھ اکیلا گفتگو کرتا ہوا پایا گیا اور اسنے کچھ بھی خیال نکیا کہ ان لوگون کے دلونمین جنھون نے اسی حالت مین دیکھا ہوگا کیا کیا خیال گذرے ہونگے حالانکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اسکے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ ہی جا رہے تھے اسقدر محتاط ثابت ہوئے۔ ایک ایسے غیور آدمی کی نسبت جو اپنی عصمت کی حفاظت مین ہر وقت محتاط ہو ایسے الزام کا لگانا جیسا کہ زینب کے معاملے مین آنحضرت پر لگایا گیا ہے پادریونکی شرارت ہے۔ ان واقعات سے یہ بھی پتہ ملتا ہے کہ آپکے صحابہ کو کیون آپکی کامل راستبازی پر پورا یقین تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ اس کی راہ مین اپنی جان قربان کرنیکو کچھ بھی مشکل نہ سمجھتے تھے لیکن برخلاف اسکے یسوع کے مریدونکو ایسا موقعہ ہی نہین ملا کہ وہ اس کی کامل راستبازی پر پورا یقین حاصل کرتے اسی لیے جب ذرا سی تکلیف یسوع کو پہونچی تو بعض نے اسے پکڑوا دیا بعض نے لعنت بھیجی اور باقی سب بھاگ گئے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو کامل یقین صحابہ کو آنحضرت کی راستبازی کی نسبت تھا۔ اس کا عشر عشیر بھی یسوع کے مریدونکو یسوع کی نسبت حاصل نہین ہوا کہ بیکمزوریان جنکا ذکر انجیل مین موجود ہے انکی ایمانی کمزوریونکی وجہ تھین۔ یہان ہم پادری صاحب سے دریافت کرنا چاہتے ہین کہ اگر وہی واقعات جو یسوع کی نسبت انجیلونمین لکھے ہین کسی اور نبی کی نسبت ہوتے تو آپکی نظرمین وہ کیا کیا عیب جوئی کرتے اسکا جواب دیتے وقت صاحب کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یسوع کے ہمعصرون کی رائے یسوع کی نسبت کیا تھی اور اس آیت کا بھی مطالعہ کرنا چاہئے جہان انجیل نویس بتاتا ہے کہ یسوع کو اسکے ہمعصر اُسے شرابی گنہگارون یعنی کنجریون کا دوست کہتے تھے +

دوسرا موقعہ جہاں پادری مارو کے نزدیک آنحضرت کا کوئی گناہ بیان کیا گیا ہے ۔

آیت ذیل ہی انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ ولا تکن للخائنین خصیماً (سورہ نساء) ہمنے یہ کتاب حق کے ساتھ تیری طرف اتاری ہی تاکہ لوگون کے درمیان اس طرح فیصلہ کرے جس طرح خدا تجھے دکھاتا ہے اور دغابازون کی طرف سے جھگڑنیوالا کبھی مت ہو۔ شاید ناظرین حیران ہون کہ پادری مارو اسی آیت سے آنحضرت کا کوئی گناہ ثابت کرنا چاہتے تھے مگر یہان کسی گناہ کا ذکر نہین۔ پادری صاحب کی دلیل یہ ہی کہ چونکہ آنحضرت کو کہا گیا ہی کہ دغابازونکی طرف سے جھگڑنے والے مت ہو اس لئے ضرور ہو کہ پیغمبر صاحب کسی دغاباز کیلئے جھگڑے ہون مگر ایسی دلیل پادری مارو کی بے سمجھی ظاہر کرتی ہی جب خدا تعالے کسی نبی کو کوئی حکم دیتا تو اس سے منشا یہ نہین ہوتا کہ وہ اسکی خلاف ورزی کر چکا ہی شاید اس بیہودگی کو پادری صاحب دوبارہ غور کر کے خود ہی سمجھ لین پادری مارو نے اپنے نزدیک کوئی "فاضل مفسر" بنا رکھا ہوا ہی جسکے پیچھے وہ بلا تحقیق چلتا ہے اور قرآن کے الفاظ پر کبھی غور نہین کرتا اگر ان فاضل مفسرین نے جنکا حوالہ پادری مارو دیتا ہے اپنی رائے بیان کی ہی تو جبتک اسکی معقولیت قرآن کے الفاظ سے نہ دکھائی جاوے وہ قابل تسلیم نہین ہو سکتی اور اگر وہ کسی روایت کی نقل کرتے ہین تو روایت کا صدق و کذب زیر بحث ہوگا۔ آیت مذکورہ بالا کی شان نزول کے متعلق ایک قصہ مختلف پیرایونمین بیان کیا گیا ہے اور اگرچہ انمین سے کوئی روایت بھی حدیث کے اعلے درجہ کی صحیح طبقہ مین سے نہین ہی لیکن وہ روایت جو کسیقدر تسلیم کیا جاسکتا ہی وہی ہے جسے جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب لباب النقول فی اسباب النزول مین بیان کیا ہی اور وہ اس طرح پر ہے ۔

"ترمذی اور حاکم وغیرہ ہمانے قتادہ بن نعمان سے روایت کی ہی کہ ہم مین سے کچھ لوگ تھے جن کو بنو ابیرق کہتے تھے ۔ بشر ۔ بشیر ۔ مبشر ۔ اور بشیر ایک منافق آدمی تھا جو صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

ہجو کیا کرتا تھا اور پھر ان شعروں کو دوسرون کیطرف منسوب کر دیتا تھا اور یہ لوگ اس قدر حاجتمند تھے کہ جاہلیت مین اور اسلام مین فاقہ تک نوبت پہنچی رہتی تھی اور لوگون کا کھانا مدینہ مین کھجورین اور جو تھے۔ میرے چچا رفاعہ نے ایک بوجہ درمک کا خریدا اور اسکو ایک مکان مین رکھا یا جہان اُسکے سلاح اور تلوار وغیرہ بھی تھے اس مکانمین نقب لگی اور طعام اور سلاح دونو چرائے گئے صبح کو میرا چچا آیا اور کہا کہ ہمارے مکان مین نقب لگی ہے اور ہمارا طعام اور سلاح دونو چوری گئے تو ہم مین پس ہمنے گھر مین تلاش شروع کی اور پوچھنے لگے تو ہمکو کہا گیا کہ رات کو بنو ابیرق آگ جلاتے دیکھے گئے ہین اور ہمارا خیال ہے کہ وہ تمہارا ہی طعام تھا۔ بنو ابیرق نے کہا کہ ہمارے خیال مین چور لبید بن سہل ہے اور یہ شخص ہم مین ہی تھا جسکے متعلق صلاحیت اور اسلام بیان کیا جاتا تھا جب لبید نے سُنا تو اُسنے تلوار کھینچ لی کہ مین اور چوری کرون۔ خدا کی قسم مین تمکو تلوار ہی ہلاک کر دون گا ورنہ اس چوری کو کھولو۔ بنو ابیرق نے کہا کہ ہمپر حملہ مت کر وہ ہم تمکو چور نہین کہتے پھر ہم گھر مین پوچھنے لگے۔ یہان تک کہ ہمین کوئی شک باقی نہ رہا کہ بنو ابیرق نے ہی یہ کام کیا ہے میرے چچا نے مجھے کہا کہ تم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور آپکے پاس یہ ذکر کرو سو مین آنحضرت کے پاس گیا اور عرض کیا کہ اس طرحسے ہم مین سے کچھ اہل بیت ہین جنھون نے میرے چچا کے مکان مین نقب لگا کر طعام اور ہتھیار نکال لئے ہین طعام کی تو اب ہمین حاجت نہین لیکن ہمارے ہتھیار ہمین واپس دیدین آپنے فرمایا کہ مین غور کرون گا۔ جب بنو ابیرق نے یہ سُنا تو ایک آدمی کے پاس آئے جسکو اسیر بن عروہ کہتے تھے اور اس معاملہ مین اسکے ساتھ گفتگو کی پس چند آدمی اس مکان کے رہنے والون سے جمع ہو گئے اور کہا کہ یا رسول اللہ قتادہ بن نعمان اور اسکا چچا ہم مین سے چند آدمیونکو جو اہل صلوح اور مسلمان ہین چوری کا الزام لگاتے ہین اور انکے پاس کوئی دلیل یا ثبوت اس امر کا نہین ہے قتادہ کہتا ہے پھر مین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو آپنے فرمایا کہ کیا تو ان لوگونپر جنکو اہل صلاح

اور مسلمان کہا جاتا ہے بغیر دلیل اور ثبوت کے چوری کا الزام لگاتا ہے مین واپس آیا اور اپنے چچا کو خبر دی اُسنے کہا اللہ ہی مددگار ہو ابھی عرصہ نہ گذرا تھا کہ قرآن شریف کی یہ آیت نازل ہوئی۔ اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتَابَ الآیہ" +

اب اس تمام قصہ مین سے پادری مانزو کو چاہئے کہ وہ الفاظ پیش کرے جہان رسول خدا کے گناہ کا ذکر ہے۔ جو کچھ آنحضرت نے کیا واقعات کے ماتحت وہ بالکل حق تھا قتادہ نے اپنے دعوے پر کوئی دلیل پیش نہین کی اور نہ ہی وہ اپنے دعوے کو ثابت کر سکا کیونکہ جب آنحضرت نے اس سے ثبوت مانگا تو وہ خاموش ہو کر چلا گیا اور اُسکے چچا نے بھی ثبوت اور شہادت ضروری سے مایوس ہو کر یہی کہا کہ اب اللہ ہی ہماری مدد کرے گا۔ بحیثیت ایک جج کے آنحضرت قتادہ کا دعوےٰ خارج کرنے مین بالکل حق پر تھے کیونکہ اُسنے کوئی شہادت پیش نہین کی جج کسی مقدمہ کا فیصلہ صرف شہادت کے رو سے ہی کر سکتا ہے اور اگر اسکے سامنے کوئی شہادت نہو تو وہ دعوے کو خارج کرنے مین انصاف اور حق کی کارروائی کرتا ہے اگر در حقیقت ایسا فیصلہ ٹھیک نہو تو جج قابل الزام نہین بلکہ دعوے کرنے والا قابل الزام ہے کیونکہ اُسنے ضروری شہادت پیش نہین کی اسلئے اگر آنحضرت کا ارادہ قتادہ کے خلاف فیصلہ کرنیکا تھا بھی تو بھی آنحضرت پر اسمین کوئی الزام نہین آسکتا۔ یہ کسقدر بیوقوفی ہے کہ یہ کہا جائے کہ چونکہ ثبوت کے نہونیکی وجہ سے آنحضرت ایک دعوے کو خارج کرنا چاہتے تھے اس لئے آپ گنہگار ہین۔ کیا کہین آپ کو خدا نے یہ حکم دیا تھا کہ جس دعوے کی شہادت مدعی پیش نکرے اسکا فیصلہ مدعی کے حق مین دینا چاہئے۔ انبیا پر نکتہ چینی کی عادت نے پادری مانزو کو اس بیہودگی کیلئے مجبور کیا ہے ورنہ وہ منہ سے نکالنے سے پہلے ضرور اسباب کو سوچ لیتا +

اگر آنحضرت قتادہ کے خلاف فیصلہ کر بھی دیتے تو وہ بالکل حق بجانب ہوتے کیونکہ جج کا کام صرف شہادت پیش کردہ پر غور کرنا ہے لیکن وحی الہی نے فی الفور آپکو اطلاع دیدی کہ اگرچہ مدعی کے پاس تھا

ثبوت کوئی نہین لیکن حقیر وہی ہو اسلئے آپنے اسی کے مطابق فیصلہ دیا جو اللہ تعالے نے آپکو دکھایا تھا اور آپ دغابازون کی طرفدار کبھی نہین بنے نہ کبھی ایسا ارادہ کیا بلکہ یہ الفاظ کہ لا تکن للخائنین خصیما۔ آنحضرت کے دلکے اصلی حالت سے آگاہ کرتے ہین کہ وہ پاک دل کبھی دغابازونکا طرفدار ہو ہی نہین سکتا۔ اس طرح یہ آیت مذکورہ بالا آنحضرت کے مُنہ مین یون ہو گی کہ خدا نے مجھپر حق کے ساتھ یہ کتاب اُتاری ہو تا کہ لوگون کے درمیان مین اسی طرح فیصلہ کرون جسطرح کہ مجکو اللہ تعالے نے مجھے دکھائے اور مین کبھی بھی دغابازونکا طرفدار نہین ہون گا ایک سمجھدار آدمی پادری مانرو پر تعجب کرے گا کہ کہان سے گناہ کا نتیجہ نکالا ہے +

پادری مانرو کا ایک خط بنام ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز اور اسپر ریویو

"جناب ایڈیٹر صاحب - مجھے ریویو آف ریلیجنز کا جولائی نمبر پہونچا اور مین نے دیکھا ہو کہ اسکے چالیس صفحون سے تیس صفحہ نمبر میرے ایک رسالے پر ریویو ہے۔ عرض یہ ہے کہ یہ رسالہ کوئی نئی تصنیف نہین ہو جیسا کہ ریویو کی تمہیدی ریمارکس سے شک گذرتا ہے بلکہ محض اس خط و کتابت کو جو جنوری ۱۹۰۲ء سے چند ماہ پہلے اپی فینی مین چھپتی رہی تھی دوبارہ ایک رسالے کی صورت مین کسیقدر نئے نوٹون کے ساتھ شائع کیا گیا ہے اور ان چٹھیون کی جب وہ اخبار مذکور مین چھپتی تھین مرزا صاحب کو بخوبی اطلاع تھی اس خط و کتابت کے بعض حصون پر بحث کرتے ہوئے جو بیانات میگزین مین کئے گئے ہین مین انکی تردید کرنیکو بالکل تیار ہون اگر مرزا صاحب میرے لئے راستہ کھولدین۔ اپی فینی مین اس خط و کتابت کا سلسلہ اسلئے بند ہو گیا تھا جیسا کہ مرزا صاحب کو بخوبی علم ہونا چاہیے کہ مرزا صاحب نے اپنے اس دعوے کی تائید مین کہ قرآن شریف مین ذنب انسانی کمزوری کے معنون مین آیا ہے۔ کوئی قرآن شریف کی آیت پیش نہین کی۔ یہی نقص قرآن شریف کی آیت کو پیش نکرنے کا جون کے ریویو

میں ظاہر ہے۔ جب اس جائز درخواست کو کہ قرآن شریف کی ایسی آیت پیش ہونی چاہیے پورا کر دیا جاوے گا تو اسوقت مرزا صاحب کو یہ کہنے کا حق ہوگا۔ کہ اُنھوں نے آخرکار اور بہت توقف کے بعد اس خط وکتابت کی بڑی تنقیح کو طے کر دیا ہے جبتک یہ نہ کیا جاوے تو دوسرے امور پر لکھنے سے خواہ وہ تحریرین کتنی ہی لمبی کیون نہ ہون یہ امر واقع چھپ نہین سکتا کہ ضروری تنقیح کو مرزا صاحب جان بوجھ کر ٹالتے ہین۔ ان حالات کے ماتحت انھین مجھسے یہ امید نہین کرنی چاہیے کہ مین بحث کے دوسرے کسی پہلو پر غور کرون اور نہ ہی ایپی فینی کے ایڈیٹر سے کبھی یہ امید رکھنی چاہیے کہ وہ اس خط وکتابت کو پھر کھولے گا۔ بڑی تنقیح جیسا کہ مین کہہ چکا ہون وہ یہ ہے کہ قرآن مین جو لفظ ذنب ۳۷ مقام پر آیا ہے جیسا کہ پادری اپسن نے بیان کیا ہے انمین سے کونسے مقام کو مرزا صاحب اپنی رائے کی تائید مین پیش کرتے ہین ابتک اُس قسم کی کوئی آیت پیش کرنے سے حالانکہ باربار اُنسے مطالبہ کیا گیا ہے مرزا صاحب کا مقدمہ خارج ہو چکا ہے اور اب اُس کی دوبارہ سماعت اُسی صورت مین ہوسکتی ہے کہ وہ اُس نقص کو دور کردین جسکی وجہ سے ان کا مقدمہ خارج کیا گیا ہے۔"

آپ کا تابعدار جیمس مانرو

مانرو صاحب کا یہ خیال ہے کہ اب عصمت کے مضمون پر قلم اٹھانے سے ہم روکے گئے ہین۔ جب تک کہ پادری صاحب بحیثیت جج یہ فیصلہ نہ دین کہ ہمنے ذنب کے معنے درست کیے ہین لیکن یہ اُنکی غلطی ہے ان کا یہ عذر کہ یہ رسالہ نئی تصنیف نہین ہے قابل سماعت نہین کیونکہ بہرحال پبلک کے سامنے یہ نئی صورت مین پیش ہوا ہے اور ہمین حق حاصل ہے کہ اسپر ریویو کرین۔ پادری صاحب نے معلوم ہوتا ہے اتنی تکلیف نہین اٹھائی کہ عصمت پر وہ ہمارے اس تیس صفحے کے مضمونکو پڑھ بھی لیتے جسکا وہ حوالہ دیتے ہین کہ جولائی کی میگزین مین انھون نے دیکھا ہے اگرچہ باوجود اس لاعلمی کے بھی کہ ہمنے اس مضمون مین کیا لکھا ہے پادری صاحب لکھتے ہین کہ مین "اُسکی تردید کیلئے بالکل تیار ہون" حالانکہ مضمونکو پڑھا ایک دفعہ بھی نہین شاید پادری صاحب کے نزدیک نیک نیتی سے اور ایمانداری تو مباحثہ کرنا اسی کا نام ہے

لیکن اگر وہ ہمارے اس مضمون کو پڑھ لیتے تو ہمیں یہ خط لکھنے کی حاجت نہ ہوتی کیونکہ ہمنے تمہید مین لکھدیا تھا کہ ہم انبیاء کے ان افعال پر جن کو گناہ کہا جاتا ہے بحث کرنے کے بعد اس مسئلہ کے دوسرے پہلوؤن پر بھی غور کرینگے جن مین لفظ ذنب پر بحث بھی ہوگی۔ دیکھو صفحہ ۲۵۵۔ سطر ۹ ۔ ۱۰ ۔ ۱۱

پادری مانرو صاحب مباحثہ مین حیلون کو خوب کام لاتے ہین اور اظہار حق ہرگز نہین چاہتے جب مفتی محمد صادق صاحب نے ۲۲۔ اگست ۱۹۰۲ء کے اپی فینی مین خط لکھا تھا جس مین ظاہر کیا تھا کہ ہم نے ریویو آف ریلیجنز کی بنا پر تین وجوہات کئے تھے کہ ذنب کے معنے کلام اللہ کی ان آیات مین جہاں انبیاء کے ذنب کا ذکر ہے صرف انسانی کمزوری ہین تو پادری مانرو نے اسوقت یہ جواب دیا تھا کہ چونکہ قرآن شریف مین انبیاء کیطرف ایسے افعال منسوب کئے گئے ہین جو گناہ کے مفہوم مین آتے ہین اس لئے ذنب کے یہ معنی انبیاء کے متعلق نہین لئے جا سکتے لیکن اب جب ہمنے یہ ثابت کیا کہ قرآن شریف مین کسی نبی کی کسی گناہ کا ذکر نہین ہے تو پادری صاحب کہتے ہین کہ یہ باتین ہی غیر متعلق ہین اور وہ اس طرف توجہ نہین کر سکتے۔ تعجب ہے کہ ایک طرف تو ذنب کے معنوں کی تردید مین کس زور و شور سے اس بحث کو پیش کیا۔ کہ انبیاء کے گناہون کا ذکر قرآن شریف مین ہے اور جب اس باطل خیال کی تردید کیگئی تو جواب یہ دیتے ہین کہ یہ غیر متعلق باتین ہین پادری صاحب کیون عمداً پبلک کو دھوکہ دے رہے ہین اگر وہ اپنے آپ کو اس الزام سے بری سمجھتے ہین تو پھر وہ دوسری مثل ان پر صادق آئے گی کہ دروغگو را حافظہ نباشد۔ ۱۳۔ ستمبر ۱۹۰۲ء کے اپی فینی مین پادری صاحب نے یہ مضمون چھپوایا تھا جو اب ان کے رسالہ مین پھر چھپا ہے۔ جس کو ہم شبہ کے دور کرنے کے لئے ان کے اپنے الفاظ مین یہان نقل کرتے ہین +

"قرآن شریف مین یہ لکھا ہے کہ کس طرح حضرت آدم نے خدا کی نافرمانی کی اور ممنوع پھل کھایا پھر سورۃ اعراف مین یہ لکھا ہے کہ کس طرح حضرت آدم شرک جیسے سخت گناہ کے مرتکب ہوئے

آدم - کہ ان افعال کا جن کا ذکر قرآن شریف مین ہی مفتی صاحب کیا نام رکھتے ہین کیا ان دونون
فعلون مین سے ہر ایک فعل گناہ تھا یا انسانی کمزوری جو صرف فطرت انسان مین ہی ایسا ہی یہ بیان
کیا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم نے تین دفعہ جھوٹ بولا - کیا یہ جھوٹ گناہ تھے یا صرف انسانی کمزوری حضرت
موسے کی نسبت سورہ قصص مین یہ ذکر ہے کہ اسنے ناحق ایک خون کیا - کیا مفتی صاحب کی رائے مین
گناہ تھا یا انسانی کمزوری پھر سورہ اعراف مین مفصل ذکر ہے کہ کیونکر ہارون نے اسرائیلیون
کو گوسالہ پرستی مین مدد دی اور ترغیب دی کیا مفتی محمد صادق صاحب کے نزدیک ہارون کا یہ فعل گناہ
تھا یا نہین - مین اس فہرست کو بہت لمبا کر سکتا ہون اور حضرت نوح ع - یونس - داؤد -
وغیرہ علیہم السلام کے گناہ قرآن کریم مین دکھا سکتا ہون - لیکن بالفعل اسی قدر کافی ہے - اب
دیکھنا چاہئے کہ کسقدر اصرار کے ساتھ مانرو یہ مطالبہ کرتا ہی اور اس فیصلہ کو کہ انبیاء کے یہ فعل
گناہ تھے یا نہین - ذنب کے معنون کے تصفیہ کیلئے کس قدر ضروری سمجھتا ہے لیکن جب اصل حقیقت
ان باتون کی پیش کی گئی تو کس چالاکی سے وہ ہمین خط لکھتا ہی کہ ان باتون کی اسے کچھ ضرورت
نہین پہلے تو سوال یہ کیا جاتا ہے کہ فلان نبی کے فلان فعل کا جس کا ذکر قرآن شریف مین
ہے کیا نام رکھنا چاہئے اور جب جواب دیا جاتا ہے تو کس دلیری سے وہ الٹا الزام ہمکو دیتا ہے کہ ہم امر
تنقیح طلب کو ٹال رہے ہین اصل بات یہ ہے کہ پادری صاحب کو اپنے مطلب کے لئے کوئی ٹیڑھا رستہ
اختیار کرنے مین کسی قسم کی شرم یا پرہیز نہین ہے - ایسے شخصکو کس طرح یقین دلایا جا سکتا ہے
کہ انبیاء واقعی معصوم تھے - جبتک کہ پہلے اسے اس بڑے دھوکہ سے نہ نکالا جاوے جو وہ سمجھتا ہے
کہ یسوع مسیح آسمان پر چڑھ گیا تھا - اور جب تک اسے یہ معلوم نہو جاے کہ یہ اس کا فرضی خدا مٹی کے
نیچے پڑا ہے - ہان سری نگر کی مقدس خاک مین لیٹا ہوا ہے - پادری صاحب سے ہمارا ایک اور
سوال بھی ہی کہ کیا استغفار کے ان معنون کو جو ہم نے کئے ہین وہ صحیح تسلیم کرتے ہین یا نہین یعنی

یہ کہ استغفار صرف گناہون کی معافی مانگنے کا نام ہی نہین ہے بلکہ گناہ سے حفاظت طلب کرنا بھی اس کا اعلےٰ اور اہم مفہوم ہے اس کا ثبوت ہم بارہا پیش کر چکے ہین اور دکھا چکے ہین کہ جنتی جنت مین داخل ہونے کے بعد بھی ہمیشہ استغفار کرتے رہین گے۔ ہم امید کرتے ہین کہ پادری صاحب اس کا جواب دیکر ہمین ممنون کرینگے +

پادری مانزو کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مسیح موعود کبھی کسی مباحثہ مین اسکے فریق ثانی نہین بنے اس کا یہ کہنا کہ حضرت مرزا صاحب کو ایپی فینی کے سارے مضامین سے بخوبی اطلاع تھی پایہ کہ جو بحث پادری صاحب نے شروع کی تھی اسکے بند ہونے کا ان کو علم تھا سیاہ جھوٹ ہے حضرت مسیح موعود کیطرف سے ایک مفصل مضمون عصمت انبیاء پر مئی ۱۹۰۲ء کے پرچے مین چھپا تھا مگر پادری اب تک اسکے جواب مین خاموش ہین۔ پادری مانزو نے بہت ساری دلیلون مین سے صرف ایک دلیل کو پکڑا یعنی ذنب کے معنو پر بحث شروع کی لیکن حضرت مسیح موعود کے مضمون مین یہ بحث صرف دو صفحون مین منجملہ ۴۵ صفحون کے درج تھی اور جب تک پادری مانزو حضرت مسیح موعود کے مضمون کے اصلی اور بڑے حصہ پر بحث نکرین اور یا صاف لفظون مین یہ اقرار نکرین کہ مجھے اس سارے مضمون پر کوئی اعتراض نہین حضرت مسیح موعود کا یہ فرض نہین ہے کہ وہ پادری صاحب کے لغو اور پوچ اعتراضون کا جواب دین۔ پادری صاحب کو اس سارے مضمون کو ایک مضمون سمجھکر معرض بحث مین لانا چاہیئے اور یا تو وہ کل دلایل پر بحث کرین اور یا صاف صاف کہدین کہ اس حصہ کے سوائے جہان ذنب کا ذکر ہے مضمون کے باقی حصہ پر انھین کوئی اعتراض نہین کیا یہ ایمانداری ہے کہ ایک بڑی چھوٹی سی بات کو لے کر پبلک کو دہوکہ دیا جاوے اور باقی کل کے کل دلایل کا اخفا کیا جاوے کیا پادری مانزو نے ان تمام دلایل پر جو حضرت مسیح موعود نے پیش کئے تھے غور کیا ہے اور اگر نہین تو کیا اس کو یہ کہتے ہوئے شرم نہین آتی کہ مینے مسیح موعود کے دلائل کو توڑ دیا ہے۔ علاوہ برین ہر

ایک شہادت کا وزن تو بحیثیت مجموعی جانچا جا سکتا ہے نہ یہ کہ ایک غیر مستقل ٹکڑے کو لے کر باقی کو علیحدہ کر دیا جائے گویا کہ اس حصہ کا باقی بحث سے کچھ تعلق ہی نہ تھا۔ یہ مضمون عصمت انبیاء کے اثبات مین لکھا گیا تھا اور منجملہ بہت سارے دلائل کے ایک دلیل یہ بھی تھی کہ ذنب کے معنے انسانی کمزوری بھی ہین۔ کل گیارہ عنوانون مین یہ مضمون تقسیم ہوا تھا یعنی ۱۔ نجات اور شفاعت ۲۔ عصمت اور شفاعت مین تعلق۔ ۳۔ قرآن شریف سے ثبوت کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم انسان کامل تھے۔ ۴۔ استغفار۔ ۵۔ ذنب اور جرم مین فرق۔ ۶۔ شفاعت کی ضرورت۔ ۷۔ قرآن شریف سے آنحضرت کی شفاعت کا ثبوت ۸۔ عیسائیون کا خدا۔ ۹۔ ثبوت قرآن شریف سے کہ آنحضرت کے قول و فعل خدا کیطرف سے تھے۔ ۱۰۔ مسیح موعود کا آنا۔ ۱۱۔ عصمت کے مسئلہ کا اخیری فیصلہ ٭

ان مین سے پادری مانرو کا اعتراض صرف پانچوین عنوان پر ہے لیکن اس اعتراض مین بھی وہ ایمانداری سے کام نہین لیتا۔ حضرت مسیح موعود نے تو ذنب اور جرم مین فرق دکھایا تھا مگر اب مانرو اسپر بحث کرتا ہوا یہ کہتا ہے کہ ہم جرم کے معنون پر کوئی غور نہین کرینگے جب تک ذنب کے معنون کا فیصلہ نہو جائے۔ قرآن شریف لغت کی کتاب تو ہے نہین کہ اُس سے ذنب کے معنے نکالکر پادری صاحب کی تسلی کر دیجاے بلکہ اس امر کا کہ قرآن شریف نے کسی لفظ کو کن معنون مین استعمال کیا ہے۔ فیصلہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ قریب المعنی الفاظ کے استعمال۔ سیاق و سباق یا قرآن شریف کے عام مفہوم پر غور کیا جاوے۔ چنانچہ عصمت انبیاء کو ثابت کرتے ہوئے انھین اصولون پر حضرت مسیح موعود نے ذنب اور جرم کے درمیان فرق دکھایا تھا۔ لیکن پادری مانرو سیدھا طریق کبھی اختیار نہین کرتا وہ ہمیشہ حیلون سے کام نکالنا چاہتا ہے۔ اور بڑی دلیری سے ان کو کام مین لاتا ہے ستمبر کے ریویو کے پرچہ مین ہمنے ذنب کے معنے ثابت کرنیکے لئے چار امور ثابت کئے تھے لیکن پادری

مانزو کو نہ تو یہ جرأت ہوئی کہ اس مضمون کو اپنے رسالے مین درج کرین اور نہ ہی اسکی تردید کی ان مین طاقت تھی۔ اور اسلیئے انھون نے مصلحت یہی سمجھی کہ اس مضمون کا کہین ذکر تک بھی نکرین۔ یہ چار امور حسب ذیل ہین +

(۱) لفظ ذنب قرآن شریف مین قریباً چالیس دفعہ استعمال ہوا ہے حالانکہ جرم۔ اثم۔ فسق قریباً دو سو دفعہ استعمال ہوئے ہین +

(۲) باوجودیکہ الفاظ جرم۔ اثم۔ فسق بمقابلہ ذنب کے اس کثرت سے استعمال ہوئے ہین لیکن انمین سے کبھی بھی کوئی لفظ انبیاء کے حق مین نہین بولا گیا +

(۳) الفاظ جرم۔ اثم۔ فسق کے متعلق قرآن شریف نے صاف صاف بیان کر دیا ہے کہ یہ افعال خدا کے حکم کی نافرمانیان ہین جنپر خدا تعالے کیطرف سے سزا کا وعید ہے اور ان کے کرنیوالون کیلئے جہنم مقرر کیا گیا ہے +

(۴) ذنب کی ایسی تعریف قرآن شریف مین کہین نہین کی گئی اور نہ ہی ہر ایک مذنب کے لئے دوزخ کی سزا مقرر کی گئی ہے +

نہ پادری مانزو نے اور نہ ہی اسکے کسی دوست نے ان چار امور مین سے ایک کو بھی غلط ثابت کر کے دکھایا۔ پادری ایسن مانزو کے فاضل مصری دوست نے جو بیوقوفی کی ہے اُسپر ہر ایک شخص جسکو عربی زبان سے کچھ بھی واقفیت ہی ہنسے گا۔ پادری مانزو حضرت مسیح موعود کو اپنا فریق مخالف تجویز کرنے مین اپنے پایہ سے بڑھکر جرأت کرتا ہے اسے شاید ابھی اتنا تجربہ نہین ہوا ہے جیسے لاہور کے فاضل بشپ کو جسنے ایسے مقابلہ سے گریز کی تھی پادری صاحب کو بشپ صاحب سے سبق حاصل کرنا چاہیئے تھا شاید مانزو کو یہ خیال ہو کہ بشپ صاحب کو وہ بحث مکے چیلے یاد نہ تھے جن مین پادری صاحب مشاق ہین مگر اغلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ بشپ صاحب نے سمجھ لیا ہو گا کہ ایسے مباحثہ مین جہان

دونون فریق برابری کی حیثیت مین ہونگے ایسے جیسے کامن ریسپکٹ - کیونکہ اتنا تو ہم جانتے ہین کہ عرصہ دراز تک بشپ صاحب پادری کا کام کرتے رہے ہین - اور اسلیئے وہ ان سب باتون سے واقف ہین ایسے جیسے سول اینڈ ملٹری کے اخبار مین یا الگ رسالے شائع کرنےمین کام آسکتے ہین ۔

اب صرف ہمین چند لفظ پادری مانزو کے اس فیصلہ کے متعلق کہنے ہین جو اسنے کیا ہے فیصلہ اس کا یہ ہے کہ مرزا صاحب کا مقدمہ بہ سبب شہادت کے نہ ہونے کے خارج کیا گیا ہے - حالانکہ نہ تو اس نے خود حضرت مسیح موعود کی کسی دلیل کا جو عصمت انبیاء پر آپنے تحریر فرمائی ہین جواب دیا تھا اور نہ ریویو آف ریلیجنز کے ان دلائل کا جواب دیا ہے جو دنب کے معنون کے متعلق اس میں لکھے گئے تھے - یہ تو ہوا لیکن خود پادری صاحب نے یسوع کی عصمت پر جو اناجیل کی بنا پہ حملے کئے گئے تھے ان کا آج تک کچھ بھی جواب نہین دیا گویا کہ ان کے کانون مین روئی بھری ہوئی ہے - ہر ایک دلیل کے جواب مین وہ محض گونگے کی طرح خاموشی اختیار کرتے ہین - کیا بار بار ان کو توجہ نہین دلائی گئی کہ جس حالت مین دوسرے انبیاء کو خدا کے کلام مین متقی - صالح - راستباز کہا گیا ہے - تو یسوع نے نیک کہلانے سے کیون انکار کیا - اور پھر علاوہ اس انکار کے اپنے اگر وہ واقعی بے گناہ تھا تو یوحنا کے ہاتھ پر گناہون سے توبہ کرکے بپتسمہ کیون لیا - کیا پادری مانزو نے بائیبل کی کسی آیت کا حوالہ دیا ہے - جس مین "مین نیک نہین ہون" کے معنے "مین نیک ہون" لئے گئے ہون - یا وہ گرامر کا کوئی ایسا قاعدہ پیش کرسکتا ہے جسکے رو سے ان الفاظ کے معنے کہ "تو مجھے نیک کیون کہتا ہے" یہ ہونے چاہئے کہ "تجھے چاہئے کہ مجھے نیک کہے" یا انگریزی زبان کی کوئی ایسی ڈکشنری پیش کی ہے جس مین لکھا ہو کہ ناٹ گڈ کے معنے نیک ہوتے ہین کیا اسے معلوم نہین کہ یہ اور اسی قسم کے اور سوالات بیسیون دفعہ برابر اسسے پوچھے جاتے ہین اور ان سب کے جواب مین اس نے اور دوسرے تمام پادریون نے اب تک خاموشی اختیار کر رکھی ہے

دعویٰ تو یہ ہے کہ ہم ہندوستان مین یسوع کی انجیل کے واعظ اور مفسر ہو کر آئے ہین اور کہ توت یہ کہ بیس ماہ سے ایک سوال کا جواب بھی نہین دیا۔ کیا پادری مانرو کو حضرت مرزا صاحب کے برخلاف اس وجہ پر کہ اس کے اپنے بیان کے مطابق انھون نے اسکے ایک سوال کا جواب پانچ ماہ تک نہین دیا۔ یہ فیصلہ دیتے ہوئے کہ عدم ثبوت کیوجہ سے ان کا مقدمہ خارج ہے شرم نہ آئی جب وہ خود بیس ماہ سے ہمارے متواتر سوالون کے جواب مین خاموش ہو رہا ہے۔ کیا یہی سچائی ہے جو اس نے انجیل سے سیکھی ہے کیا یہ طریق کسی ایماندار مباحث کے شایان شان ہے۔ یہ مصرعہ گویا پادری صاحب کیلئے ہی لکھا گیا تھا۔ ؎ چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد دعویٰ یسوع کی عصمت کا ہے اور انبیاء کو گالیان دیجاتی ہین لیکن پادری صاحب کی جو ہم عقیدہ یسوع پر انجیل ہی کی بنا پر اعتراض کئے جاتے ہین اور بیس ماہ سے لگاتار سوالون کا سلسلہ چلا آتا ہے تو پادری صاحب اپنی ناکامی اور شکست کو چھپانے کیلئے بڑی جرأت سے یہ کہتے ہین کہ ہم نے مرزا صاحب کا مقدمہ عدم شہادت کے لئے خارج کر دیا ہے قبل اسکے کہ وہ ایسی بیہودگی کرتا اسے چاہئے تھا کہ گھر کو صاف کر لیتا۔ اور ان سوالون کا جواب دے لیتا جو بار بار اس سے پوچھے گئے ہین یا صاف لفظون مین اقرار کرتا کہ ان کا جواب دینے سے وہ عاجز ہے اگر ان دونون راہون مین سے وہ کوئی راہ بھی اختیار نہین کرے گا تو آیندہ ہم اس سے کوئی واسطہ نہین رکھین گے اور نہ اسکی تحریرون پر کوئی غور کرینگے خواہ وہ اپی فینی مین چھپین یا ہمارے پاس بھیجی جاوین +

مسٹر مانرو نے اپنے دوسرے رسالہ مین جو عصمت انبیاء پر لکھا ہے حضرت مسیح موعود کو گالیان نکالی ہین۔ اور گستاخی۔ الحاد۔ جہالت اور عمداً لوگون کو دھوکا دینے وغیرہ وغیرہ کا الزام دیا ہے۔ غالباً پادری صاحب کی نظر اس انجیلی وعظ پر بھی جس مین لکھا ہے کہ تو کسی کو بیوقوف مت کہہ ورنہ تجھے جہنم مین ڈالا جائے گا اور ان الفاظ مین اُنھون نے دنیا کو اپنی نیکی کا نمونہ دکھایا ہے

اگر مسیح موعود کی جانب سے اس کو کوئی ذاتی تکلیف و رنج پہنچتا تو اس حالت مین وہ ایسی دشنام ہائے
ناہنجار کے دینے مین کسی حد تک معذور سمجھا جاتا۔ لیکن مسیح موعود نے اپنے مضامین مین اسکا
کوئی ایراد نہین دیا ہی اور نہ ہی اُس کا نام لیا ہے۔ فی الحال اس سے درگذر کر کے ہم دیکھتے ہین کہ
اُسنے اپنے اسی رسالہ کے پہلے صفحہ مین ایک عجیب بات لکھی ہی لیکن جہانتک ہمنے قرآن مجید کا
مطالعہ کیا ہے اور پڑھا ہی اُسکی کسی آیت سے یہ امر مفہوم نہین ہوتا۔ وہ کہتا ہے کہ قرآن مجید کی
بہت سی آیات ایسی ہین جو اُسنے پہلے رسالے مین نقل کی ہین اور جن سے باستثنائے یسوع کے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی کل پیغمبر صریحاً گنہگار ثابت ہوتے ہین۔ کیا پادری صاحب کلام مجید
کی ایک بھی ایسی آیت بتلا سکتے ہین جس مین گنہگار یا بے گناہ ہونیکے بارہ مین یسوع کو دیگر پیغمبرون
سے مستثنیٰ رکھا گیا ہو۔ وہ صریحاً قرآن مجید کی ایسی آیتون کا تذکرہ کرتا ہے جن مین بہ استثنائے
یسوع کے باقی پیغمبرونکو صاف گنہگار ثابت کیا گیا ہی اور بحیثیت ایک جنٹلمین ہونیکے اسکا فرض ہے
کہ ان آیتون کا پتہ دیوے وہ آیت "مَا محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل"
کا حوالہ دیکر ظاہر کرتا ہے کہ تمام باتون مین یہ مقدس پیغمبر دیگر پیغمبرون جیسا ہے اور اگر وہ گنہگار
ہین تو یہ پیغمبر بھی اُن سے مستثنیٰ نہین ہی اور خود ہی اِسکا یہ ترجمہ کرتا ہے کہ حضرت محمد صلعم ایک رسول
سے بڑھکر نہین ہین اور اور رسول ان سے پہلے سب فوت ہو چکے ہین۔ لیکن جو اسی قسم کی آیت
یسوع کی بابت ہی اسکو لکھنا بھول گیا ہی وہ یہ ہے۔ "مَا المسیح ابن مریم الا رسول
قد خلت من قبلہ الرسل" اس اور سابقہ آیت مین فرق صرف یہ ہے کہ
اس مین بجائے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے المسیح ابن مریم لکھا ہی اور پادری مانرو کے ترجمہ کے
مطابق اسکا یہ ترجمہ ہوگا کہ مسیح ابن مریم ایک رسول سے بڑھکر نہین ہے اور اور رسول اس سے
پہلے سب فوت ہو چکے ہین۔ پھر یسوع کی کہان استثنا ہے؟ جو پیغمبر اس سے پہلے گذر چکے ہین

ان سے وہ کوئی الگ اعزاز نہیں رکھتا۔ اور اسی طرح پر تمام باتوں میں دوسرے رسولوں جیسا ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ مزید برآن یہ بھی قابل ذکر ہے کہ یسوع بھی دوسرے پیغمبروں کی طرح وفات پا گیا اور ہر دو آیت مذکرہ بالا سے یہ صریحاً ظاہر ہے۔ پہلی آیت میں تو حضرت عیسےٰ اُن پیغمبروں میں شامل ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے فوت ہو چکے ہیں۔ اور دوسری آیت میں بیان ہوا ہے کہ جو پیغمبر اس سے پہلے وفات پا چکے ہیں ان سے وہ کوئی الگ نہیں ہے پادری صاحب کو جواب دینے میں شاید کوئی دھوکہ نہ لگے اسلیئے اُنکو پھر متنبہ و آگاہ کرنا ضروری ہے کہ چونکہ صرف متعدد پیغمبروں کے نام قرآن مجید میں لیئے گئے ہیں اسواسطے یہ استثنا یسوع کے باقی تمام پیغمبروں کو گنہگار ٹھہرانے کیواسطے یہ اسکا فرض ہوگا۔ کہ وہ مقدس کلام مجید سے کوئی آیت اس مضمون کی پیش کرے جس سے وہ نتیجہ نکلے جسکو اُسنے ایسی بیباکی سے پیش کیا ہے۔ اور نیز چونکہ اُسنے کلام مجید کی آیتوں کا تذکرہ کیا ہے اسواسطے کوئی حدیث یا کسی تفسیر کا کوئی قول اس غرض کیلئے قابل تسلیم نہیں ہوگا۔ پادری صاحب نے اپنے پہلے رسالہ میں جس کا وہ فقرہ بالا میں حوالہ دیتے ہیں صرف مفصلہ ذیل پیغمبروں کو گنہ کا الزام لگایا ہے یعنی حضرت آدم، حضرت موسےٰ، حضرت داؤد، حضرت ابراہیم، حضرت ہارون، حضرت نوح، اور ہمارے پیغمبر صلعم۔ کیا وہ کلام مجید کی کوئی ایسی آیت بتلا سکتا ہے۔ جس میں یوحنا جس کا شاگرد یسوع تھا۔ یا شعیب، یا اسحق، یا اسماعیل، یا الیاس، یا کسی دیگر پیغمبر کے کسی گناہ کے فعل کا ذکر ہو اگر یا یہ تمام پیغمبر یسوع کی طرح مستثنےٰ ہیں پھر قرآن شریف صاف بیان کرتا ہے کہ اس میں صرف متعدد پیغمبروں کا نام لیا گیا ہے پادری مانرو نے کس دلیل یا ثبوت سے اُن پیغمبروں کو جن کا نام قرآن مجید میں نہیں تھا گنہگار سمجھا ہے اس کا یہ بیان کہ قرآن شریف میں ایسی آیات ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمام پیغمبر باستثنائے ابن مریم کے گنہ گار تھے بالکل مردود ہے جبتک وہ ایسی آیت پیش نکرے جس سے یہ ثابت ہو۔ اصل بات تو یہ ہے کہ کسی پیغمبر کے

معصوم نا گنہگار ٹھہرانے کے واسطے قرآن مجید سے یہ ثبوت پیش کرنا چاہئے۔ یہ بات کہ قرآن مجید مین ایک بھی آیت نہین ہے جو پیغمبرونکے گنہگار ٹھہرانے کیلئے ثبت ہو۔ پادری مانز ونے اپنی خاموشی ہی خودمان لیا ہے کیونکہ اب تک وہ کوئی آیت پیش نہین کرسکا۔ دوسری جانب ایک مولوی صاحب نے چند آیات عصمت انبیاء کے اصول کی تائید و ثبوت مین اسکو بتلائی تھین لیکن ان پر اسکو بد نیوجہ اعتراض تھا کہ قرآن کریم مین ایسی آیات بھی ہین جن مین اسکے زعم مین بعض انبیاء کے گناہون کا ذکر ہے۔ ان سب آیات پر ہم اسی سال کے جولائی اور اگست کے نمبر مین مفصل بحث کرکے دکھا چکے ہین کہ ان مین کسی نبی کے کسی گناہ کا ذکر نہین اور پادری مانز ونے اب تک اس مضمون کی کوئی تردید بھی نہین کی اس لئے اب دو امر کا فیصلہ ہوگیا ہے۔ اول یہ کہ قرآن مجید مین کوئی ایسی آیت مذکور نہین ہے جس سے عام طور پر سب پیغمبرون کی گنہگاری کا اثبات ہو۔ دوم یہ کہ قرآن مجید مین کوئی فعل گناہ کا کسی پیغمبر کے حق مین منسوب نہین کیا گیا۔ اب ہم دیکھین گے کہ آیا قرآن مجید مین کوئی ایسی آیتین بھی ہین جن سے عصمت انبیاء کے اصول کا ثبوت ملتا ہو

استغفار کے معانی پر بحث کرتے ہوئے پہلے اس آیت کا حوالہ دیا جاچکا ہے جو سورہ انبیاء مین ہے جسکا مدعا یہ ہے کہ جو کچھ انبیاء کہتے یا کرتے ہین وہ سب باذن اللہ کہا جاتا ہو وہ آیت یہ ہے

وَمَا اَرسَلنَا مِن قَبلِكَ مِن رَّسُولٍ اِلَّا نُوحِيۡ اِلَيهِ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فاعبدون وقالوا اتخذ الرحمن ولدا سبحانه بل عباد مکرمون لا یسبقونه بالقول وھم بامرہ یعملون۔ یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم ولا یشفعون الا لمن ارتضی وھم من خشیته مشفقون

اور کوئی پیغمبر تجسے پہلے ہمنے نہین بھیجا جس کی طرف ہمنے یہ وحی نہ کی ہو کہ میرے سوا اور کوئی خدا نہین اسلئے میری ہی عبادت کرو تاہم وہ کہتے ہین کہ رحمن نے ایک بیٹا بنالیا ہے اسکی

ذات ایسے علیون سے پاک ہے پیغمبر صرف اسکے معزز بندے ہین وہ نہین بولتے جبتک

وہ ان کو نہ کہے - اور اسی کے حکم کے نیچے وہ کام کرتے ہین - وہ ان کے آگے اور پیچھے کی سب

باتون کو جانتا ہے اور وہ صرف اسی خاطر جس پر وہ راضی ہو - شفاعت کرتے ہین اور وہ ہر وقت

اللہ تعالےٰ کے خوف سے ڈرتے رہتے ہین - اس جگہ ہمنے علاوہ آیت محولہ کے جسکے ترجمہ پر اکتفا کیجئے

دیکھی ہے اس سے ماقبل اور مابعد کی آئتین بھی لکھدی ہین تاکہ صاف معلوم ہو جائے کہ پیغمبرونکے

سوائے ان آیات مین اور کسی کا ذکر نہین - یہان پیغمبرونکے بارے مین اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ

وہ خدا کے اذن کے بغیر کوئی کلمہ منہ سے نہین نکالتے اور جبتک کسی کام کے کرنے کے لئے

اللہ تعالےٰ انکو حکم نہ دیوے تب تک وہ کام نہین کرتے - درحقیقت یہان اللہ تعالےٰ پیغمبرونکے

اقوال و افعال کو اپنے اقوال و افعال قرار دیتا ہے پیغمبرون کی عصمت کے بارے مین اس سے بڑھکر

اور کس ثبوت کی ضرورت ہے جو الفاظ پیغمبرونکے بارے مین اس جگہ استعمال کئے ہین وہ بلحاظ مفہوم

کے ان الفاظ سے ملتے ہین جو دوسری جگہ پر فرشتون کے حق مین بولے گئے ہین - یخافون ربہم

من فوقہم ویفعلون مایومرون - وہ اپنے رب سے ڈرتے ہین جو انکے اوپر ہے اور

جس بات کا انکو حکم ہوتا ہے وہی کرتے ہین - بہر حال یہ تو ایک مسلم امر ہے کہ ملائکہ معصوم ہین اور

قرآن مجید مین جن الفاظ مین انکی تعریف کی گئی ہے انہین الفاظ مین پیغمبرون کی بھی تعریف کی گئی ہے

اسواسطے مذکرہ بالا آیت مین عصمت انبیا کا بالکل صاف ثبوت ملتا ہے +

قرآن مجید کی اور بہت سی آیتون سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے - سورہ فاطر کی انتیسوین آیت

مین وارثِ کتاب یعنی مومن تین قسم پر تقسیم کئے گئے ہین (۱) وہ لوگ جو بدیونکے ارتکاب سے اپنی

جانون پر ظلم کرتے ہین (۲) وہ لوگ جو میانہ روی اختیار کرتے ہین (۳) وہ لوگ جو سب سے بڑھ کر

نیکی کے کام کرتے ہین - اول الذکر جماعت کے لوگ بُرے افعال کیساتھ ملے جلے ہوتے ہین - دوسری

قسم کے لوگ معمولی نیکی کا کام بجالاتے ہین لیکن یہ نہین کہ بدی سے وہ بالکل محفوظ ہو گئے ہون اور اس لئے لغزش مین بھی مبتلا ہو سکتے ہین اگرچہ ان مین بری تحریک جلدی دب جاتی ہے۔ تیسری قسم کے وہ مومن ہین جو بدی سے بالکل محفوظ ہوتے ہین اور نیکیون ہی مین صرف اوقات کرتے ہین یہی جماعت پیغمبرون کی ہے۔ یہ امر کہ صادق مومنون کی ایک ایسی جماعت بھی ہے جو بدی کی مس سے بالکل مامون ہے۔ اس کی تائید قرآن مجید کی اور آیتون سے بھی ہوتی ہے۔ جب شیطان کو ابدی سزا کا حکم دیا گیا تو اُس نے کہا فبعزتک لاغوینھم اجمعین الا عبادک منھم المخلصین ترجمہ۔ مجھے تیری عزت کی قسم ہے کہ مین ان سب کو گمراہ کرون گا۔ سوائے انکے جو تیرے مخلص بندے ہین۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے مخلص بندون کی بھی ایک جماعت ہے جن پر شیطان کا کوئی تصرف نہین اور جنکو وہ صراط مستقیم سے نہین پھسلا سکتا۔ ایسا ہی اللہ تعالے فرماتا ہے اِنَّ عِبَادِی لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ یعنے شیطان کا عباد الرحمن پر کوئی تصرف نہین۔ اس جگہ لفظ عباد جو عبد کی جمع ہے۔ تمام مخلوق کیواسطے مستعمل نہین ہوا بلکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے ایسے مخلص اور منتخب بندون کے واسطے ہے جیسا کہ پیغمبر۔ اس سے بھی عصمت انبیاء ثابت ہوتی ہے کیونکہ انسان کسی بدی کا مرتکب نہین ہو سکتا جبتک کہ شیطان اُس پر قابو نہ پائے لیکن ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء پر شیطان قابو نہین پا سکتا اسلئے انبیا بدی کے بھی مرتکب نہین ہو سکتے +

علاوہ ازین یہ مسلم امر ہے کہ انبیاء کا فرض امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے۔ پس اگر وہ خود اپنے کہنے کے برخلاف عمل کرے تو وہ اُن مین سے ہوگا جنکو قرآن مجید پیغمبر صلعم کی زبانی مفصلہ ذیل الفاظ مین ملامت کرتا ہے۔ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ ترجمہ۔ کیا تم لوگون کو نیکی کرنے کا حکم دیتے ہو اور اپنا آپ خود بھول جاتے ہو۔ یہ الفاظ قرآن مجید

ہین علمائے یہود کے حق مین بولے گئے ہین جنھون نے پیغمبرون سے انکار کیا اور انکو جھٹلایا یہود کے علما یہ سمجھتے تھے کہ ہمین کسی پیغمبر کی ضرورت نہین ہے۔ کیونکہ خدا کا کلام ہمارے پاس موجود ہے اور ہم دوسرے لوگون کو اس کی تعلیم دیتے ہین۔ لیکن خدا تعالے انکو ملزم قرار دیتا ہے کیونکہ جس بات کے کرنے کا وہ اورون کو حکم دیتے ہین وہ خود نہین کرتے اور فرماتا ہے کہ تمہین نجات نہین مل سکتی جبتک پیغمبر کی پیروی نکرو۔ اگر پیغمبر بھی گنہگار ہوتے ہین تو وہ صریحًا انھین الفاظ کے نیچے آتے ہین جو علماء یہود کی نسبت یہان بیان کئے گئے ہین اور اسلئے اگر انبیاء اور علماء یہود مین کوئی فرق نہین تھا تو علماء یہود کو انبیاء سے انکار کرنے پر لعنت ملامت کیون کیگئی۔ وہ بھی نیکی کا کام کرنے کی تعلیم دیتے تھے لیکن خود اس پر عمل نہین کرتے تھے۔ اور پیغمبر بھی وہی کام کرتے تھے اس صورت مین تو انبیاء کی بعثت کی بھی کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ نیکیون کی تعلیم دینے کیلئے علماء یہود بکثرت موجود تھے لیکن اصل بات یہ ہے کہ صرف تعلیم بے اثر ہے جبتک کہ معلم نمونہ بنکر نہ دکھلاوے اور نہ ایسی تعلیم لوگونکو برائیون سے ہٹا سکتی ہے اور اسی لئے پیغمبرون کے آنے کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ جو کچھ تعلیم دیتے ہین اس پر خود عمل کرتے ہین اور اس طرح نیکی کا ایک نمونہ قائم کرتے ہین +

یہ بات کہ جو شخص افعال بد کا مرتکب ہو وہ پیغمبر نہین ہو سکتا۔ مفصلہ ذیل آیت سے ظاہر ہوتی ہے وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ +

اس آیت مین اللہ تعالے اول اُن احکامات کا ذکر کرتا ہے جو حضرت ابراہیم کو دئے گئے تھے جنکو انھون نے بالکل پورا کر دیا۔ انکی راستبازی پر خوش ہو کر اللہ تعالے نے انکو امام بنایا۔ اسپر حضرت ابراہیم نے بارگاہ الٰہی مین عرض کی کہ میری ذریت مین سے بھی پیغمبر بنائے جائین تو جواب ملا کہ تمہاری ذریت سے صرف وہی لوگ پیغمبر بنائے جائینگے جو برے کام نہین کرینگے اور یہ کہ انکے عہد سے بدکارون کو

کوئی حصہ نہیں ملیگا۔ اس آیت سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ گنہگار شخص کو خدا کبھی پیغمبر نہیں بناتا۔ اس میں پہلے ابراہیم ؑ کو نبوت ملنے کا ذکر ہے کیونکہ وہ راستباز تھا۔ اور پھر اُسکو صاف اطلاع دیتا ہے کہ اگرچہ اس کی راستبازی کی وجہ سے اس کی ذریت سے پیغمبر بنائے جائیں گے تاہم جو شخص ان میں سے بُرے کام کرے گا وہ ہرگز نبوت کے لئے منتخب نہیں ہوگا دو نتائج ایسے ہیں جو کسی طرح قابل انکار نہیں (۱) تو یہ کہ خدائے قادر مطلق کبھی کسی بدکار یا گنہگار کو پیغمبر نہیں بناتا۔ اور (۲) یہ کہ حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے وہ تمام لوگ جو پیغمبر بنائے گئے معصوم تھے ایسے صاف الفاظ کے ہوتے ہوئے انبیاء کو گنہگار ٹھہرانا۔ کیا یہ حماقت نہیں ہے۔ پھر سورہ انعام میں اللہ تعالیٰ مختلف پیغمبروں کے نام لیکر فرماتا ہے

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝

ترجمہ۔ اور ہم نے اسکو یعنی حضرت ابراہیم ؑ کو اسحاق ؑ اور یعقوب ؑ عطا کیا۔ اور ان کو ہدایت دی اور نوح علیہ السلام کو اس سے پہلے ہدایت دی تھی۔ اور اس کی اولاد سے داؤد ؑ و سلیمان ؑ و ایوب ؑ و یوسف ؑ اور موسےٰ ؑ و ہارون ؑ کو اور ہم راستبازوں کو ایسے ہی اجر دیتے ہیں اور زکریا اور یحییٰ اور عیسےٰ اور الیاس ؑ یہ تمام ہمارے نیک بندے تھے اور اسماعیل ؑ اور الیسع اور یونس ؑ اور لوط ؑ۔ ان سب کو ہم نے باقی لوگوں پر فضیلت دی۔ اس آیت کو پہلی آیت کے ساتھ ملاکر پڑھا جاوے تو صاف پایا جاتا ہے کہ یہ تمام پیغمبر جن کی بابت ذکر کیا گیا ہے کہ ان کو صراط مستقیم پر چلایا گیا تھا۔ اس وعدے کے مطابق پیغمبر بنائے گئے تھے۔ جو حضرت ابراہیم ؑ کو دیا گیا تھا کہ تیری ذریت میں سے پیغمبر بنائے جائینگے اور وہی لوگ جو بدی کا ارتکاب نہ کریں گے یہ صرف چند آیات ہیں جن سے عصمت انبیاء ثابت ہوتی ہے۔

قرآن مجید ایسی آیتوں سے بھرا ہوا ہے لیکن ان سب کا یہاں نقل کرنا ضروری نہیں کیونکہ جسقدر اوپر
تحریر کیجا چکی ہیں ان سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ گناہ پیغمبر کیطرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ مندرجہ
بالا آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ انبیاء کے اقوال و افعال تمام احکام الہی کے تابع ہوتے ہیں
اور یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی نیکیاں خالص اور اعلے درجہ کی ہوتی ہیں اور ان میں بدی کی ملاوٹ
ایک ذرہ بھی نہیں ہوتی اور شیطان کا انپر کوئی تصرف نہیں ہوتا اور وہ اوروں کو ان نیکیوں کی
تعلیم دیتے ہیں جنپر وہ خود عمل کرتے ہیں اور کوئی بدکار یا گنہ گار پیغمبر نہیں بنایا جاسکتا۔ اور یہ کہ ان
سبکو صراط مستقیم پر چلایا گیا تھا جس سے وہ کبھی الگ نہیں ہو سکتے تھے +

اب اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت دیکھا جاوے تو آپ کو لحاظ عصمت کے علاوہ
دوسرے انبیاء پر کئی وجوہ سے بہت بڑی فوقیت حاصل ہے کیونکہ اول تو پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم جملہ انبیاء سے
افضل و اعلے تھے اور اسلئے اپنی پاکیزگی اور عصمت کے لحاظ سے اور تمام پیغمبروں سے بڑھے
ہوئے تھے (۲) ان کی عصمت نہ صرف اس لئے ثابت شدہ ہے کہ وہ ایک پیغمبر تھے۔ اور تمام پیغمبروں کو
قرآن کریم نے معصوم قرار دیا ہے بلکہ بہت سی آیات میں خاص طور پر یہ عصمت صاف بیان
کی گئی ہے ایک موقعہ پر قرآن مجید میں اللہ تعالے فرماتا ہے **و من یعص اللہ و رسولہ
فان لہ نار جہنم خالدا فیہا**۔ ترجمہ۔ جو کوئی اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کریگا
اس کی سزا جہنم ہے۔ اس جگہ اللہ تعالے اور اسکے رسول کی اطاعت کا ایک ہی کلمہ میں ذکر
کیا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پیغمبر کے اقوال و افعال بغیر حکم الہی نہ تھے ورنہ انکی اطاعت
اللہ تعالے کی اطاعت کے ساتھ کی جانی ضروری نہ تھی ایک اور موقعہ پر آتا ہے **و من
یطع الرسول فقد اطاع اللہ**۔ جو کوئی رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ خود خدا کی
اطاعت کرتا ہے جسکے یہ معنے ہیں کہ رسول کی مرضی اللہ تعالے کی مرضی ہے کیونکہ اگر پیغمبر کی ایک

کام کی مرضی ہو جو خدا تعالی کی مرضی نہو تو ایسی صورت مین پیغمبر کی اطاعت خدا کی اطاعت نہین
ہو سکتی ان دو آیتون سے صاف ظاہر ہے کہ پیغمبر کی خواہش خلاف منشاء ایزدی نہین ہو سکتی اور
اسلئے وہ گناہ کا مرتکب نہین ہو سکتا کیونکہ اس سے اللہ تعالے کی مرضی کے خلاف کام کرنا پایا جاتا
ہے۔ مزید ان چند آیات مثلاً قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب
العلمین اور آیت ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیہم
اور آیت وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمے۔ اور آیت ما ضل صاحبکم
وما غوے وما ینطق عن الہوی ان ھو الا وحی یوحے پر پہلے اچھی طرح سے بحث کیگئی
ہے۔ اور یہ ثابت کیا گیا ہے۔ کہ یہ تمام آیات رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی عصمت کے لئے قطعی
دلیل ہین۔ اسی طرح آیت قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و
یغفر لکم ذنوبکم۔ ترجمہ۔ کہہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میرے نقش قدم پر چلو پھر اللہ تعالے
تم سے محبت کریگا اور تمھارے گناہ معاف کردے گا۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی کوئی گناہ نہین کیا ورنہ ایک شخص کے جس سے کبھی کبھی گناہ کا ارتکاب
بھی ہو جاتا ہو نقش قدم پر چلنے سے گناہ کیونکر معاف ہو سکتے تھے یا اللہ تعالے کیونکر خوش
ہو سکتا تھا۔ اس آیت پر مفصل بحث پہلے گذر چکی ہے۔ ایک دیانت داری سے قرآن مجید کا مطالعہ
کرنیوالا ایک لمحہ کیلئے بھی نہین کہہ سکتا کہ جس شخص کا ان آیات مین ذکر ہے وہ گنہگار تھا۔ ان
آیات کے علاوہ جنکے یہان دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہین۔ قرآن مجید مین اور بہت ساری آیات
ہین جن مین ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کا صاف صاف ذکر ہے چنانچہ ایک جگہ ہمارے رسول اکرم
کو نیکی کا نمونہ کہا گیا ہے اور تمام لوگون کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ کی پیروی اختیار کرین اور آپ کے نقش
قدم پر چلین۔ اگر ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے قدم ایک ممنوع جگہ پر پڑے ہوئے تھے تو آپکے جہات

مین نمونہ پر چلنے کا حکم ہوتا۔ قرآن مجید ہر ایک غلطی سے مبرا اور کافی ہدایت کا جامع تھا پس اگر پیغمبر صلعم غلطیون سے پاک نہ تھے تو کیون انکو نمونہ قرار دیا گیا۔ پھر لکھا ہو کہ خود اللہ تعالے اور اسکے فرشتے اُسپر درود بھیجتے ہین لے مسلمانو تم بھی اُسپر درود بھیجو۔ یہان مومنون کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالے کا درود و رحمت رسول اکرم پر بھیجین اور اسلیئے جو شخص انکو گنہگار سمجھتا ہے وہ خلاف منشاء ایزدی کرتا ہے اللہ تعالے کا رسول اکرم پر درود بھیجنا اُن کی عصمت کی وجہ سے ہے۔ اس امر اگلی آیت مین اور بھی زیادہ وضاحت سے بیان کیا گیا ہے ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ یعنی جو لوگ اللہ اور اُسکے رسول کو ایذا دیتے ہین اللہ تعالٰے کی اُنپر لعنت ہے اور آیت ان الذین یؤذون المومنین والمومنٰت بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بھتانا و اثما مبینا۔ اور وہ لوگ جو مومن مردون اور مومن عورتون کو بغیر کسی قصور کے ایذا دیتے ہین وہ ایک بہتان اور صاف گناہ کے مرتکب ہین دونو آیتون کا فرق ظاہر ہے پہلی آیت مین خدا کی لعنت اس شخص پر ہوتی ہے جو خدا اور اس کے رسول کو ایذا دیتا ہے۔ اور دوسری آیت مین یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ مومنون کو بغیر انکے کسی قصور کے ایذا دین وہ بہتان کے مرتکب ہین جن الفاظ پر خط کھینچا گیا ہے وہ پہلی آیت مین نہین ہین ان الفاظ کے ہونے سے صاف پایا جاتا ہے کہ قصور کا امکان جو مومنون کے بارے مین ہے جسکے واسطے الفاظ "بغیر انکے کسی قصور کے" استعمال کرنے کی ضرورت ہوئی۔ ایسا امکان قصور کا پیغمبرون کے بارے مین نہین ہے یہ بات اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالے اور اسکے رسول کا ایک ہی جگہ الگ ذکر کیا گیا ہے اور مومنون کا ذکر الگ کیا گیا ہے اسلیئے چونکہ کوئی قصور اللہ تعالے کیطرف منسوب نہین کیا جا سکتا ایسے ہی پیغمبر کیطرف بھی نہین کیا جا سکتا۔ مزید بران آنحضرت صلعم کو ایذا پہونچانے کو گناہ کہا گیا ہے اور اس مین کچھ شک نہین کہ جو شخص آنحضرت صلعم پر گناہ کا الزام لگاتا ہے یا انکو گنہگار

کہتا ہے وہ آپکو ایذا پہونچاتا ہی اسواسطے قرآن کریم سے یہ ثابت ہوا کہ جو شخص آنحضرت صلعم کو گنہگار کہیگا وہ خود بڑے سخت گناہ کا مرتکب ہوگا کیونکہ پیغمبر صلعم کو آپ کی طرف کوئی گناہ منسوب کر کے ایذا پہونچانیوالے پر لعنت کیگئی ہی حالانکہ مومنین کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ خدا تعالےٰ کی برکات آنحضرت کیلئے طلب کریں کیا اب بھی پادری ماٹر وکو واقعی شک ہی کہ انبیاء معصوم نہیں ہوتے ؟

آنحضرت صلعم کی زندگی ایسی پاکیزہ اور ہر ایک عیب و نقص سے ایسی مبرا ہی کہ آپکے ہمعصر دشمن آپ کی ساری زندگی میں ایک عیب بھی بیان نہ کر سکے جبکہ قرآن شریف نے یہ دعویٰ کیا فقد لبثت فیکم عمراً من قبله افلا تعقلون ۔ میں اس سے پہلے تمہارے درمیان بہت مدت رہا ہوں (تم بتا سکتے ہو کہ میں نے کونسا برا کام کیا) پس تم کیوں نہیں سمجھتے (کہ جس شخص سے ساری عمر میں خفیف سے خفیف گناہ کا ارتکاب بھی نہیں ہوا وہ افترا علے اللہ جیسے بڑے گناہ کا مرتکب کیونکر ہو سکتا ہی) ایک ایسی زندگی کے ساتھ جو کہ اپنی پاکیزگی اور ہر ایک الزام سے بری ہونے میں یگانہ ہے ایسے سخت گناہ کو کہ وہی شخص خدا پر افترا کرتا اور بہتان باندھتا ہے ۔ ہم کسی طرح مطابق نہیں کر سکتے ۔ آنحضرت صلعم نے اپنے دعوے کی سچائی پر اپنی پہلی زندگی کی پاکیزگی اور بے عیبی کو بطور شہادت پیش کیا ہی جو کہ انکے مخالفوں میں بھی مسلم تھی ۔ جو شخص عین جوانی میں نہ خدا اور نہ انسان کو ناراض کرتا ہے وہ کیونکر اپنے بڑھاپے میں اپنی نیک شہرت پر دھبہ لگانیکا مرتکب ہو سکتا ہے ۔ یہ دلیل آنحضرت صلعم کی سچائی کیلئے قرآن شریف نے استعمال کی ہے اور اسکی شوکت پادری ماٹرہ صاحب کو اُس وقت اور بھی زیادہ معلوم ہوگی جب وہ آپکے ابتدائے چالیس سالہ واقعات کا یسوع کی ابتدائے تیس سالہ زندگی سے مقابلہ کریگا یسوع کے ابتدائی حالات بالکل تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ خود ایک لفظ تک کا بھی اشارہ اپنے وعظوں میں ان حالات کیطرف نہیں کرتا بلکہ اس کے سوانح نویسوں کو بھی اس امر پر خاموش ہی رہنا پڑا ہے اور اسکے دشمنوں نے جو کچھ بیان

کیا ہی وہ اس قسم کے قصص ہین جن مین سے ایک عشق کا قصہ ہی کہ اگر انکو صحیح مانا جاوے جیسا کہ یہود یون
کی ساری تاریخ کو عیسائی صحیح مانتے ہین تو یسوع کی عصمت مین بھی بڑا شک پڑتا ہے لیکن
صرف قرآن شریف کے رو سے ہم انکو معصوم مانتے ہین۔ برخلاف اسکے آنحضرت صلعم کی زندگی
کے حالات مفصل طور پر حدیثون مین بیان کئے گئے ہین اور آپ کی پاکیزگی و نیکی کا شہرہ اسوقت بھی
ایسا تھا کہ آپ عام طور پر الامین کے نام سے مشہور تھے۔ اس مطہر و مقدس زندگی کا حوالہ قرآن
شریف نے نہایت ہی مختصر و خوبصورت الفاظ مین اس طرح پر دیا ہے کہ اسی کو آپکے دعوی کی سچائی
پر دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ اور دلیل صرف وہی چیز ہو سکتی ہی جو فریقین کے نزدیک مسلم ہو پس
معلوم ہوا کہ آنحضرت صلعم کی پاکیزگی و بے عیبی کے کفار بھی اسی طرح قائل تھے جیسا کہ مسلمان +

ایسن اور الف میم کے مضامین عصمت انبیاء پر

عصمت انبیا کے مضمون پر مفصل بحث ہم اس رسالہ کی
مختلف جلدون مین کر چکے ہین لیکن خواہ کسیقدر
دلائل دئے جاوین عیسائی مناظرین کے نزدیک وہ
کبھی کافی نہین ہو سکتے اس سے پہلے پادری مارڈو کے اعتراضون کا جو اسنے حضرت آدمؑ کے ممنوع
درخت کے کھانیکے متعلق کئے تھے جواب دے چکے ہین لیکن اسوقت دو مضمون اور دو مختلف
آدمیون کیطرف سے اسی مضمون پر شایع ہو کر ہمارے پاس پہونچے ہین یعنی ایک پادری ایسن کا مضمون
حضرت آدم اور داؤد علیہ السلام پر اور دوسرا ایک شخص الف میم کا مضمون مسئلہ عصمت پر عموماً اور حضرت
آدم پر خصوصاً معلوم ہوتا ہے کہ پادری ایسن نے ہمارے اصل مضامین کو نہین پڑھا ورنہ وہ
یہ بات نہ لکھتا۔ کہ مرزا صاحب قادیان نے بڑی جرأت سے یہ لکھا ہی کہ اس مضمون کے متعلق
معتبر اور مستند کتابین صرف امام رازی کی تفسیر اور لسان العرب جو دس جلدون مین (
عربی لغت کی کتاب ہی) ہین " چونکہ مسٹر ایسن پادری کا کام کرتے ہین اس لئے اگر انھون نے بغیر اصل

مضمون کے پڑھنے کے ہی اس کی تردید بھی لکھدی ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں۔ ہم نے (نہ مرزا صاحب
نے کیونکہ مضامین زیر بحث حضرت مرزا صاحب کے لکھے ہوئے نہیں) یہ صاف طور پر لکھا تھا کہ ہم صرف
قرآن کریم کو ہی سند مانتے ہیں اور تفسیروں کو کوئی مسلمان بھی کلام الہی یا وحی الٰہی نہیں مانتا اور امام
رازی کا حوالہ بعض جگہ صرف ان جھوٹے قصوں کی تردید کے لئے دیا تھا جو عیسائی مناظرین اس
رنگ میں پیش کیا کرتے ہیں کہ گویا وہ معتبر اور محقق مفسرین کے نزدیک صحیح اور مسلم ہیں اور
لسان العرب کا حوالہ صرف بعض الفاظ کے معانی کیلئے دیا گیا لیکن یہ ہمنے کہیں نہیں لکھا کہ اسکے
سوائے باقی کل کتابیں ناقابل اعتبار ہیں ۔

الف میم ابتدائے مضمون میں اس جرأت کے ساتھ جو حضرت پادری صاحبان سے ہی مخصوص
ہے لکھتا ہے کہ "عیسائی اپنی کتب مقدسہ کی بنیاد پر ہمیشہ اس بات کے قائل ہی ہیں کہ بجز مسیح
کلمۃ اللہ کے جو پاک بے ریا بے عیب گنہگاروں سے جدا اور آسمانوں سے بلند ہے (عبرانی ۷/۲۶)
ہر انسان نبی ہو یا ولی کبھی نہ کبھی اپنے خدا کی حکم عدولی کر کے گنہگار اور عاصی ہو گیا۔" اور آگے
چلکر امام رازی کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ مسلمانوں کے بعض فرقوں یا بعض مسلمان متکلمین نے
عصمت انبیاء کا انکار کیا ہے۔ اور یہی لوگ اسکے نزدیک محققین ہیں۔" لیکن ان محققین نے
حضرت عیسیٰ کو بھی مستثنے نہیں کیا۔ اور جیسا وہ دوسرے انبیاء کو معصوم نہیں مانتے ویسا ہی
مسیح کو بھی معصوم نہیں مانتے۔ اس لئے ان فرضی "محققین" کی رائے اگر ہمارے خلاف ہے تو
الف میم کی بھی اس سے تائید نہیں ہوتی کیونکہ اسنے اپنی کتاب کا ایک باب اس امر کے ثابت کرنے
کے لئے مخصوص کیا ہے کہ قرآن شریف کی رو سے مسیح معصوم ہے لیکن اس حصہ مضمون پر
بالفعل ہم کچھ گفتگو کرنا نہیں چاہتے ہمنے کبھی اس امر سے انکار نہیں کیا بلکہ "عصمت انبیاء پر
پادری مارڈو کے رسالے" کے عنوان کے نیچے جو مضمون لکھا تھا اسکے ابتدا میں ہی صاف طور پر

لکھدیا تھا کہ مسلمانون مین ایسے لوگ بھی ہوئے ہین جنھون نے عصمت انبیا سے انکار کیا ہے لیکن تاہم ابتدائے اسلام سے اسلامی دنیا کے اکثر حصے کا مذہب عصمت انبیا ہی رہا ہے لیکن اگر مسلمانون کے اندر کسی فرقہ یا متکلم نے عصمت انبیا سے انکار کیا ہے (جن مین حضرت مسیح بھی شامل ہین) تو عیسائیت بھی ایسے فرقون اور متکلمین سے خالی نہین جنھون نے یا تو یسوع کی عصمت کا انکار کیا ہے اور یا یسوع کی طرح دوسرے انبیا اور صلحا کو معصوم مانا ہے۔ الف میم اس واقعہ کو چھپانا چاہتا ہے (شاید مسیح کے خون نے ان باتون کو اسکے لیئے جائز کردیا ہے) اور اس لیئے جب مسیح کی عصمت کے متعلق وہ عیسائیونکے عقیدہ کو بیان کرتا ہے تو ایسے الفاظ مین لکھتا ہے جنسے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ تمام عیسائی فرقے بلا اختلاف اسبات پر متفق ہی ہین کہ یسوع بے گناہ تھا اور دوسرے تمام ہی گنہ گار تھے۔ پس ہم اسکی اس خلاف بیانی کی تردید ضروری سمجھتے ہین +

عیسائی مذہب کا فرقہ میلابد یسوع کی عصمت کا منکر رہا ہے اور وہ اسکو گناہ سے پاک نہ سمجھتے تھے ایک اور فرقہ ایونائٹ کا اعتقاد یہ تھا کہ عیسائی مذہب کا بانی حضرت مسیح اور دوسرے انبیا یا دوسرے مذاہب کے بانیون کی مانند ہی تھا اور کوئی خاص امتیاز اسے حاصل نہ تھا یہ کوئی معمولی چھوٹا سا فرقہ نہ تھا بلکہ ابتدائے عیسویت سے اکثر یہودی جو عیسائی مذہب کو اختیار کرتے رہے وہ اس فرقہ کے ممبر تھے اور ایک مدت تک اس فرقہ کا غلبہ رہا۔ ابیلارڈ کا یہ خیال تھا کہ یسوع مین انسانی کمزوری کے اصل نقص موجود تھے جو معنے اسکے جدا ہو کر وہ فرقہ پلیگین اسبات کا انکار کرتا تھا کہ آدم کا گناہ بطور ورثہ کے آگیا اور پلیگیس کی یہ تعلیم تھی کہ جو انسان دنیا مین آتا ہے وہ پاک ہوتا ہے اور گناہ صرف ایک عارضہ ہے اور اس اعتقاد کی بھی وہ تعلیم دیتا تھا کہ دنیا مین بہت انسان ایسے ہو چکے ہین جو اپنی اخیر زندگی تک گناہ سے پاک رہے ہے۔ چنانچہ پولوس کے

خط بنام عبرانیون کی تفسیر کرتے ہوے وہ مثال کیطور ہابیل۔ اسحاق اور یعقوب کے نام لیتا ہے کہ یہ معصوم تھے۔ اسکے بعد عیسائیت کے فرقہ رومن کیتھولک پر غور کرو جو کئی صدیون تک عیسائی دنیا کا مذہب رہا ہے اور جس مین اب بھی قریباً نصف عیسائی دنیا شامل ہے۔ اس فرقہ کے اعتقاد کے مطابق مریم بھی بیگناہ پیدا ہوئی اور یسوع کی طرح پیدایشی اور حقیقی گناہ سے پاک تھی۔ پھر رومن کیتھولک اس امر کے قائل ہین کہ پوپ بہ سبب پطرس کے جائز جانشین ہونیکے خطا سے محفوظ ہین بلکہ بعض نے پطرس کو شفیع بھی مانا ہے اگرچہ یسوع نے اسکو باوجود اسکے کہ وہ اسکے دعوے مسیح موعود کو تسلیم کرتا تھا شیطان ہی کہا ہو۔ پھر عیسائیت کا فرقہ موحدین کہ جنکے عقائد اصل عیسائیت سے بہت ملتے جلتے ہین انکی یہ تعلیم ہے کہ یسوع امتحانون اور غلطیون سے بتدریج پاک ہوا اور ایسا ہی یہ بھی کہ سب صادق انسان دنیا کی سب سے بڑی امیدون کو پورا کرنے کے باعث مسیح ہی ہوتے ہین اور کمال کیطرف جو دنیا کی کوشش ہے اسکے موید ہونیکے سبب سے وہ شفیع بھی ہوتے ہین۔ الف میم کو چاہیے کہ غور کرے کہ عیسائیت کے اس عظیم الشان اختلاف کے بالمقابل چند یک اسلامی فرقون کا عقیدہ عصمت کو نہ ماننا کیا وقعت رکھتا ہے۔ ہان ان سب سے الف میم یہ کہکر پیچھا چھوڑا سکتا ہے کہ اسکے نزدیک ایسے عقیدے والے لوگ سب کذب تھے اور اسلیئے اب ہم اس امر پر ان لوگون کی شہادت پیش کرتے ہین جن پر کفر کا فتوے دیتے وقت الف میم کو ذرا احتیاط سے کام لینا پڑے۔ ان مین اول پولوس ہے جو یسوع سے بھی بڑھ چڑھکر ایک آدمی کو پیش کرتا ہے عبرانیون ہے مین وہ لکھتا ہے کہ یسوع ملک صدق کیطور پر کاہن بنایا گیا ہے اور پھر لکھتا ہے کہ "یہ ملک صدیق سلیم کا بادشاہ خدا تعالے کا کاہن تھا جسنے ابراہام کا جب وہ بادشاہون کو مار کے پھر آتا تھا استقبال کیا اور اسکے لئے برکت چاہی جسکو ابراہیم نے سب چیزون کی دہیکی دی۔ وہ پہلے اپنے نام کے معنونکے موافق راستی کا بادشاہ ہے اور پھر شاہ سالیم یعنی سلامتی کا بادشاہ یہ بے باپ بے مان بے نسب نامہ جسکے نہ دنون کا

شروع نہ زندگی کا آخر مگر خدا کے بیٹے سے مشابہ ٹھہر کے ہمیشہ کاہن رہتا ہے۔" (عبرانیون ۷ باب)
یہ آدمی یعنی یسوع سے بھی بڑھکر ہے۔ یسوع کو تو ماں کیطرف سے کچھ نہ کچھ گناہ کا حصہ ملا ہوگا مگر
ملک صدق کا نہ باپ تھا اور نہ ماں اور اسی لئے وہ راستی کا بادشاہ اور سلامتی کا بادشاہ اور گناہ سے
بالکل پاک ٹھہرا پھر وہ ہمیشہ کیلئے زندہ ہے اور موت کا اسپر قابو نہین اسلئے حقیقی یا موروثی
گناہ بھی اسکی طرف منسوب نہین ہوسکتا کیونکہ گناہ ہوتا تو موت بھی ضرور آتی۔ حالانکہ یسوع
پر موت بھی واقع ہوئی اور یسوع کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ ملک صدق کیطور پر کاہن بنایا گیا۔
اسکے بعد لوقا کی شہادت کو جو وہ ذکریا اور اس کی عورت کے حق مین دیتا ہے "وے دونوں خدا
کے حضور راستباز اور خداوند کے سارے حکمون اور قانونوں پر بے عیب چلنے والے تھے" (لوقا ۱:۶) یہ
آیت اُن عیسائیون کو جھوٹا ٹھہراتی ہے جو کہا کرتے ہین کہ کوئی شخص خدا کے سارے حکمون اور قانونون پر
نہین چل سکتا اور کہ سوائے یسوع مسیح کے کوئی بے عیب نہین۔ پھر یہی مصنف (جو عیسائیون کے
نزدیک الہامی مورخ ہے) ان دونون راستبازون کے بیٹے کی نسبت لکھتا ہوا کہتا ہے "وہ
خداوند کے حضور بزرگ ہوگا۔ اور نہ مے اور نہ کوئی نشہ ہی پیئے گا اور اپنی ماں کے پیٹ سے ہی
روح القدس سے بھر جائیگا اور بنی اسرائیل مین سے بہتونکو ان کے خداوند کیطرف سے پھیرے گا۔"
لوقا ۱:۱۵-۱۶ عجیب بات یہ ہے کہ یسوع بھی ان لوگون مین تھا جنہین یوحنا نے انکے خداوند کی
طرف پھیرا۔ اب غور کرو کہ یسوع پر تو تیس سال کی عمر مین روح القدس نازل ہوتا ہے اور اسی لئے
اسکی عصمت کو اگر مانا جائے تو اسی وقت سے مانی جاسکتی ہے لیکن یوحنا پر روح القدس ماں کے
پیٹ مین ہی اُترا اسلئے تمام سچے عیسائیون کو چاہئے کہ اسے ابتدا سے ہی معصوم مانیں لیکن
اناجیل کے ان بیانات کے عین برعکس۔ الف میم بے بنیاد دعویٰ کرتا ہے کہ یسوع مادر زاد نبی
تھا۔ روح القدس کے نازل ہونے سے پہلے وہ کیونکر نبی ہو گیا کیونکہ روح القدس کے نازل ہونیکے

بغیر ثبوت نہین مل سکتی۔ اور اسلیئے "مادرزاد نبی" کا خطاب یسوع پر تو کسی حالت مین چسپان ہو ہی نہین سکتا اسکا مستحق اگر ہے تو یوحنا ہے جسنے یسوع کو بپتسمہ دیا اور جسپر ماں کے پیٹ مین ہی انجیلون کی شہادت کے مطابق روح القدس نازل ہوا۔ مرقس بھی یوحنا کی شہادت دیتا ہے کیونکہ وہ کہتا ہے کہ "ہیرودیس یوحنا کو بڑا راستباز اور مقدس جانکر اس سے ڈرتا تھا" (مرقس ۶ باب ۲۰)

یہان بھی یوحنا کے بیگناہ ہونیکا صاف طور پر اقرار ہے اور چارون انجیلون مین ایک بھی آیت ایسی نہین جس سے اسکے برخلاف کوئی نتیجہ نکل سکے بلکہ جب اس واقعہ پر غور کیا جاوے کہ یوحنا نے بہت سارے یہودیون کو جن مین یسوع بھی شامل تھا بپتسمہ دیکر برکت دی تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے وقت مین سب سے بڑا راستباز تھا۔ اور یسوع سے بھی افضل درجہ پر اسکی عصمت تھی۔ یہ سب کچھ صرف انجیلون کی بنیاد پر ہے ٭

پولوس لوقا اور مرقس تو یہ شہادت دیتے ہین لیکن اسکو پس پشت ڈالکر الف میم جرأت سے یہ بیان کرتا ہے کہ یسوع ناصری کے سوا باقی کل دنیا کو عیسائی گنہگار مانتے ہین بلکہ وہ یہ دعوےٰ بھی کرتا ہے کہ یہودی بھی یہی اعتقاد رکھتے ہین کیونکہ وہ لکھتا ہے۔ "جس طرح اہل کتاب نے اپنی کتب آسمانی کی بنیاد پر عصمت انبیاء سے عموماً انکار کیا اسی طرح اہل اسلام کے درمیان بھی محققین گذرچکے" وغیرہ۔ اہل کتاب مین یہود اور نصاریٰ دونون شامل ہین اور اگر مصنف کا اس عبارت سے یہ منشا نہ بھی ہو تاہم اس امر کا دیکھنا نہایت ضروری ہے کہ یہود کا عقیدہ کیا تھا کیونکہ اصل عقیدہ وہی تھا اور عیسائیون نے صرف یسوع کو خدا بنانے کے لئے یہ عقیدے گھڑے ہین اور اسیواسطے ان عقیدون کی انکی اپنی مسلم کتابون مین تردید پائی جاتی ہے اسلئے اب ہم حسقدر عیسائی دنیا کے مذہب اور انکی کتب مقدسہ پر غور کر چکے بعد ہم یہودیون کا اعتقاد دیکھتے ہین۔ یہ امر قابل غور ہے کہ یہودی ایک ایسے مسیح کے منتظر تھے جو انکے گذشتہ انبیاء کی مانند ہو۔

اسکا آنا موسوی شریعت کے خادم کے رنگ مین تھا اور اس لئے وہ خادم ہونیکی حیثیت مین اپنے
آقا بنی اسرائیل کے عظیم الشان شارع اور نجات دہندہ سے بڑھ کر نہین ہوسکتا تھا۔ اور ایسی
فضیلت اسکو دینا کوئی یہودی روا نہ رکھ سکتا تھا۔ یہود کے اعتقاد مین حضرت موسیٰ سے اسکا کم
درجہ پر ہونا اس امر سے بھی ظاہر ہے کہ اسکے آنے کا بڑا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ بنی اسرائیل کو دوسرے
لوگون کی غلامی سے نجات دے۔ اگرچہ یشوع نے اتنا بھی کر دکھایا لیکن حضرت موسیٰ نہ صرف انکے
نجات دہندہ تھے بلکہ انکے شارع بھی تھے جنکے پیچھے ہر پیغمبر چلتا تھا اور جنکی شریعت کے معضلات کو
وہ حل کرتا تھا۔ اب جب عیسائیون کا یہ دعویٰ ہے کہ جو پیشگوئیان مسیح کے تعلق مین ہین وہ مسیح
کو معصوم قرار دیتی ہین تو اسکا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ دوسرے انبیاء بھی یہود کے نزدیک معصوم تھے۔
ابتدائی عیسائیون کی شہادت سے جو مسیح کے متعلق صحیح عقیدے پر قائم تھے جیسا کہ وہ یہودیون کے
درمیان چلا آتا تھا۔ اور ان فرقون کی شہادت سے جو ابتدائی عیسائیون کے عقائد کے مطابق قائم
ہوئے اس نتیجہ کی جو اوپر بیان کیا گیا ہے کھلی تائید ہوتی ہے اور اسکے متعلق حوالجات ہم اوپر دیچکے
ہین ان امور کے علاوہ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ یہودی ایک لمحہ کیلئے بھی یہ خیال روا نہ رکھ سکتے
تھے کہ حضرت ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور انکے دوسرے بڑے بڑے انبیاء گنہگاری کی حالت مین اس دنیا سے
گذر جائین اور انکو گناہون سے پاک کرنیکے لئے مسیح انکے پیچھے آوے بلکہ مسیح کے آنیکی امید بھی صاف صاف
الفاظ مین حضرت موسیٰؑ کے بہت مدت بعد یہودیونکو دی گئی جب کہ وہ مصائب کے نیچے پیسے جارہے
تھے اور ایسے وقت مین یہ پیشگوئیان کی گئین کہ ایک ایسا نبی آوے گا جو انکو غیر قومون کی غلامی اور حکومت
سے نجات دیگا کوئی سمجھدار آدمی ایک لمحہ کیلئے بھی یہ خیال نہین کر سکتا کہ شیث و نوح و ابراہیمؑ
و اسحاق و یعقوب و موسیٰؑ اور دوسرے مقدس نبی جنھون نے مسیح کے آنیکی کبھی کوئی پیشگوئی نہین
کی اور نہ کبھی اپنی امتون کو یہ تعلیم دی کہ خدا انسان بنکر آسمان سے اُترے گا وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ

ان کی نجات ایک شخص کی پھانسی سے ہوگی جو ہزارہا سال بعد آنیوالا ہے۔ جو پیغمبر آیا تھا تو وہ خدا کا حکم لوگوں کو پہنچاتا رہا اور یہی تعلیم انکو دیتا رہا کہ نجات اور گناہ کی غلامی سے آزادی صرف احکام الٰہی پر چلنے سے ملسکتی ہے اور سچی پاک زندگی اور راستبازی کے طریقہ پر چلنے سے حاصل ہوسکتی ہے جو خدا تعالےٰ نے انکے ذریعہ ظاہر کئے ہیں۔ ایک بھی فقرہ صحف انبیا میں ایسا نہیں بتایا جا سکتا جس میں کسی نبی نے اپنی امت کو یہ بھی کہا ہو خواہ وہ شریعت کے سارے حکموں کو پورا کریں اور اللہ تعالےٰ کی پوری پوری اطاعت اختیار کریں تاہم ایک حصہ انکے گناہوں کا ایک انسان یسوع کیخاطر باقی رکھ لیا جاوے گا اور اسلئے نفس کی کامل پاکیزگی سے نہیں بالکل مایوس رہنا چاہیے جب تک کہ وہ انسان دنیا میں ظاہر نہ ہو۔ نہ ہی کبھی کسی نبی نے یہ کہا کہ خدا کے احکام کے پورا کرنیکی انسان کو طاقت نہیں دیگئی بلکہ برعکس اسکے اللہ تعالیٰ اسرائیلیوں کو یوں فرماتا ہے "تاکہ تم میرے سب حکموں کو یاد کرو اور انکو عمل میں لاؤ اور اپنے خدا کیلئے مقدس ہو" (گنتی ۱۵/۴۰) جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ وہ سب حکموں پر عمل کر سکتے اور خدا کے نزدیک مقدس ٹھہر سکتے تھے اسلئے اگر انبیاء علیہم السلام نے یہ تعلیم دی جیسا کہ واقعی انہوں نے دی کہ سچی پاکیزگی صرف ان احکام کی پورے طور سے پیروی کرنے سے ملسکتی تھی جو اللہ تعالےٰ نے انکے ذریعہ لوگونکو دئے تھے تو مسیح کی نسبت یہ عقیدہ کہ وہ دنیا کے گناہونکو جو ایک پاک اور الٰہی شریعت سے دور نہ ہوسکے اٹھالے ایک صریح لغو اور باطل خیال ٹھہرتا ہے اگر انبیاء علیہم السلام یہ جانتے تھے کہ بڑے سے بڑا کام جو وہ کر سکتے ہیں وہ صرف یہی ہے کہ لوگوں کو نیم فرشتے اور نیم شیطان بنادیں تو وہ اپنی امتوں کو کبھی تو ایسا کہہ دیتے اور پھر ایسی حالت میں جب کوئی انسان بھی بدکاری سے خالی نہیں تھا تو مومن اور غیر مومن میں خدا نے یہ فرقان کیوں قائم کیا کہ ایک فریق کو تو آسمانی مدد بھیجی اور اپنی نصرتیں انکے شامل حال کیں اور دوسرے فریق کو سزاؤں میں مبتلا کیا اور اسی دنیا میں انکو ذلیل و خوار کیا +

پھر ایک اور پہلو اس سوال کا ہے یوحنا ۹ میں لکھا ہے کہ یہودیوں نے کہا کہ "کیونکر ہو سکتا ہے کہ گنہگار انسان ایسے معجزے دکھائے" اور پھر آگے چلکر اسی مباحثہ کی اثنا میں یہ کہا گیا ہے کہ "ہم جانتے ہین کہ خدا گنہگارون کی نہین سنتا پر اگر کوئی خدا پرست ہو اور اسکی مرضی پر چلے تو اسکی وہ سنتا ہے" یوحنا ۹ - ان آیات سے یہود کے اعتقاد کا واضح طور پر پتہ ملتا ہے - کوئی گنہگار معجزے نہین دکھا سکتا اور نہ اللہ تعالیٰ کسی کی سنتا ہے جب تک وہ اسکی مرضی کی راہون پر نہ چلے اگر یہود اپنے انبیاء کو گنہگار سمجھتے تو وہ ان کیطرف معجزات کو منسوب نہ کرتے حالانکہ ہم دیکھتے ہین کہ انبیاء کے صحائف زبردست معجزات سے بھرے پڑے ہین جو انھون نے دکھلائے اس نتیجہ کو کہ گنہگار معجزات نہین دکھا سکتا عیسائیون کو بھی ماننا پڑے گا - کیونکہ جس آدمی کا یوحنا نوین باب مین ذکر ہے اُس نے مسیح کے دعوے کو اسی دلیل پر تسلیم کیا تھا کہ وہ معجزات دکھاتا ہے اور گنہگار معجزات نہین دکھا سکتا - اگر اُسنے اس دلیل پر یسوع کا دعوے تسلیم کرنے مین غلطی کی تو دوسرے لوگ جنہون نے مسیح کے دعوے کو تسلیم کیا اُنھون نے بھی ایسی غلطیون سے ہی تسلیم کیا ہوگا - اور اس طرح پر یہ ماننا پڑے گا کہ مسیح کو جن لوگون نے قبول کیا وہ سب کسی نہ کسی غلطی مین پڑکر گمراہ ہوگئے تھے اور نہ ہی اس دلیل ہر کہ معجزات جھوٹے نبی بھی دکھا سکتے اور شیطان کے توسل سے بھی معجزات دکھلائے جا سکتے ہین یہ کہا جا سکتا ہے کہ انبیا کا بیگناہ ہونا معجزات سے ثابت نہین ہوتا کیونکہ جن انبیا کے معجزات کا بائبل مین ذکر ہے وہ جھوٹے نبی نہ تھے اور نہ ہی شیطان کی طاقت سے وہ معجزات دکھاتے تھے یہ امر یہودیون اور عیسائیونکے نزدیک مسلّم ہے +

علاوہ ازین جن الفاظ یا فقرات سے یسوع کی عصمت کی دلیل نکالی جاتی ہے وہی اور ویسے ہی الفاظ اور فقرات دوسرے انبیا کی نسبت بھی بائبل مین استعمال ہوئے ہین اور اس لئے یا تو یسوع بھی معصوم نہین یا دوسرے انبیا بھی اس کی طرح معصوم ہین حضرت نوح کے متعلق بائبل مین یہ

الفاظ ہین کہ "نوح اپنے قرنون مین صادق اور کامل تھا اور نوح خدا کے ساتھ چلتا تھا۔" (پیدایش ۶) ابراہیم کو خداوند نے مخاطب کر کے فرمایا "مین خدائے قادر ہون تو میرے حضور مین چل اور کامل ہو" (پیدایش ۱۷/۱)۔ حضرت موسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "تو خداوند اپنے خدا کے آگے کامل ہوگا۔" اور پھر "موسیٰ بہت ہی حلیم تھا وے زمین کے سب لوگون سے بڑھکر" (استثنا ۱۸/۱۳)۔ پھر زبور مین حضرت داؤد خداوند کے مقدس لوگون کا یون ذکر کرتے ہین۔ "مبارک وے جو راہ مین کامل رفتار ہین اور خداوند کی شرع پر چلنے والے ہین۔ مبارک وے جو اسکی شہادتون کو یاد رکھتے ہین اور اپنے سارے دل سے اسے ڈھونڈتے ہین وے بدی بھی نہین کرتے وے اس کی راہون پر چلتے ہین" (زبور ۱۱۹/۱-۳) اور پھر "صادق کا منہ دانائی کی بات کہتا ہے اسکی زبان سے عدالت کا کلمہ نکلتا ہے اسکے خدا کی شریعت اسکے دل مین ہے اسکا پاؤن کبھی نہ پھسلیگا۔" (زبور ۳۷/۳۱) لاوی کی متعلق خداوند تعالیٰ یون فرماتا ہے۔ "سچائی کی شریعت اسکے منہ مین تھی اور اسکے لبون مین کوئی شرارت پائی نہ گئی وہ میرے ساتھ سلامتی اور راستی سے چلتا رہا اور اپنے بہتون کو بدی کی راہ سے پھیرا۔" (ملاکی ۲/۶) لوقا کے الفاظ زکریا کے متعلق کہ وہ خداوند کے تمام احکام پر چلتا اور بے عیب تھا اور مرقس کے الفاظ یوحنا کے متعلق کہ وہ راستباز اور مقدس تھا پہلے نقل کئے جا چکے ہین۔ اس قسم کے حوالے بائبل سے بکثرت دئے جا سکتے ہین لیکن بالفعل اسیقدر کافی ہونگے ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بائبل مین اگر یسوع کو بے عیب اور حلیم اور بدی نکرنے والا اور راستباز کہا گیا ہے تو یہی کلمات اور ان سے بھی بڑھکر دوسرون کی نسبت موجود ہین اور اس لئے عیسائیون کا یہ عقیدہ کہ یسوع کے سوا باقی سب گنہگار ہین اور اکیلا یسوع ہی بیگناہ ہے محض یسوع کی خدائی کی تائید کیلئے گھڑ لیا گیا ہے اور اب بھی عیسائیون کی ایک کثیر تعداد یسوع کی طرح کسی اور انسان کو بھی بیگناہ مانتی ہے خواہ وہ مریم ہو جو عیسائیون کے محاورہ مین

"خدا کی ماں" ہے یا کوئی اور ہو کیونکہ اگر یسوع کے سوا ایک بھی اور انسان بیگناہ ٹھہر جائے تو پھر مسیح کی یکتائی اور اسکے کفارہ کی ضرورت اور اثر پر پانی پھر جاتا ہے۔ رومن کیتھولک مریم کی عصمت کے لئے جو دلیل دیتے ہین وہ نہایت سیدھی سادھی دلیل ہے۔ اگر اصلی گناہ موروثی ہے تو ضرور ہے کہ یسوع کو بھی اپنی ماں کے ذریعہ اسکا کچھ نہ کچھ حصّہ ورثہ مین ملا ہو جبتک کہ یہ نہ مانا جاوے کہ مریم بھی بیگناہ تھی اس لئے مریم کی عصمت یسوع کی عصمت کیلئے نہایت ضروری ہے ہان یہ سوال ہوسکتا ہے کہ پھر مریم کے والدین بھی معصوم ہونے چاہئے کیونکہ انکے بغیر مریم معصوم نہین ہوسکتی اور اسی طرح آدم تک سارا سلسلہ بیگناہ اشخاص کا ہونا چاہئے اگر اس زنجیر کی ایک کڑی بھی ٹوٹ جاوے تو ساری زنجیر نکمی ٹھہرتی ہے پس موروثی گناہ کو مانکر اکیلے یسوع کو معصوم ماننے والون اور یسوع کے ساتھ مریم کو بھی معصوم ماننے والون مین یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ کون زیادہ بیہودگی کا مرتکب ہے ہان دونون فریق مین سے ہر ایک اپنی بات کو بالمقابل زیادہ معقول کہہ سکتا ہے +

اس کے بعد الف میم نے کیفیت عصمت پر کچھ بحث کی ہے جسے وہ ہماری عصمت کی تعریف قرار دیتا ہے وہ انبیاء کی حالت کا ایک نقشہ تھا کہ انکے اقوال و افعال سب الٰہی چشمہ سے ہوتے ہین اور ان کے اپنے نفس کی خواہشات کا نتیجہ نہین ہوتے کچھ تعجب نہین اگر یہ بات الف میم کی سمجھ مین نہ آسکے اور وہ اسپر اعتراض کرے۔ روحانیت کا وہ اعلیٰ مقام جسپر اسلام انسان کو پہونچاتا ہے عیسائیون کی سمجھ سے برتر ہے کیونکہ انکے روحانی قوے ایک انسان کی خدائی کے بیہودے عقیدہ اور اسکے خون پر جھوٹے بھروسہ کے باعث مرچکے ہین وہ نہ صرف اعمال مین ہی مردہ ہین بلکہ ایمان مین بھی مردہ ہین اور اس لئے روح القدس کی روشنی ان کے اندر سے بجھ چکی ہے قرآن شریف مین بکثرت ایسی آیات موجود ہین جنسے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے برگزیدہ نبی ایسے اسکی محبت مین کھوئے جاتے ہین کہ خدا کے سوائے ہر ایک چیز بلکہ انکی اپنی ہستی بھی ان کی نظر مین کالعدم ہوتی ہے

اِن کی اپنی خواہشات اور نفسانی جذبات پر ایک موت وارد ہو چکی ہوتی ہے اور اس لئے جب وہ بولتے یا کوئی کام کرتے ہین تو اپنی خواہش یا نفسانی جذبہ سے نہین کرتے یہ روحانیت کا سب سے اعلےٰ مقام ہے اور اس مقام مین روح القدس کی روشنی سے بھر کر انکا ہر ایک قول و فعل روح القدس کی ہدایت سے ہوتا ہے یہی انکی فطرت ہو جاتی ہے اور انکے ارادے ایسے کامل طور پر خدا کے تصرف مین اور اسکی مرضی کے تابع ہوتے ہین کہ جو کچھ وہ کہتے یا کرتے ہین وہ سب الٰہی تصرف سے اور اسی کی مرضی سے کرتے ہین۔ قرآن کریم مین اس اعلےٰ مقام کی شہادت بکثرت موجود ہے۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ۔ یعنے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے کوئی بات منہ سے نہین نکالتے بلکہ جو کچھ بولتے ہین خدا کے بلائے بولتے ہین اور پھر فرماتا ہے وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ۔ یعنی جو کچھ فعل وہ کرتے ہین وہ ان کا فعل نہین بلکہ خدا کا فعل ہے۔ ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال انسانی خواہش کا نتیجہ نہین تھے بلکہ الٰہی سرچشمہ سے نکلتے تھے پھر قرآن کریم صاف الفاظ مین انسان کی تین حالتین بیان کرتا ہے سب سے پہلی حالت نفسانی خواہشات کے غلبہ کی ہے جسکو قرآن کریم مین نفس امّارہ کے نام سے موسوم کیا ہے اسکے بعد دوسری حالت وہ ہے جب انسان کی نیک خواہشات اسکی بد خواہشات کا مقابلہ کرکے ان پر غالب آتی ہین چونکہ یہ حالت ایک کشمکش کی حالت ہوتی ہے اسلئے اس مین انسان کبھی ٹھوکر بھی کھا جاتا ہے گو جلدی سنبھل جاتا ہے لیکن یہ روحانی ترقی کا آخری مقام نہین ہے جو . . . . . . حالت پر مستقیمن ہو جاتا ہے اور اسی مقام کو مجاہدات کا انجام خیال کرتا ہے وہ سخت دھوکے مین پڑا ہوا ہے۔ ابھی روح القدس کی روشنی نے پورے طور پر اسکو روشن نہین کیا ہوتا اور نہ شیطان اس سے پورے طور پر مایوس ہوتا ہے۔ اسکے لئے اور خواہشین ابھی تو

طور پر خدائے تعالیٰ کے تابع نہین ہوئے اور نہ ہی اسکے نفسانی جذبات پر ابتک موت وارد ہوئی ہی جو
لوگ سچے خدا کو نہین پہچانتے اور اس لئے اسکی طاقت اور جلال کے سامنے اس طرح نہین جھک سکتے
جس طرح انہین جھکنا چاہیئے اس ناقص اخلاقی حالت پر مطمئن ہو جائین تو ہو جائین لیکن خداتعالے
کے ساتھ سچا تعلق جو مذہب کا اصل مقصد اور غرض ہی وہ ابھی بہت دور پڑا ہوا ہے۔ جب کہ انسان
روحانی ترقی کے اعلےٰ مدارج پر پہونچتا ہے تو بدی کی تمام کششین مغلوب ہو جاتی ہین اور الہی نور
سے انسان بھر جاتا اور روح القدس اسکا دائمی رفیق ہو جاتا ہے اسکے ارادے خدایتعالےٰ
کی مرضی کے پورے طور پر تابع ہو جاتے ہین اور اسلئے ایسے مقام پر اسکی نسبت یہ کہنا غلط نہین
ہوتا کہ وہ اس طرح خدا کے تصرف تام مین ہوتا ہے جس طرح ایک کل انسان کے تصرف مین
ہوتی ہی۔ یہ ایک عجیب اعتراض ہی (ہان اگر ایک عیسائی کے منہ سے نکلے تو کچھ تعجب بھی نہین)
کہ اگر انسان کے ارادے خدا کے کامل طور پر تابع ہو جاوین اور خدا کی مرضی سے اسے موافقت تامہ
حاصل ہو جاوے تو پھر وہ فاعل ذی اختیار نہ رہا۔ ایسے اعتراض سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ معترض
نہین سمجھ سکتا کہ روح القدس کیونکر انسان کے اندر کام کرتا ہے اور انسان کا روحانی کمال کیا
ہے۔ اسلام وہ پاک مذہب ہے کہ ایک لفظ مین ہی اپنے نام کے اندر اس نے ساری حقیقت کو
ظاہر کر دیا ہی کاش عیسائی دیکھ سکتے کہ وہ کن غلطیون مین مبتلا ہین اور وہ سچائیان کیسی مبارک
ہین جو اسلام سکھاتا ہی۔ ہم کس طرح کہہ سکتے ہین کہ انکو نجات ملگئی ہے جب کہ نجات کی اصلی حالت
سے جو اسی دنیا مین انسان کو ملتی ہی وہ اس قدر ناواقف اور بے بہرہ ہین کہ اسپر اعتراض
کرتے ہین کیونکہ حقیقی نجات کیا چیز ہے وہ کامل اطمینان اور سکینت کی حالت ہی۔ جب انسان
بدی کی طاقت سے پورے طور پر نکلجاوے اور گناہون سے پاک اور صاف کیا جاوے اور خداتعالے
کی مرضی کے پورے طور پر تابع ہو کر اور اسکے ارادہ سے موافقت تامہ حاصل کرکے کامل خوشحالی

اور سچی خوشی حاصل کرے لیکن عیسائی اس حالت سے ایسے ہی بےخبر ہین جیسے کہ وہ سچے خدا سے
بےخبر ہین اور ان کا اعتراض کرنا کچھ تعجب کی جگہ نہین ان کی عقلین اس بات کو تو سمجھ سکتی ہین کہ
ایک آدمی کیونکر ساری دنیا کے گناہ اٹھاکر سب کو آزاد کر گیا اور کس طرح باوجود اسکے کہ وہ گناہ کرتے
ہین اور نفسانی خواہشون کے پیچھے چلتے ہین ان کو نجات ملگئی ہی لیکن سچی نجات جو گناہ سے آزادی
اور روح کی پاکیزگی کا نام ہے وہ انکی سمجھ مین نہین آسکتی۔ الف میم کی اس تحدی کا جواب کہ قرآن
شریف کی وہ آیتین بتلای جاوین جسمین انسان کے اس اعلے مقام پر پہونچ جانیکا ذکر ہو صرف
اس قدر کافی ہی کہ اگر اسکے دل مین رائی کے دانہ کے برابر بھی نیک نیتی ہوتی تو وہ یہ تحدی نہ کرتا کیونکہ
جہان سے اسنے عبارت نقل کی ہی وہ عمداً آیت کے اور قرآن شریف کے ذکر کو چھوڑ کر باقی عبارت نقل کی ہے
چنانچہ وہ لکھتا ہی۔ "انھون نے عصمت کی تعریف یہ بتلائی ہے..... الخ۔" حالانکہ جہان یہ مضمون
ہے وہ عبارت اس طرح پر چلتی ہی (جلد ۲ صفحہ ۷۰) "قرآن شریف مین بکثرت ایسی آیات موجود
ہین جنسے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کی اپنی ہستی کچھ نہین بلکہ وہ اس طرح بکلی خدا کے تصرف
مین ہوتے ہین جس طرح ایک کل انسان کے تصرف مین ہوتی ہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو
اللہ تعالےٰ حکم دیتا ہی۔ قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین
..... الخ۔" اب یہ کیسی ایمانداری ہی کہ آیت کو اور قرآن شریف کے ذکر کو بالکل اور عمداً ترک کرکے
تحدی یہ کی ہی کہ کوئی آیت پیش نہین کی۔ ایسا ہی اسی مضمون کے جو استغفار پر لکھا گیا ہی صفحہ
۱۷۰ پر اور عصمت کی بحث مین دوسرے اکثر مقامات پر ان آیات کا حوالہ دیا گیا ہے جنسے پایا
جاتا ہی کہ انبیاء کے اقوال وافعال سب الٰہی سرچشمہ سے ہوتے ہین اور بار بار ان آیتون کا نقل کرنا
صرف موجب طوالت ہی اس جگہ اتنا بیان کردینا بھی ضروری ہی کہ یہ حالت انبیاء کی استغفار کے
کسی طرح منافی نہین بلکہ حقیقت یہ ہی کہ یہ حالت دائمی استغفار کی حالت ہوتی ہی یعنی حفاظت

الٰہی طلب کریگی جب انسان اپنے آپکو خداتعالیٰ کے ارادہ اور مرضی کے تابع کردیتا ہے۔ تو وہ یہ سمجھکر کرتا ہے کہ وہ اپنی طاقت سے کوئی نیکی کا کام نہین کرسکتا۔ اور اسلیئے اپنے آپکو الٰہی آستانہ پر گرادیتا ہے اور سب طاقت اس طاقتون والے خدا سے طلب کرتا ہے اسلیئے اس کو اس طاقت کے سرچشمہ سے استغفار کے ذریعہ سے غذا ملتی ہی اور پھر جو طاقت اسکے اندر کام کرتی ہی وہ اسکی اپنی طاقت نہین ہوتی بلکہ خدائی طاقت ہوتی ہے۔ +

اس کے بعد ہم کسیقدر اس اصول پر بحث کرینگے جو قرآن کریم کے معنے کرنے مین ملحوظ رکھنا چاہیے جولائی کے پرچہ مین جو کچھ اسکے متعلق ہم نے لکھا تھا اسکو الف میم نے اپنے مطلب کیلئے بگاڑ کر کچھ کا کچھ بنالیا ہے ہمنے کبھی یہ نہین لکھا کہ قرآن شریف مین جب ایک لفظ ایک ہی معنے مین آئے تو ضرور ہی ہر موقعہ پر اسکے وہی معنے لینے چاہیئے۔ ہمنے یہ لکھا تھا جیساکہ الف میم نے اپنی کتاب مین نقل بھی کیا ہی کہ "قرآن شریف خود اپنی تفسیر آپ کرتا ہے۔ اور اسکے بعض حصے دوسرون پر روشنی ڈالتے ہین۔ جواب دیتے وقت ہم صرف قرآن کریم کے الفاظ کو ہی پیش کرینگے اور معنے کرتے ہمین انھین معنون کو صحیح سمجھینگے جو قرآن شریف کو دوسرے حصونکے مخالف نہون اور جنکا موید خود قرآن شریف ہو" یہ وہ اصول ہی جسے خود قرآن شریف نے بیان کیا ہی اس سچے اور صحیح اصول کو الف میم بگاڑ کر یون بناتا ہی کہ جب قرآن شریف مین کسی موقعہ پر ایک لفظ ایک خاص معنے مین استعمال ہوا ہے تو دوسری جگہ بھی اس لفظ کے وہی معنے لئے جاوینگے حالانکہ جب کوئی لفظ مختلف معانی برداشت کرسکتا ہو تو اسوقت اسکے معنے کسی خاص عبارت مین کرنیکے لئے خاص امور پر غور کرنا ہوگا۔

مثلاً قرآن کریم مین آیا ہے کہ شیطان کہتا ہے لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ۔ مین ان سبکو گمراہ کرونگا سوائے تیرے مخلص عباد کے یہان جو لفظ گمراہ کرنیکے لئے استعمال کیا گیا ہے وہ "غوے" ہے جسکے معنے ہین غلطی کرنا یا سیدھے راہ سے

انحراف کرنا۔ اور مایوس ہونا یا اپنی خواہش کو حاصل نہ کرسکنا وغیرہ وغیرہ اور اغوا کے معنے گمراہی مین ڈالنا وغیرہ وغیرہ انہی معنون کو لئے ہوئے ہین۔ اسلئے لفظ اغوینہم کے معنے گمراہی یا غلطی مین ڈالنے کے ہوئے لیکن ان لوگون مین سے جنکو شیطان گمراہی مین ڈال سکتا ہے ایک خاص گروہ مستثنی کیا گیا ہے اور وہ گروہ خدا کے ان خاص بندونکا ہے جنکو مخلصین کے نام سے یاد کیا گیا ہے جس لفظ کے معنے لین کی ڈکشنری مین اس طرح پر کئے ہین کہ خدا کے وہ برگزیدے جو ہر ایک آلایش سے پاک ہین۔ اسلئے یہ جماعت ایسی ہے جنکو شیطان گمراہ نہین کرسکتا چنانچہ اللہ تعالے بھی اسجگہ فرماتا ہے ھذا صراط علیّ مستقیم۔ اِنّ عبادی لیس لک علیہم سلطان۔ گویا خداوند تعالے شیطان کو فرماتا ہے جو میرا ہوگیا اسکو تو نہین بہکا سکتا اور نہ تو اسپر قابو پا سکتا ہے اسلئے یہ صفائی سے ثابت ہوگیا کہ قرآن کریم خدا کے برگزیدہ بندون کی ایسی جماعت بیان کرتا ہے جو ہر آلایش سے پاک ہین جنپر شیطان کا کوئی قابو نہین چل سکتا۔ اور جنہین وہ صراط مستقیم سے ایک بال کے برابر بھی نہین پھیر سکتا یہ امر ظاہر ہے اور اسپر بحث کرنیکی کوئی ضرورت نہین کہ اس ممتاز جماعت مین سب سے پہلے انبیاء کا گروہ ہی شامل ہے۔ اب قرآن شریف نے ایک اور جگہ فرمایا ہے اِنَّ اللہ اصطفیٰ اٰدم و نوحًا۔ کہ خدا نے اپنے بندے آدم اور نوح کو چن لیا اور برگزیدہ کیا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالے آدم کو بھی برگزیدونمین قرار دیتا ہے اور پہلی آیت سے ظاہر ہے کہ شیطان برگزیدونکو بہکا نہین سکتا۔ یہ نتائج ایسے روشن ہین جس طرح سورج اور ان الفاظ کے سوائے ان معنونکے اور کوئی معنے بھی نہین ہوسکتے۔ اسلئے یہ آیت محکمات مین سے ہے۔ متشابہات کے معنے کرنےمین اس آیت کو مدنظر رکھنا ہوگا۔ یعنی جہان کسی آیت کے معنے دو طرح سے ہوسکتے ہون تو وہ معنے اختیار کرنے ہونگے جو اس آیت کے معنونسے مطابقت رکھتے ہون چنانچہ اس اصول کو مدنظر رکھکر اب ہم آیت عصیٰ اٰدم ربہٗ فغویٰ

کے معنی کرتے ہین یہان اگر لفظ غوی کے معنی وہی لئے جاوین جو آیت مذکورہ بالا مین دئے ہین تو صاف ظاہر ہے کہ دونون آیتین ایکدوسری کی نقیض ہونگی اسلئے ایسے معنی کرنے یہ کہنے کے برابر ہین کہ قرآن شریف کا ایک حصہ دوسرے کو رد کرتا ہے حالانکہ جو اصول قرآن شریف ہمین بتاتا ہی وہ یہ ہی کہ قرآن شریف کا ایک حصہ دوسرے کا مؤید ہے اور قرآن شریف مین اختلاف جائز نہین جیسا کہ فرمایا لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیرا گویا قرآن کریم نے الف میم جیسون کی بیہودہ حرکات اور نکتہ چینی کا جواب پہلے سے یون دے رکھا ہی کہ مجھے تو دیکھو ہے خدا ایکطرف سے ہونیکا پس مجھ مین اختلاف کیون تجویز کرتے ہو۔ مین خدا ایکطرف سے ہون اور مجھ مین کوئی اختلاف نہین۔ اب پہلی آیت سے یہ تو قطعی فیصلہ ہو گیا کہ اس آیت متنازعہ فیہا مین لفظ غوی کے معنی گمراہ ہو جانیکے نہین ہو سکتے کوئی اور معنے ہونے چاہئے یہ ممکن ہی نہین کہ پہلے تو خدا تعالے کہے کہ میرے برگزیدہ بندونکو شیطان گمراہ نہین کر سکتا اور پھر کہے کہ آدم کو جو میرا برگزیدہ بندہ تھا شیطان نے گمراہ کر دیا لیکن لفظ غوی کے اور معنے بھی ہین چنانچہ لسان العرب کے علاوہ اب ہم لین صاحب کی ڈکشنری پیش کرتے ہین جس مین غوی کے یہ معنے بھی لکھے ہین کہ اسکی زندگی مصیبت مین پڑ گئی (یعنی اسکے آرام مین خلل آگیا) یا وہ مایوس ہو گیا اسلئے دوسری آیت مین ان معنون مین سے کوئی معنی لفظ غوی کے ہم کر سکتے ہین مگر ساتھ ہی یہ یاد رکھنا چاہیے کہ گمراہ ہونیکا مفہوم قطعاً ان معنون سے خارج ہے کیونکہ یہ مفہوم پہلی آیت کے مضمون کے خلاف ہی یہ معنی ہین اس فقرہ کے کہ قرآن شریف کا ایک حصہ دوسرے پر روشنی ڈالتا ہے اب یہ ایک ایسی دلیل ہی کہ ہزار مفسر کی رائے بھی اسکے خلاف کچھ نہین کیونکہ مفسرونکی رائین وحی الٰہی نہین ہین اور قرآن شریف کی صریح آیت کی تکذیب کرنا یا اسمین اختلاف ڈالنا اس طریق کو کوئی مسلمان اختیار نہین کر سکتا۔ چونکہ الف میم اسوقت قرآن شریف پر اعتراض اسکی سچائی کو مانکر کر رہا ہے اسلئے اسے انھین باتون کا پابند ہونا ضروری ہے جنکا پابند

ایک مسلمان ہوگا۔

آیت لاغوینھم اجمعین الا عبادک منھم المخلصین سے اور بڑے بڑے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ یہ قطعی طور پر اسبات کو ثابت کرتی ہے کہ خدا کے برگزیدوں کو شیطان راہ راست سے کبھی نہیں پھیر سکتا۔ اگر قرآن شریف میں اور کوئی آیت ایسی نہ بھی ہوتی جس سے انبیاء علیہم السلام کی عصمت ثابت ہوتی تاہم یہ ایک ہی آیت اِن سارے نتائج کی تردید کے لئے کافی تھی جو اس کے خلاف نکالے جاتے ہیں کسی نبی کے متعلق قرآن کریم نے جو الفاظ استعمال کئے ہیں انکے معنے کرنے میں ہمیں صرف اس حد تک آزادی ہے کہ کوئی ایسے معنے اُنکے نہیں ہو سکتے جنسے کسی نبی کیطرف گناہ کا ارتکاب منسوب کرنا پڑے کیونکہ اس آیت کے معنے تو سوائے اسکے کچھ اور ہو ہی نہیں سکتے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کی ایک خاص جماعت کو شیطان کے قابو سے باہر نکالکر خالص اپنے لئے بنالیا ہے یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ دو لفظ ہیں جنسے اس جماعت کو بیان کیا گیا ہے یعنی عبادک اور المخلصین۔ عباد کے سے مراد خدا کے عبد ہیں اور عبد کے معنے پوری فروتنی اور عاجزی سے اطاعت کرنے کے ہیں اسلئے عبد کے معنوں میں عاجزی سے پوری پوری اطاعت کا مفہوم لازمی ہے اور عبد کے معنے ہیں غلام جو آقا کے ہر ایک حکم کو مانتا اور اسکی پوری فرمانبرداری اختیار کرتا ہے۔ لہذا عباد کے سے مراد وہ بندے ہیں جو پوری عاجزی اور فروتنی سے خدا کے ہر ایک حکم کو مانتے ہیں اور اسکے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے (لفظ عباد صیغہ جمع ہے۔ یہ ہم اس غرض سے بیان کرتے ہیں کہ مبادا بعض فہیم کہیں کہ اسجگہ مراد صرف عیسےٰ سے ہی) اگر شیطان نے یہ لفظ نہ بھی کہے ہوتے کہ خدایا تیرے مخلص عباد پر مجھے کوئی قابو نہیں تاہم لفظ عباد ہی اسبات کو بتا رہا ہے کہ وہ خدا کے پورے پورے فرمانبردار ہیں اور اسلئے شیطان کے فرمانبردار نہیں ہو سکتے۔ شیطان کی فرمانبرداری کرنیوالوں کو قرآن شریف میں عبد الطاغوت کہا گیا ہے جس طرح پر عبد الطاغوت شیطان کی

فرمانبرداری کرتے اور خدا کے حکمونکی خلاف ورزی کرتے ہین اسی طرح پر عباد اللہ صرف خدا کے
احکام کو مانتے ہین اور شیطان کا انمین کوئی حصہ نہین ہوتا اسلیئے وہ انکو گمراہ بھی نہین کرسکتا۔
لفظ المخلصین کا استعمال جو عبادک کی تعریف مین ہوا ہی اس مضمون پر اور بھی روشنی ڈالتا ہے
اسکا مادہ خلص ہی جسکے معنے صاف ہونا پاک ہونا ہر ایک ملاوٹ سی یا کھوٹ سی پاک ہونا امن یا
حفاظت مین ہونا یا آزاد ہونا ہین اسلیئے مخلصین وہ لوگ ہین جو ہر ایک میل کچیل سی اور کھوٹ سی
پاک کئے گئے ہون اور شیطان سی جو ہلاک کرنے والا ہے محفوظ لیئے گئے ہون۔ چنانچہ اخلص للہ العمل
کے معنے ہین کہ اسکا عمل جو خدا کے۔ لئے اسنے کیا ہر ایک کھوٹ اور ملاوٹ سی پاک تھا اور خالص خدا کیلئے
ہی تھا اور اخلصناھم بخالصۃ ذکرے الدار جو قرآن شریف مین آیا ہی اسکے بھی یہی معنے
ہین کہ ہمنے ان کو ایک نہایت پاک صفت سی پاک کردیا ہے اور وہ کیا ہی دار آخرت کا یاد رکھنا۔ اسلئے
لفظ مخلصین کا عبادک کی صفت مین لانا صاف اسبات کو بتا رہا ہی کہ اللہ تعالی یہ ظاہر کرنا چاہتا
ہے کہ اطاعت کا جو مفہوم عبادک مین پایا جاتا ہے وہ ایسی اطاعت نہین جس مین غیر کی اطاعت
بھی ملی ہوئی ہو بلکہ وہ اطاعت خالص خدا کی اطاعت ہی اور اس مین کسی دوسرے کا کوئی حصہ نہین
مخلص جسکی جمع مخلصین ہی اسکے معنے جولین نے اپنی ڈکشنری مین کئے ہین وہ ہم پہلے دیکھچکے ہین کہ اسکے
معنے ہین وہ جسے خدا نے چن لیا اور جو ہر ایک قسم کی آلایش سی پاک ہی اور یہی اسکے معنے ہین کہ جو وہ کہے یا
کرے اپنے قول و فعل مین خالص اور بالکل پاک ہو۔ اب یہ بات نہایت آسانی سی سمجھ مین آسکتی ہی
کہ شیطان کا قابو اِن لوگو نپر نہین چل سکتا جو خدا کے ہاتھ سے پاک اور محفوظ کئے گئے ہون اور
جنکو فطرتاً ایک پاکیزگی نفس کی عطا کیگئی ہو جو ان سی جدا نہین ہوسکتی اور جنکے دلونکو ہر قسم کی بدی کے
خیال سی محفوظ کیا گیا ہو۔ ایسے لوگو نپر شیطان کا کوئی تصرف نہین ہوسکتا اور وہ پیدایش سے ہی
پاک اور معصوم ہوتے ہین اس تمام بحث کا یہ یقینی نتیجہ ہی کہ ان لوگون کیطرف گناہ ہرگز منسوب نہین ہوسکتا

جنکو عباد اللہ اور مخلصین کہا گیا ہے خصوصًا اس حالت مین کہ جب کھلے لفظون مین یہ بھی بیان کر دیا گیا ہو کہ شیطان کا ان پر کوئی تصرف اور وہ کبھی شیطان کی اطاعت نہین کرتے ÷

جو کچھ ہمنے اوپر لکھا ہی اس سے نہ صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ لفظ غوی جہان حضرت آدم کیلئے استعمال ہوا ہے اسکے معنے وہان گمراہ ہونیکے نہین بلکہ اس سے صاف طور پر یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انبیا جو سب سے پہلے مخلصین مین شامل ہین بالکل معصوم ہین - اور اس لئے قرآن شریف کی بہت سی آیتونکے معنے کرنے مین ہمین اس اصول کو مدِ نظر رکھنا ہوگا جو قرآن کریم نے ایک جگہ بیان کر دیا ہو اور ایسے صاف الفاظ مین بیان کیا ہے جنکے معنون مین کسی تاویل یا شبہ کی گنجایش نہین رہی یہی ہماری مراد تھی جب ہمنے کہا تھا کہ قرآن شریف بعض بعض کی تفسیر کرتا ہے مگر الحکیم تے اسکو توڑ مروڑ کر کچھ کا کچھ بنانا چاہتے ہے اور وہ اس سے مراد یہ سمجھتا ہے کہ جب قرآن شریف مین ایک جگہ ایک لفظ کسی خاص معنے مین مستعمل ہوجائے تو پھر ہر جگہ اس لفظ کے وہی معنے لینے ہونگے لیکن یہ اصول ہمارا بیان کردہ نہین - کوئی سمجھدار آدمی اس سے متفق ہو سکتا ہے کیونکہ ہر جگہ لفظ کے معنے کرنے مین مختلف باتون پر غور کرنا ہوگا یہ نہین کہ ایک جگہ ایک معنے آگئے تو اب اندھا دھند ہر جگہ وہی معنے لگاتے چلے جائین ہم اس کی اور بہت سی مثالین دیسکتے ہین لیکن بالفعل صرف ایک مثال اور دیکر ہم اس بحث کو ختم کرتے ہین ÷

یہ مثال لفظ ظالم کے متعلق ہی - قرآن شریف کی سورہ بقرہ مین خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ -

وَاِذِ ابْتَلٰی اِبْرٰهِیْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ - ترجمہ - اور جب ابراہیم کو اسکے رب نے احکام بھیجکر آزمایا تو ابراہیم نے ان سب احکام کو پورا کیا - اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مین تجھکو لوگون کیلئے امام بناؤنگا - ابراہیم نے عرض کیا اور میری ذریت مین سے بھی فرمایا ظالمونکو میرا عہد

ہونی ہی چاہیے۔ چونکہ لفظ ظالم مختلف معنون مین آیا ہی اسلئے سب سے پہلا امر قابل غور آیت مذکورہ بالا مین یہہ ہی کہ لفظ ظالم سے یہان کیا مراد لیگئی ہی مضمون آیت سے ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم کو اللہ تعالے نے جب دیکھ لیا کہ وہ اسکے پورے طور پر فرمانبردار ہین اور احکام الٰہی کی بجاآوری مین انکی طرف سے کوئی کوتاہی نہ دیکھی تو عنایت الٰہی نے انکو اس قابل دیکھکر امامت یعنی نبوت کا منصب عطا فرمایا۔ تب حضرت ابراہیم نے دعا کی کہ میری اولاد مین سے بھی نبی مبعوث فرمائے جاوین تو خدا تعالے نے فرمایا کہ ہان مین نبی تو بناؤنگا لیکن انکو نہین جو ظالم ہون اس لفظ کے سمجھنے کیلئے ہمین دیکھنا ہی کہ حضرت ابراہیم نے کیا کام کیا تھا جو انکو نبوت عطا ہوئی کیونکہ ظالم مین اسکا خلاف ہونا چاہیے وہ کام احکام الٰہی کی کامل طور پر فرمانبرداری تھی جسکا اسی آیت مین ذکر ہے اسلئے لفظ ظالم سے مراد لامحالہ اسجگہ پر یہی ہے کہ جس سے احکام الٰہی کی کامل فرمانبرداری مین کوئی نقص سرزد ہو۔ اب لغت کو دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ ظالم کے ایک معنے وہی ہین جو اس آیت سے ثابت ہوتے ہین پس اس مین کوئی شک نہین کہ ظالمین سے اس جگہ وہ لوگ مراد ہین جو کسی حکم الٰہی کی عمداً خلاف ورزی کرتے ہین اب اس لفظ کے معنونکا فیصلہ ہوجانیسے ایک نہایت ضروری اور یقینی اصول ہمارے ہاتھ مین آجاتا ہے۔ ابراہیم کو حکم ہوتا ہی کہ تیری اولاد مین سے اسیکو نبی بناؤنگا جو میرے حکمونکا کامل طور پر فرمانبردار ہو۔ لیکن اللہ تعالے نے اسکو ایک عام رنگ مین بیان کیا ہے کہ لاینال عھدی الظلمین جسکے معنے یہہ ہین کہ میرا عہد ظالمونکو کبھی نہین پہونچتا اسکے یہ معنے تو ہو ہی نہین سکتے کہ اس سے پہلے خدائے تعالے ظالمون کو نبی بنادیا کرتا تھا مگر اب آئندہ کیلئے اسنے ایک نیا اصول بنادیا ہی خدا تعالے کے قانون اٹل اور لاتبدیل ہین خود حضرت ابراہیم کو جنکی اولاد کیساتھ یہ وعدہ ہوتا ہی اسیوقت نبوت عطا ہوئی جب انہون نے احکام الٰہی مین کامل فرمانبرداری دکھائی چنانچہ انکے متعلق لفظ مین فاتمھن یعنی سب کے سب احکام کو پورا

کیا اور خدا کے حکم کے خلاف کچھ نہین کیا اسلیئے خدا تعالے نے یہان اپنی ایک سنت بیان کی ہے کہ مین ظالمونکو
کبھی نبی نہین بناتا۔ اب اگر ہم اسی کلام مین جسمین خود یہ اصول بیان کیا ہے کسی نبی کے متعلق لفظ ظلم
کا استعمال پاوین تو ہم اسکے معنے حکم الہی کی خلاف ورزی نہین کر سکتے کیونکہ ایسے معنے قرآن شریف کے
اپنے بیان کردہ اصول کی نقیض ہین۔ بلکہ ایسے موقعہ پر لفظ ظلم کے اور کوئی معنے کرینگے کیونکہ یہ لفظ ایسا ہے
کہ اسکے مختلف معنے ہوسکتے ہین۔ اس آیت سے ہمین صرف یہی پتہ نہین لگتا کہ قرآن شریف مین اگر کسی
نبی کے متعلق لفظ ظلم کا استعمال ہوا ہے تو اسکے کیا معنے ہونے چاہیئے بلکہ یہ ایک قطعی شہادت انبیاء
علیہم السلام کی عصمت پر ہے اور اسلیئے ہم اس آیت سے ان تمام آیتون کے معنے کرنے مین فائدہ اٹھا سکتے ہین
جن سے ہمارے مخالف انبیاء کے گنہگار ہونیکا استدلال کرتے ہین۔ اب جو کوئی کہے کہ معنے کرنے مین یہ اصول
مدنظر نہین رکھنا چاہیئے بلکہ اگر لفظ ظلم ایک جگہ ایک معنے مین استعمال ہوا ہے تو ہر جگہ قرآن شریف مین
اسکے وہی معنے مراد لینے چاہیئے تو یہ محض حماقت ہے۔ ہمارا اغرض ہے کہ قرآن شریف کے معنے کرنے مین اس امر کو مدنظر
رکھین کہ ایک آیت دوسرے مضمون و دوسری آیت کے خلاف نہو۔ اگر اس اصول کو مدنظر رکھکر قرآن شریف کے الفاظ
کے معنے لئے جاوین تو وہ تمام آیتین جنسے انبیاء کے گنہگار ہونیکا استدلال کیا جاتا ہے بالکل صاف ہو
جاتی ہین۔ سچا اصول یہی ہے کہ قرآن شریف کا ایک حصہ دوسرے کے مخالف نہین۔ اسلیئے جب اس مین
ایکدفعہ اللہ تعالے نے یہ فرمایا کہ انبیاء ہر قسم کی آلایش سے پاک ہوتے ہین اور شیطان انکو راہ راست سے
پھیر نہین سکتا اور کوئی خدا کے حکم کی نافرمانی کرنیوالا کبھی نبی نہین ہو سکتا تو پھر کسی لفظ یا آیت سے
اسکے خلاف نتیجہ نہین نکالا جا سکتا مگر معترضین اس اصول کو مدنظر رکھکر اعتراض نہین کرتے تو ایسے [illegible] سکے
اعتراضون کا جواب انکو خود قرآن شریف سے ہی ملجاتا۔ اصل بات یہ ہے کہ کسی زبان کے الفاظ [illegible]
معانی کیلیئے استعمال ہونا انکی ایک خوبی ہے لیکن یہی بات پر معترض ٹھوکر کھا رہے ہین۔ عربی زبان
اس بارے مین ہر ایک زبان پر فوقیت رکھتی ہے اور معترضین بھی اس سے بیخبر نہین ہین لیکن تا ہم پیش کی

خاطر انکو یہ سب کام کرنے پڑتے ہین - وہ اپنی کتابون مین یہ لکھا ہوا پڑھتے ہین کہ خود مسیح نے پطرس حواری کو شیطان کہا لیکن اسمین انکو کوئی اعتراض پیدا نہین ہوتا مگر جب حضرت آدم کے متعلق لفظ ظلم انکو نظر آتا ہی تو اسکو بڑی فتح سمجھتے ہین کہ اب آدم گنہگار ہو گیا حالانکہ خود قرآن شریف ایسے صریح و صاف الفاظ مین جنکے اور کوئی معنے ہو ہی نہین سکتے یہ فرماتا ہے کہ خدا کے نبی کبھی خدا کے حکم خلاف نہین چلتے اور لفظ ظلم کے ایسے معنے لغت کی کتابون مین موجود ہین جو قرآن شریف کے بیان کردہ اصولونکے بالکل مطابق ہین ہان پادری صاحبان مچھر چھانتے پر اونٹ نگل جاتے ہین ۔

یہ دلائل الف میم اور امیستن کے اعتراضونکی تردید کیلیے کافی ہین لیکن اس مضمونکو پورا کرنیکے لئے انکے چھوٹے چھوٹے اعتراضونکا جواب بھی مختصر طور پر اب ہم دیتے ہین امیستن اپنے اعتراضون کے شروع مین لکھتا ہے کہ (حضرت) محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شفاعت انبیا کے بخطا ہونے پر موقوف ہے اور لکھتا ہے کہ یہ امر سب کے نزدیک مسلم ہے گذشتہ پرچے مین الف میم کے دیباچہ کا جواب دیتے وقت ہمنے یہ واضح طور پر بیان کیا تھا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ایک ثابت شدہ امر ہے اور اسلئے اسکی عصمت پر ہمین اور کوئی دلیل دینے کی ضرورت نہین - اصل مین اس بحث کے ختم کرنیکی ایک نزدیک راہ ہی مگر اسی وجہ سے کہ وہ نزدیک راہ ہی عیسائی اسکو اختیار کرنا پسند نہین کرتے - عصمت شفاعت کا جزو ہی اور اسلئے اگر شفاعت کا ثبوت قطعی ہاتھ مین آجائے تو عصمت خود ثابت ہو جاتی ہی برعکس اسکے محض عصمت شفاعت کیلئے کافی نہین ہے کم از کم مسلمانونکے نزدیک - کیونکہ ہر ایک معصوم شفیع نہین ہو سکتا چنانچہ ہمنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے نمونے جو اس دنیا مین آپنے دکھلائے پیش کئے تھے اور عیسائی صاحبان عیسی علیہ السلام کیطرف مسیح کی شفاعت کا بھی کوئی ایسا نمونہ پیش کرین لیکن عیسائیون نے اسکے برعکس طریق اختیار کیا ہی اور اسلئے ہم بھی اسی طریق پر اب انکے اعتراضونکا جواب دیتے ہین اسکے بعد امیستن آدم اور داؤد کے تذکرہ کو لیتا ہے اور انہی

دو مثالون سے عصمت کے کل سوال کا فیصلہ ایک آیا ہی۔ اگر آدم اور داؤد گنہگار ہون تو گنہگار کو چاہیے کہ وہ نجات کیلیئے کوئی اور ذریعہ تلاش کرے۔ معلوم ہوتا ہی پادری صاحب نے اس مسئلہ پر اچھی طرح غور نہین کیا۔ اگر یسوع کے علاوہ ایک شخص بھی ایسا ثابت ہو جائے جسکی عصمت پر عیسائی حملہ نہ کرسکین تو انکے ہاتھ مین خاک بھی نہین رہتی اور تعجب یہ ہی کہ یسوع کی عصمت کو ثابت نہین کرسکتے جسصورت مین ہم قرآن شریف سے یہ دکھاتے ہین کہ شیطان کا انبیاء علیہم السلام پر تصرف نہین ہوتا اور خدا ظالم کو نبی نہین بناتا جس سے انبیاء علیہم السلام کی بالعموم عصمت ثابت ہوتی ہی تو انکی تردید ایک یا دو نبیونکو لیکر نہین ہوسکتی انکو یہ ثابت کرنا چاہیے کہ قرآن شریف مین ایسی آیات ہین جن مین عام طور پر انبیاء علیہم السلام کو گنہگارون کی جماعت کہا گیا ہو یا یہ نہ ہو تو کم از کم انکا فرض ہی کہ جسقدر انبیاء کے قرآن شریف مین نام آئے ہین ان سبکو گنہگار کہا گیا ہی لیکن ان دونون باتونمین سے وہ کسیکو بھی ثابت نہین کرسکتے تعجب ہے کہ کبھی ان لوگونکے دلمین یہ خیال نہین آتا کہ قرآن شریف تو کھلے لفظونمین انبیاء کی نسبت بار بار فرماتا ہے کہ وہ خدا کے حکمونکو خلاف نہین چلتے اور اعلے سے اعلے درجہ کی تعریف کے الفاظ مین انکی تعریف کرتا ہی اور انکے اقوال و افعال کو الٰہی سرچشمہ سے نکلے ہوئے بیان کرتا ہی اور اسکے برعکس ایک آیت بھی ایسی نہین جسمین عمومیت سے انبیاء کو گنہگار کہا گیا ہو یا خدا کے حکمونکو نہ ماننے والے کہا گیا ہو۔ اور جب یہ صورت ہے تو ہر طالب حق اور بے تعصب محقق کا فرض ہی کہ جہان کسی خاص نبی کے خاص فعل کا ذکر ہے اسکے معنے کرنیمین اس طریق کو اختیار کرے جو انبیاء کی عام تعریف کے مطابق ہو۔ اسلیئے ہم بار بار اسبات پر زور دیتے ہین کہ پادری صاحبان قرآن شریف سے ایک ہی ایسی آیت پیش کرین جسمین انبیا کو عمومیت کے ساتھ گنہگارونکی جماعت کہا گیا ہو اور جبتک وہ ایسی آیت پیش نہین کرسکتے تو ایسے الفاظ کی بنا پر جنکے مختلف معنے ہوسکتے ہون کسی خاص نبی پر حملہ کرنا اصول مناظرہ کے خلاف اور مباحثہ کی ایک سب سے اہم اور ضروری تنقیح کو ٹلانا ہے تعجب ہی کہ اگرچہ ہمنے بار بار اس امر کیطرف توجہ دلائی ہی اور ان ہمارے مضامین کی تردید بھی مخالفین نے

لکھی ہی لیکن اس ضروری بات کو وہ ایسا ٹال جاتے ہیں گر گویا مثل ہی نہیں ہوئی ✣

اب ہم ان اعتراضوں کو لیتے ہیں جو پادری ایلسن نے حضرت آدم کی عصمت پر کئے ہیں اور چونکہ ایلسن صاحب
الف میم کے اعتراض قریباً قریباً ایک ہی ہیں اور انہیں سے یا ایسے ہی بعض اعتراضات کا جواب پادری
مارو کو ہم دے چکے ہیں اسلئے ہم ان اعتراضوں کا جواب دیتے وقت الف میم کو مخاطب کرینگے اور ایلسن صاحب کو نہیں سمجھینگے
ہاں اگر کوئی ضروری امر ایسا ہوگا جو ایلسن صاحب نے پیش کیا ہو تو اسوقت ہم الف میم کو جواب دینگے۔ پادری
ایلسن سب سے پہلے آیت ولقد عہدنا الی ادم من قبل فنسی ولم نجد لہ عزما
کو لیتا ہی اسکے معنے کرتے ہیں وہ امام رازی کی سند پیش کرتے ہیں لیکن پہلے امام رازی اور کشاف کا
حوالہ لیتا ہی وہاں نسیان کے دو معنے لکھے ہیں یعنی اول ما ہو نقیض الذکر (بھول جانا) اور دوسرے
ترک (چھوڑ دینا) اور دونوں نے اول الذکر معنوں کو پہلے بیان کر کے یہ ظاہر کر دیا ہی کہ انکے نزدیک ترجیح
اول معنی کو ہی یعنی بھول جانا۔ امام رازی انھیں معنوں کے نیچے حسن رحمۃ اللہ کا یہ قول نقل کرتے کہ خدا
کی قسم ہی آدم نے خلاف ورزی حکم الہی کی نہیں کی مگر بھول جانیکے باعث۔ اگر یہ ترجیح نہ بھی پائی جاتی
تو بھی ہمارا فرض ہی کہ ہم ایسے معنی کریں جو ان آیتوں کے مخالف نہوں جنمیں انبیاء کو معصوم کہا گیا ہی اور
علاوہ ازین جب وہ نسیان کے معنے ترک کر دیتے ہیں تو انکی یہ مراد نہیں ہوتی کہ حضرت آدم نے گنہگاروں کی
طرح حکم الہی کی نافرمانی کی بلکہ اسوقت وہ اسے اجتہادی غلطی قرار دیتے ہیں اب ایلسن صاحب اس معنی کو
جسکو ترجیح دیگئی ہی ترک کر کے صرف دوسرے معنے کو پیش کرتے ہیں اور وہ بھی الٹے رنگ میں اور اس طرح
پر ناظرین کو دھوکہ دیتے ہیں۔ علاوہ ازین جہاں امام رازی نسیان کے یہ دو معنی دیتے ہیں وہ صرف مجتہد کی طرح
پر دو مختلف رایوں کا جو علما کے درمیان رہی ہیں اظہار کرتے ہیں اور مفصل بحث کیلئے سورہ بقرہ کا
حوالہ دیتے ہیں۔ اسجگہ اُنہوں نے ان دونوں رایوں پر مفصل بحث کی ہی پہلے وہ اس صورت پر بحث کرتے
ہیں کہ حضرت آدم بھول گئے اور وہ صائم کی مثال دیتے ہیں جو روزہ رکھتا ہی مگر بھولکر کھانا لیتا ہی وغیرہ

صورتین کبھی یہ نہیں کہا جاتا کہ اسنے گناہ کیا اسکے بعد وہ دو اعتراض بیان کرتے ہین جو ان معنون پر کئے گئے ہین اور دونون کی تردید کرکے دکھاتے ہین کہ یہ اعتراض صحیح نہین ہین اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ انھین معنونکو ترجیح دیتے ہین یہ ہم صرف اسلئے لکھتے ہین تا پادری صاحب کی غلط بیانی کو ظاہر کرین ورنہ اگر امام رازی اس معنی کو ترجیح نہ بھی دیتے تاہم اس معنی کی تائید مین دلائل اسقدر زبردست موجود ہین کہ کوئی انصاف پسند طبیعت انکو رد نہین کریگی - مذکورہ بالا دو اعتراضونمین سے پہلے اعتراض کا جواب دیتے وقت امام رازی لکھتے ہین "ہم اسبات کو تسلیم نہین کرتے کہ آدم اور حوا نے ابلیس کی بات کو مان لیا نہ ہی یہ کہ انھون نے اسکو صادق سمجھا آیت مین کوئی ایسا لفظ نہین جس سے یہ معلوم ہو کہ آدم اور حوا نے یہ کام اسیوقت کیا جب ابلیس کے لفظ سنے یا بعد مین اور اسبات کا ثبوت کہ آدم جانتا تھا کہ ابلیس اسکا دشمن ہے قرآن شریف کی یہ آیت ہے اِنَّ ھٰذَا عَدُوٌّ لَّکَ اسکے بعد امام رازی اس پہلو پر بحث کرتا ہے کہ حضرت آدم کا یہ فعل عمداً تھا اس صورت مین نسیان کے معنے ترک کے کئے جاوینگے پھر اس مین چار مذہب بیان کئے گئے ہین اور ان دو کو جو حضرت آدم کی طرف گناہ عائد کرتے ہین رد کیا گیا ہے +

افسوس ہے کہ اسقدر مضمون ایک غیر ضروری بحث کیلئے ہمین لکھنا پڑا لیکن پادری صاحبان کی غلط بیانی نے ہمین اس طریق کے اختیار کرنیکے لئے مجبور کیا ہے - کیونکہ اگر انکی غلطی کو ظاہر نکیا جاوے تو پھر انکی باتین سچی سمجھی جاوینگی اسکے بعد عزم کے معنو نپر اعتراض کیا گیا ہے اسکا مفصل جواب پادری بلیز والے مضمون مین ہم دیکھے ہین اور اسلئے اسکا دہرانا ضروری نہین ...... ٦٠ سکے بعد ہم سندین پیش کرچکے ہین کہ کیون ہمنے وہ معنے لئے ہین جو وہان بیان کئے گئے ہین - ہان اسجگہ الف میم کا ایک اعتراض قابل غور ہے - وہ کہتا ہے کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم اولوالعزم انبیاء مین سے نہ تھے یہ اسی قسم کی ایک غلط فہمی معانی الفاظ کے متعلق ہے جیسے ہم اوپر بیان کرچکے ہین کیونکہ

لفظ عزم دونون جگہ ایک ہی معنون مین نہین آیا اس آیت کے متعلق کہ فاصبر کما صبر اولوا العزم
من الرسل مفسرین کی دو رائین ہین بعض کہتے ہین کہ اس سے مراد کل انبیاء ہین اور من تبیین کے
لئے ہے نہ تبعیض کیلئے۔ یہ رائے دوسری رائے پر ترجیح رکھتی ہے جسکے رو سے بعض انبیاء اولوا العزم ہین اور
بعض نہین اور اسکے کئی وجوہات ہین اول تو یہ کہ قرآن شریف کل نبیونکا نام نہین لیتا تا کوئی یہ کہہ سکے کہ فلان
فلان نبی اولوا العزم ہین اور فلان نہین۔ قرآن شریف تو فرماتا ہے کہ منہم من قصصنا علیک
ومنہم من لم نقصص علیک یعنی بعض نبیونکا ہمنے ذکر بھی نہین کیا۔ دوم بعض انبیاء
کو اولوا العزم کی تعریف سے خارج سمجھنا ان آیات کے خلاف ہے جنمین کل انبیاء کی عصمت کا ذکر ہے
سوم مختلف نام اولوا العزم انبیاء کے تجویز کئے جاتے ہین اسلئے اس امر پر کبھی اتفاق نہین ہوسکتا کہ فلان
فلان نبی ضرور اولوا العزم اور دوسرے ضرور ہی اس تعریف سے خارج ہین اسلئے احسن طریق یہی ہے کہ سب
انبیاء کو اولوا العزم سمجھا جاوے بلکہ عیسائیونکے لئے تو ایک اور مشکل بھی ہے یعنی یہ کہ کم سے کم نام انبیاء کے
جو اولوا العزم کی فہرست مین داخل سمجھے گئے ہین ان مین حضرت مسیح شامل نہین ہین اسلئے وہ بھی
حضرت آدم کیطرح انہین مین سے سمجھے گئے ہین جنمین عزم نہین پایا گیا یعنی اللہ تعالی کے احکام کو
پورا کرنیکا انہین عزم نہین تھا۔ چنانچہ صرف چار انبیاء اس طرح اولوا العزم سمجھے گئے ہین جو بعض کے
نزدیک حضرت نوح۔ ابراہیم۔ موسیٰ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہین اور بعض کے نزدیک حضرت عیسے
کی بجائے انہین حضرت ہود شامل ہین لیکن دونون مین حضرت مسیح شامل نہین ہین حالانکہ الف میم
صاحب کے عجیب استدلال کے رو سے صرف وہی ایک شخص تھا جو قرآن شریف اور حدیث کے رو سے معصوم
تھا گویا معصوم مفسرونے حضرت مسیح کو اولوا العزم مین بھی داخل نہین سمجھا اور اسلئے اگر حضرت آدم
مین الف میم کے معنے مین عزم نہین پایا گیا تو حضرت مسیح بھی اس عزم سے خالی ہین الف میم کی اس
بحث سے ایک اور نتیجہ خیز بات پیدا ہوتی ہے اسکے نزدیک حضرت آدم نے حکم الٰہی کی نافرمانی کی اور اسلئے

وہ اولوالعزم انبیاء مین آ ہی نہ سکے گیا اسکا صاف نتیجہ یہ ہی کہ اولوالعزم وہی نبی ہین جنھون نے کبھی حکم الٰہی کی نافرمانی نہین کی لیکن چونکہ قرآن کریم صاف الفاظ مین اولوالعزم انبیاء کا ذکر کرتا ہی اسلئے اگر الف ہیم کی بات کو بھی مان لیا جاوے تو بھی بعض انبیاء تو قرآن کریم کے نزدیک ضرور معصوم ٹھہرے لیکن چونکہ رسولون مین اس قسم کی تفریق کو قرآن شریف جائز نہین رکھا اسلئے اگر بعض انبیاء معصوم ہین تو کل معصوم ہین اور یہ نتیجہ الف ہیم کی اپنی بحث کا ہے +

اسکے بعد الیسن صاحب آیت **عصے ادم ربہ فغوے** کے معنے پر بحث کرتے ہین ہمنے کبھی انسے انکار نہین کیا کہ عصیان کے معنے نافرمانی ہین ہمنے تو یہ لکھا تھا کہ جہان ایک طرف اللہ تعالٰے نے آدم کے اس فعل کا نام عصیان رکھا ہی خود ہی یہ بھی کہدیا کہ وہ بھول گئے تھے قرآن شریف مین جو کھانے کی چیزون کے متعلق ممانعت کا حکم ہے اس مین اور دوسری نواہی مین خدا تعالٰی نے ایک خاص امتیاز رکھا ہی انکی ممانعت کا حکم قرآن کریم مین چار جگہ ہی دو جگہ حکم کو بیان کر کے اسکے بعد یہ استثناء دیا گیا ہی۔ **فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فان اللہ غفور رحیم**۔ دوسری جگہ ہی **فان ربک غفور رحیم** یعنی جو کوئی مضطر ہو جائے لیکن حکم کو توڑنے کی خواہش نہ رکھتا ہو اور نہ حد سے گذرنیوالا ہو تو اللہ غفور رحیم ہی تیسری جگہ جہان یہ استثناء بیان کیگئی ہی وہان یہ لفظ ساتھ اور بڑہا دیئے گئے ہین **فلا اثم علیہ** کہ اسپر کوئی گناہ نہین۔ اس استثناء مین یہ امر غور طلب ہے کہ قرآن شریف فرماتا ہی کہ ایسے شخص کا گناہ کوئی نہین اور اللہ غفور ہی اب اگر لفظ غفر کے معنے جیسا کہ کہا جاتا ہی گناہون کی معافی کے سوائے اور کچھ نہین تو غفور کے معنے بھی صرف یہی ہو سکتے ہین کہ جو گناہ سرزد ہو چکے ہین انکا معاف کرنیوالا لیکن ان معنون کے رو سے لفظ غفور یہان استعمال نہین ہو سکتا کیونکہ خدا تعالٰی خود فرماتا ہی کہ ایسے شخص کا کوئی گناہ نہین اور جب گناہ نہین تو معاف کیا چیز ہو گی۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہی کہ لفظ غفر کے معنے صرف گناہ کی معافی کی نہین بلکہ انسانی فطرتی کمزوری جس سے انسان گناہ مین پڑتا ہے اس سے بچانیکے بھی ہین ورنہ اسکے کیا معنے کہ خدا اس شخص

کیلئے غفور ہی جیسے کوئی گناہ ہہین - اس سے استغفار کے معنو پر روشنی پڑتی ہی لیکن اسجگہ یہ بحث ہمارا مقصود نہین ہی جیتنی جگہ اِسی استثناء کو ان لفظو نمین بیان کیا گیا ہی فمن اضطر فی مخمصۃ غیر متجانف الاثم فان اللہ غفور رحیم - جو کوئی مضطر ہو جائے بھوک سو لیکن گناہ کیطرف جھکنے والا ہو تو اللہ غفور رحیم ہی اس سے بھی استغفار کے معنو نکے متعلق وہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے جو اوپر بیان ہوا - ان استثناؤ نکو ہمنے اسلئے بیان کیا ہے کہ قرآن شریف مین جہان جہان کھانیکی چیز ون کی ممانعت کا ذکر ہی وہان ضرور اس استثنا کو بھی بیان کیا ہی لیکن دوسری نواہی کیساتھ اس استثناء کو ہرگز بیان نہین کیا - اس سے معلوم ہوتا ہی کہ کھانیکی چیز ونکے متعلق خدا تعالی نے انسانی کمزوری کو مدِنظر رکھکر ایک اجازت دی ہی جو دوسری نواہی کے متعلق نہین دی - اب حضرت آدم کو جو حکم تھا وہ بھی کھانیکے متعلق ہی تھا کہ فلان درخت کا پھل نہ کھانا لیکن ایسی صورتمین خدا تعالی نے یہ فرما دیا ہی کہ جو شخص مجبوری کیحالتمین کھاتا ہی وہ گناہ کا مرتکب نہین اگرچہ یہ عیان ہی کہ خدا تعالی کی نہی کی خلاف ورزی تو اس سے ہو گئی اب بھولجانا اگر اضطرار کیحالت سے بڑھکر نہین تو کم از کم اس جیسا عذر تو ضرور ہی اور اسلئے حضرت آدم کا فعل گناہ نہین کہلا سکتا حضرت آدم کے متعلق یہ لفظ کہ وہ ایسا کہین نہین باغ یا عاد تھا یعنی حکم الٰہی کو توڑنیکی خواہش رکھنیوالا - یا حد سے گذر نیوالا کہین نہین آئے - حضرت آدم کی بعد سے الفاظ بھی اللہ تعالی کی ان صفات کے مطابق ہین - جو استثناء مذکورہ بالا کے بعد بیان ہوئے یعنی غفور اور رحیم - کیونکہ حضرت آدم بھی یہی دعا کرتے ہین کہ ان لم تغفر لنا و ترحمنا اور اس طرح اللہ تعالی کی صفات غفر اور رحم سے ہی پناہ مانگتے ہین اور یہی وہ صفات ہین جو اس شخص کیلئے حرکت مین آتی ہین جو مضطر ہو کر ممنوع کھانیکی اشیاء مین سے کوئی چیز کھا بیٹھے اس تمام تحقیقات سے ظاہر ہے کہ حضرت آدم کا فعل گناہ ہرگز نہین کہلا سکتا +

اعتراض کا دوسرا حصہ لفظ غوی کے معنو نکے متعلق ہی اور ہمین پھر یہی کہنا پڑتا ہے کہ اسکی تر

تردید بھی اس سے پہلے ہو چکی ہے۔ ایسن صاحب کا یہ بھی خیال ہے کہ لسان العرب مین جو غوی کے معنی فسد علیہ عیشہ
لکھے ہین اسکے معنے بھی ٹھیک ہین کیونکہ اسمین شک نہین کہ فساد کے معنی وہ بھی ہین جو ایسن صاحب نے لکھے ہین
لیکن اس لفظ کے معنے کسی قسم کا خلل واقع ہونا بھی آتے ہین جیسے کہ کم از کم لین کی ڈکشنری کو دیکھا جا
سکتا ہے ایسن کے نزدیک اس فقرہ کے صحیح معنے یہ ہین کہ اسکی زندگی پاکیزگی کی حالت سے بگڑ گئی یعنی وہ ناپاک
زندگی بسر کرنے لگا۔ ایسے خیال پر قرآن شریف لعنت بھیجتا ہے اور ایسن کے الفاظ سے اسکے سوائے اور کوئی نتیجہ نہین
نکل سکتا اب ہم ان وجوہات کو بیان کرتے ہین جنکی بنا پر ہمنے اس فقرہ کے یہ معنے کئے ہین۔ کہ اسکے امن مین خلل
آگیا جس جنت مین حضرت آدم رکھے گئے تھے اسکے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان لک الا تجوع
فیہا ولا تعریٰ وانک لا تظمؤا فیہا ولا تضحیٰ۔ اس جنت مین ہم تجھکو یہ آرام دیتے ہین
کہ یہان نہ تو بھوکا ہوگا نہ ننگا اور نہ تجھے پیاس لگیگی۔ نہ دھوپ۔ یہ آدم کی زندگی کا نقشہ ہے جو اسے جنت
مین حاصل تھی۔ اور اسے ہم امن کی زندگی نہ کہین تو اور کیا کہین اسی امن کی حالت مین جو حضرت آدم کو
میسر تھی ممنوع درخت کے کھانے سے خلل آیا اور اسکو روح کی پاکیزگی یا پلیدی سے کچھ تعلق نہین بلکہ یہ زندگی
کی ایک خاص حالت کا نقشہ ہے جو بعد مین جب حضرت آدم کو وہ جنت چھوڑنا پڑا بدل گیا۔ کیونکہ اس جنت
کے باہر یہ آرام اسکو نہ مل سکتے تھے کہ نہ بھوک لگے نہ پیاس نہ دھوپ۔ چنانچہ جہان خدا تعالیٰ نے حضرت
آدم کے دانہ کھانیکا ذکر کیا ہے وہان ساتھ ہی اسکا یہ فوری نتیجہ لکھا ہے کہ فبدت لہما
سوآتہما یعنے انکا ننگا ہونا ان پر ظاہر ہوگیا اسی کے مطابق اللہ تعالے نے حضرت آدم کو فرمایا ہے
فلا یخرجنکما من الجنۃ فتشقیٰ۔ شیطان تمہین جنت سے نہ نکالدے جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ
تو تکلیف مین پڑ جاویگا اسی بات سے اللہ تعالے نے حضرت آدم کو پہلے متنبہ کیا تھا کہ تو تکلیف مین پڑ
جاویگا اور اسی تکلیف مین پڑ جانیکا اقرار حضرت آدم نے ان الفاظ مین کیا ربنا ظلمنا
انفسنا۔ یہ کوئی سزا نہ تھی بلکہ لازمی نتیجہ اس فعل کا تھا جو حضرت آدم سے ہوگیا خواہ بھول کر ہی ہوا

پس اس تمام بحث سے یہی نتیجہ نکل سکتا ہی کہ جو امن حضرت آدم کو اس جنت مین حاصل تھا ممنوع پھل کھانے سے اُسمین خلل آگیا ✦

حضرت آدم علیہ السلام کے ممنوع پھل کھانیکے متعلق ہم کل بحث اس سے پہلے کر چکے ہین اور انکے باقی اعتراضونکا جواب جو حضرت آدمؑ کے متعلق یا بعد مسیح حضرت داؤدؑ کے متعلق ہین اپنے تحریمین سان الزامات کا مفصل جواب ہم بذریعہ ریویو آف ریلیجنز دے چکے ہین اور ایسین یاد رہے ہم دونون مین تو کسی نے ہماری ایک دلیل کا بھی جواب نہین دیا اور نہ جوابدہی کی کوشش کی ہی مثلاً ہمنے دس دلائل اس دعوے کی اثبات مین دیئے تھے کہ سورہ اعراف کی آیت زیر بحث مین آدم اور حوا کا ذکر نہین ہی لیکن ہر دو معترضین نے جنکا دعوےٰ یہ ہی کہ وہ ہمارے مضمون کی تردید کر چکے ہین ایک دلیل پر بحث نہین کی۔ شاید ہم یہ کہنے مین غلطی پر نہین کہ اس طریق بحث سے یہ لوگ پبلک کو دھوکہ دے رہے ہین یعنی اس امر کو جانکر کہ انھون نے تردید کوئی نہین کی۔ کتابون اور اخبارون مین مضمون اس رنگ مین لکھ رہے ہین کہ گویا ہمارے دلائل کی تردید کر چکے ہین۔ مشکل یہ ہی کہ اگر مباحثہ اسی صورت مین چلا جائے تو کبھی ختم نہین ہو سکتا۔ چونکہ بے ضرورت ان مضامین کو طوالت دینا فضول ہی اسلئے جو دلائل ہم پہلے دے چکے ہین اور جنکا ابتک کوئی جواب نہین دیا گیا انکو ہم اسجگہ نہین دہرائینگے ناظرین کو چاہیے کہ مضمونکو پورے طور پر سمجھنے کیلئے پہلے مضامین کو ساتھ پڑھین ✦

الف سیم روحانی امور مین قدم قدم پر ٹھوکر کھاتا ہی۔ اسکے طریق مناظرہ سے یہی سمجھ آتا ہی کہ وہ کسی اور کام کیلئے بنایا گیا ہی اسکے نزدیک یہ ناممکن ہی کہ انسان خداتعالیٰ کی رضا کی راہون مین چل سکے اور اسکے نزدیک صالحین کبھی گناہ سے محفوظ نہین ہو سکتے بلکہ ہر ایک آدمی جو دنیا مین پیدا ہوا شیطان کے قابو مین چلا آیا ہی اور اسلئے اسے اس بات سے بہت تعجب ہوا ہے کہ ہم صالحین کے متعلق کبھی یہ اعتقاد رکھتے ہین کہ اللہ تعالیٰ انکو گناہ سے محفوظ کر دیتا ہی صرف اگر وہ صالح کے معنے ہی کسی لغت کی کتاب مین دیکھ

لیتا تو ایسا اعتراض جسکی وجہ صرف ناواقفیت ہو کرتا۔ صالح کے معنے ہین ایسا انسان جو نیک ہو کسی قسم
کا فساد اپنے اندر نہ رکھتا ہو۔ راستباز ہو۔ پاک ہو۔ اور نیک کام کرنیوالا ہو۔ قرآن شریف انبیاء کو صالحین
مین سے قرار دیتا ہے اور نہ ہی جیسا کہ پادریونکا خیال ہے حضرت مسیح کو مستثنے کرتا ہے کہ وہ صالحین مین سے
ایک تھے بلکہ انکو خصوصیت سے من الصالحین کہا ہے۔ یعنی وہ بھی صالحین مین سے ایک تھے اور یہ کلمہ تعریف
کے موقعہ پر استعمال کرتا ہے تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ حضرت مسیح کو تو صالحین مین سے ہونیکا فخر ہو
اور انکے جھوٹے پیرو ونکو آج شرم آتی ہو کہ ہمین صالحین مین سے ایک سمجھین۔ اور اس سے زیادہ تعجب
یہ ہے کہ جب صالح کے معنے ہی یہ ہین کہ وہ راستبازی اور نیکی کی راہ پر چلنیوالا اور فساد سے خالی ہو تو اسکو
معصوم ہونے پر اعتراض کیا۔ ہان پادری صاحب لغت پر یہ اعتراض کرین کہ کیون ایسے معنے دیے ہین اگر
الف میم صرف عیسائیونکے متعلق یہ کہتا کہ انمین سے کوئی بھی گناہ سے محفوظ نہین رہ سکتا اور کبھی کوئی عیسائی
اس اعلیٰ مرتبہ تک نہین پہونچ سکتا تو ہمین اس سے کچھ سروکار نہ تھا بلکہ ہم اسکو تسلیم کرتے ہین کہ واقعی یہ
سچ ہے اور دراصل یہی فخر تو اسلام کو ہے کہ اسکے اندر ایسے راستباز ہر زمانے مین پائے جاتے ہین کیونکہ وہ
زندہ مذہب ہے اور اسکی برکات قیامت تک اپنا دامن پھیلائے ہوئے ہے حالانکہ دوسرے کسی مذہب مین ایسے کامل
انسان نہین پائے جاتے یہی نہین بلکہ عیسائی تو اس قدر اور زندہ تھا ایسے بسبب اپنی مردہ پرستی کے
اسقدر دور جا پڑے ہین کہ انکے فہم اسبات کے سمجھنے سے بھی قاصر ہین کہ کیونکر ایک انسان گناہ کی نجاستون سے
نکلکر نیکی کے اس مضبوط چٹان پر قائم ہو جاتا ہے جہان شیطان اسپر تصرف نہین پا سکتا۔ وہ انسان
کو تو ایک نہایت حقیر ہستی سمجھتے اور اسکی اخلاقی حالت کو اسقدر گرا ہوا سمجھتے ہین کہ وہ اس خیالکو بھی
پسند نہین کرتے کہ انسان کبھی شیطان کے قابو سے نکلے انسان جس کمال کو پہونچ سکتا ہے محض اسکی
ناواقفیت کی وجہ سے الف میم اسبات کو نہین سمجھتا کہ انبیاء کے علاوہ اور افراد بھی جنکو وہ "امتی" کہتا ہے
کتنا ہی عصمت کے بلند مقام پر پہونچ سکتے ہین۔ اگر یہ سچ نہین تو پھر مذہب کی ضرورت ہی کیا ہے

کیونکہ اگر مذہب کی غرض صرف یہی ہے کہ انسان کسیقدر نیک ہوجاوے اور ایک ناقص اخلاقی حالت تک پہونچ جاوے تو وہ غرض تو اسکے بغیر بھی پوری ہو رہی ہے۔ الف میم انکار کرے تو اسکا اختیار ہے مگر کوئی سمجھ دار آدمی اسبات سے انکار نہیں کر سکتا کہ دہریوں اور بت پرستوں کو نیک علیحدہ نہیں کیا جا سکتا مذہب کی غرض اس سے بہت بڑھکر ہے کیونکہ وہ انسانکو کمال کے اوج پر پہونچاتا ہے اور اگر کوئی مذہب اس غرض کو پورا نہیں کرتا تو یقیناً وہ مذہب نابود ہوجائیگا۔ خواہ جلدی ہو خواہ دیر سے ہو شاید الف میم اسباتکو مانتا ہے اور اسے یقین ہے کہ عیسائی مذہب انسان کو اس کمالپر نہیں پہونچا سکتا اور ہم بھی جانتے ہیں کہ یہ بالکل صحیح ہے اور یقین رکھتے ہیں کہ یہ سچ ہے لیکن ساتھ ہی ہم اسکو یہ خوشخبری دیتے ہیں کاش وہ دل رکھتا ہو کہ اس بلند مقام پر انسان اسلام کے پاک مذہب کے ذریعہ پہونچ سکتا ہے اسنے عیسائی مذہب کو آزماکر اور تجربہ کر کے دیکھ لیا ہے (جیسا کہ اسکے اس تعجب سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کے علاوہ اور افراد انسانی بھی عصمت کے مرتبہ پر پہونچ سکتے ہیں) کہ یہ مذہب اس غرض کو پورا کرنیسے قاصر ہے۔ جو سچے مذہب سے ہوسکتی ہے اور اصل میں اسبات کو تو وہ پہلے بھی سمجھ سکتا تھا اگر خدا تعالیٰ اسے سمجھ دیتا کیونکہ وہ دیکھ سکتا تھا کہ جو نشان انجیل راستبازوں کے لئے مقرر کرتی ہے وہ کسی عیسائی میں نہیں پائے جاتے اور اسلام کے متعلق جو ہمنے دعوے کیا ہے وہ بے دلیل نہیں۔ ابتدا سے اسلام نے یہی تعلیم دی ہے کہ وہ انسانکو کمال کے بلند مقام تک پہونچا سکتا ہے بلکہ اسکا نام ہی ظاہر کرتا ہے کہ وہ اس مقصد عالی کو پورا کرتا ہے۔ جو راستہ اسلام انسانکو بتاتا ہے اسکا ذکر اس آیت شریف میں ہے۔

بلیٰ من اسلم وجهه لله وهو محسن فله اجره عند ربه ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون یعنے جو شخص اپنے سارے قوے کیساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کی پورے طور پر تابع ہوجاتا ہے اور نیک کاموں پر قائم ہوجاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے نیک اجر پاتا ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جنپر نکوئی خوف ہے اور نہ انہیں کوئی حزن ہوگا۔ لفظ اسلم جو یہاں استعمال کیا گیا ہے

اسکے معنے یہ بھی ہین کہ کامل طور پر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے نیچے چلنے والا ہو۔ اور یہ معنے بھی ہین کہ مذہب
اسلام کو اختیار کرے اس اشتراک معنی سے یہ صاف سمجھ مین آتا ہے کہ سچے طور پر وہی مذہب اسلام
کو اختیار کرتا ہے جو پورے طور پر اللہ تعالےٰ کی فرمانبرداری اختیار کرے۔ اب الف سیم ہمین بتاتے کہ
اسی مرتبہ پر انسان اپنے وجود کو اپنے سارے قوےٰ کے ساتھ خدا تعالیٰ کو سونپ دے اور ہر ایک امر مین
اسی کی مرضی کو دیکھے اور اسی کی فرمانبرداری کرے۔ جو اسلام کا مفہوم ہے اس مرتبہ سے بڑھکر کون
سا مرتبہ کمال کا ہے جسکے حاصل کرنے کی انسانکو خواہش کرنی چاہیے عصمت کا مفہوم کیا ہے یہی تو
کہ انسان خدا کی رضا کے خلاف نہ چلے۔ جو شخص پورے طور پر اللہ تعالےٰ کی رضا کے مطابق چلتا
ہے وہ عصمت کے مرتبہ پر پہونچا ہوا ہے۔ حضرت ابراہیم کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اذ قال له
ربه اسلم قال اسلمت لرب العالمین جب رب نے اسکے اسے حکم دیا کہ میرا فرمانبردار ہو تو
اُسنے کہا مین سارے جہانونکے خداوند کا فرمانبردار ہون۔ یہ فرمانبرداری حضرت ابراہیم کی دوسرے
رنگ مین قرآنشریف مین یون مذکور ہے واذ ابتلےٰ ابراهیم ربه بکلمات
فاتمهن۔ جسکا منشا یہ ہے کہ جو احکام اللہ تعالےٰ نے ابراہیم کو دیئے تھے ان سبکو اسنے پورا کیا۔
پھر اسی مقام کیطرف اشارہ کرکے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وابراهیم الذی وفی یعنی
ابراہیم نے احکام الٰہی کی فرمانبرداری مین اور اللہ تعالےٰ کے ساتھ تعلق مین پوری وفاداری دکھلائی
ان تمام باتون سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی رضا کے پورے طور پر تابع ہوجانا ہی وہ اعلےٰ مقام
ہے جسپر پہونچنے کی انسان کو کوشش کرنی چاہیے اور جب وہ اس مقام پر پہونچ جاوے تو پھر وہ ہر طرح سے
اللہ تعالیٰ کے احکام کے نیچے ہوکر چلتا ہے اور نافرمانی اس سے صادر نہین ہوسکتی اور یہ بھی ظاہر ہے
کہ اسلام انسانکو اسی اعلیٰ مقام پر پہونچاتا ہے۔ اس مقام کے کمال کے متعلق خود قرآن شریف فرماتا ہے
ومن احسن دینا ممن اسلم وجهه لله وهو محسن واتبع ملة ابراهیم

حنیفاً واتخذ اللہ ابراھیم خلیلاً۔ یعنی فرمانبرداری مین اس سے اچھا کون ہے جو اپنے آپکو پورے طور پر اللہ کو سونپ دیوے اور اسی کی رضا کے تابع ہو جاوے۔ اور نیک کامون پر قائم ہو جاوے اور ابراہیمی طریقہ کو اختیار کرے جو فرمانبرداری الٰہی مین خالص اور یکرنگ تھا اور اللہ تعالےٰ نے ابراہیم کو دوست بنایا +

ہم نہین کہہ سکتے کہ ان تمام امور سے الفہیم جیسے عیسائی کی تسلی ہو سکتی ہے یا نہین۔ لیکن کوئی سمجھدار آدمی اس نتیجہ کے سوا اور کسی نتیجہ پر نہین پہنچ سکتا کہ اسلام انسان کو کامل فرمانبرداری کے مرتبہ پر پہونچا سکتا ہے۔ اس مرتبہ پر جسکی تعریف حضرت ابراہیم کے بارہ مین کیگئی ہے اور جسکے سبب سے اللہ تعالےٰ نے اسے دوست کے نام سے یاد فرمایا۔ یہ وہ مرتبہ ہے جسپر سچا مسلمان پہونچتا ہے لیکن یہ راستہ ان لوگونکے لئے بند ہے جو اسلام پر نہین چلتے۔ قرآن شریف سب مسلمانونکو یہی ہدایت فرماتا ہے کہ وہ اس راستے کو ڈھونڈین اور اسپر چلین چنانچہ سورۂ فاتحہ مین جو ہر مسلمان کو پانچوقت نماز مین پڑھنی پڑتی ہے۔ یہ دعا سکھائی گئی ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم۔ ہمین استقامت کے راستے پر چلا ان لوگونکے راستے پر جنپر تیرے انعام نازل ہوتے رہے ہیں۔ یہ صاف طور پر سمجھ مین آتا ہے کہ یہ راستہ انبیاء اور برگزیدونکا راستہ ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ کے انعام سب سے بڑھکر انہی لوگونپر نازل ہوئے ہین۔ جب اللہ تعالیٰ ہمین خود یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہمین وہی نعمتین طلب کرنی چاہئیین جو پہلے برگزیدون اور انبیاء کو عطا ہوئین تو اسکا صاف اور سیدھا نتیجہ یہ ہے کہ جنکو وہ اس قابل پاتا ہے انکو وہ نعمتین کامل طور پر بھی عطا فرماتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کا یہ منشاء ہوتا کہ جو انعامات انبیاء پر نازل ہوئے وہ اور کسی فرد کو نہ دیے جاوین تو کیون یہ دعا سکھائی جاتی جسکے ذریعہ سے ہمین وہ نعمتین طلب کرنی چاہئیین اور کیون اس دعا کو ہر ایک مسلمان پر فرض کیا جاتا۔ نہ ہی یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان انعامات سے مراد وہ انعامات نہین جو نبیون پر نازل ہوئے کیونکہ دنیوی نعمتین اسجگہ کسی صورت مین مراد نہین ہو سکتین۔ علاوہ ازین اس دعا کے بعد جو الفاظ غیر المغضوب

علیھم ولا الضالین واقع ہوے ہین وہ اور بھی اس امر پر روشنی ڈالتے ہین کیونکہ ان الفاظ
سے ضمیر غضب الہی اور غلطیون والے راہ کی نفی کیگئی ہے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہمین وہ راہ طلب
کرنی چاہیے جو ہر قسم کی غلطیون سے پاک ہو اسلیے ہمکو محض اسباب پر مطمئن نہین ہو جانا چاہیے کہ ہم اگرچہ
کسیقدر غلطیون مین پڑے ہوے ہین لیکن کسیقدر حقیر بھی ہین ۔ جو راہ ہمین بتائی گئی ہے وہ راہ کامل
راستباز ونکی راہ ہے ۔ وہ راہ جسپر چلکر ہم غضب الہی کے محرک نہون ۔ وہ راہ جو ہر قسم کی غلطی سے پاک ہو
اگر یہ راہ ہمین شیطان کے قابو سے نہین نکال سکتی اور گناہ سے محفوظ نہین کر سکتی تو پھر کیا یہ غرض اس
راہ پر چلنے سے حاصل ہو سکتی ہے جو عیسائی ہمین بتاتے ہین کہ گناہ کرو اور یسوع کے خون پر بھروسہ رکھو
الف میم کو یہ دوسرا راہ آسان تو ضرور نظر آتا ہوگا مگر یہ ہلاکت کا راہ ہے امن اور حفاظت کا راہ
صرف ایک ہی ہے جو قرآن کریم نے بتا دیا جسکا جی چاہے اسپر چلکر دیکھ لے +

ایک اور امر جسکا ہمنے ذکر کیا تھا ۔ الف میم کی سمجھ سے بالاتر معلوم ہوتا ہے ہمنے یہ دلیل پیش
کی تھی کہ چونکہ سزا گناہ کا لازمی نتیجہ ہے اور چونکہ انبیاء کو اللہ تعالے ہمیشہ کیلئے سزا سے بری قرار دیتا ہے
اسلیے انبیاء کو گنہ گار کہنا غلطی ہے ۔ الف میم اسکا جواب یہ دیتا ہے کہ اس سے تو صرف یہ معلوم ہوا کہ وہ سزا
[illegible] تھے اور یہ ثابت نہین ہوتا کہ گناہ سے بھی محفوظ تھے ۔ یاد رہے کہ قرآن شریف جس اصول کو سزا کے
بارے مین عام طور پر بیان کرتا ہے وہ یہ ہے "من یعمل سوء یجز بہ جو کوئی بدی کریگا اس کی
پاداش اسکو ملکر رہیگی لیکن ایک خاص گروہ کی نسبت وہ ہمین یہ اطلاع دیتا ہے کہ انکے خالص نیک ہونیکے سبب
یقیناً سزا سے بریت کا وعدہ اللہ تعالے کیطرف سے پہلے سے ہو چکا ہے جیسا کہ ان الذین سبقت
لہم منا الحسنے سے ظاہر ہے ۔ اگر انکے لیے اللہ تعالی کی نافرمانی اور گناہ کا امکان ہوتا تو
ایسا وعدہ انکے لیے نہ ہو سکتا ۔ اسلیے چونکہ انکی صورت مین سزا کا امکان نہین اور سزا گناہ کیلئے لازمی
جزو ہے اسلیے گناہ کا امکان بھی نہوا ۔ امکان سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالے کے علم مین وہ ایسے ہین کہ

غور کرو کہ اللہ تعالے فرماتا ہے واللہ لا یحب الظالمین اللہ ظالم سے محبت نہیں رکھتا اور فرماتا ہے وما للظالمین من انصار ظالم کو نصرت نہین ملتی۔ اور پھر فرماتا ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ کہہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو تا خدا تم سے محبت کرے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پورے طور پر فرمانبرداری کرتا ہے وہ محبوب الٰہی بنجاتا ہے لیکن ظالم محبوب الٰہی نہین ہو سکتا۔ اسلئے ایسا شخص ظالم نہین ہو سکتا۔ اسلئے اگر آپکے ایک سچے تابعدار کو یہ مرتبہ حاصل ہے کہ وہ ظالم نہین تو اس امر کے ثابت کرنیکے لئے کہ متبوع بھی ہر عیب سے پاک ہر خطا سے مبرا اور ہر ظلم سے خالی ہے کسی اور دلیل کی حاجت نہین۔ پھر ایسا ہی قرآنکریم یہ بھی فرماتا ہے۔ انا لننصر رسلنا والذین امنوا فی الحیوۃ الدنیا۔ یعنی ہم رسولونکو اور مومنونکو دنیا کی زندگی مین نصرت بھیجتے ہین۔ لیکن قرآن شریف سے یہ بھی ثابت ہے کہ ظالمونکو نصرت نہین دیجاتی اسلئے رسول اور سچے مومن ظالمونمین شامل نہین ہو سکتے۔ کیونکہ انکے لئے صاف صاف وعدہ نصرت الٰہی کا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی نبی کی نسبت لفظ ظلم قرآن شریف مین استعمال بھی ہوا ہے تو بھی وہ نبی ان معنونمین ظالم نہین جن معنونمین انبیاء کے مخالفین کو ظالم کہا گیا ہے۔ یعنی خدا کی نافرمانی کے معنے مین ظالم نہین ہوگا۔ جو لفظ ظلم کا سوتا مفہوم ہے بلکہ جیسا اسکا خدا کے ساتھ تعلق دنیا کے نرالے رنگ کا ہوتا ہے ویسا ہی اسکا ظلم بھی دنیا سے الگ رنگ کا ہوگا اسکو ہم واضح الفاظ مین پھر بیان کرتے ہین *

قرآنشریف مین اللہ تعالے کا فرمانا کہ اس اعتراض کے جواب مین کہ ہم ایمان نہین لائینگے جب تک ہمیر بھی رسول کی طرح وحی نازل نہو فرماتا ہے اللہ اعلم حیث یجعل رسلتہ۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ رسالت کے منصب کے کون قابل ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالے جسکو رسول بنانا چاہتا ہے اسے خاص طور پر چنتا ہے اور وہ کوئی معمولی انسان نہین ہوتا بلکہ اللہ تعالے

دیکھ لیتا ہو کہ اسکے مُہرے اس قابل ہین کہ وہ رسالت کے فرائض کے بوجھ کو برداشت کرنیکی طاقت رکھتا ہے اور اس منصب کے قابل ہو۔ جسوقت وہ دنیا مین بھیجا جاتا ہو اسوقت کی دنیا ان عقاید کو جنکی وہ تعلیم دیتا ہو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہو اور جن عقاید سے دنیا پیار کرتی ہو انکو وہ برا کہتا اور انکی برائیان بیان کرتا ہو۔ اسلئے دنیا اسکی دشمن ہو جاتی ہو اور اسکے دوست اور پیارے اقربا اسکو چھوڑ دیتے ہین۔ اسکی مخالفت کیجاتی ہو اور اسکو طرح طرح کے دکھ اور ایذائین پہونچائی جاتی ہین۔ دنیا کی تمام طاقتین اسکی اور اسکی تعلیم کی بیخکنی کیلئے جمع ہو جاتی ہین لیکن وہ ساری دنیا کی کچھ پروا نہین کرتا۔ اور اسکی دھمکیون اور تدابیر کو جو اسکے استیصال کیلئے کیجاتی ہین ہیچ سمجھتا ہو۔ ایک طرف اسکے تمام فوائد اور منافع اور انسانی خواہشات اور خون اور محبت کے گہرے تعلقات اور آرام اور آسایش کی کششیں ہوتی ہین اور اسکے بالمقابل دوسری طرف صرف خدا کی فرمانبرداری ہوتی ہو لیکن وہ اللہ تعالے کی رضا کے لئے تمام منافع اور خواہشات کو قربان کر دیتا ہو خوشی سے ساری دنیا کی عداوت اور دشمنی کو قبول کرتا ہو ہر ایک قسم کے تعلق کو توڑ دیتا ہو۔ ہر ایک آرام اور آسایش کو چھوڑ دیتا ہو۔ ہر ایک تکلیف کو اٹھاتا ہو تمام ایذاؤن اور تکالیف کی برداشت کرتا ہو بلکہ موت کو قبول کر لیتا ہو لیکن اسکے دل مین کبھی بھی یہ خیال نہین آتا کہ وہ خدا کی فرمانبرداری کو چھوڑے اسکے دل کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ اسقدر مضبوط ہوتا ہو کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے توڑ نہین سکتی۔ پھر یہ کیسا قابل شرم جھوٹ ہے کہ وہ شخص جو ان تمام امتحانون مین سے کامیابی کیساتھ ہو گذرتا ہو تمام تکلیفون اور ایذاؤنکو برداشت کر لیتا ہو تمام منافع کو قربان کر دیتا ہو۔ ہر ایک دنیا کی آسایش کو ہیچ سمجھتا ہو اور دنیا کے تمام تعلقات کو قطع کر دیتا ہے لیکن اللہ تعالے کی فرمانبرداری سے ایک بال برابر انحراف نہین کرتا۔ وہی شخص کسی چھوٹی سی نفسانی غرض کیلئے عمداً خدا کے احکام کو توڑتا اور اسکے خلاف چلتا ہے کیا وہ تمام خواہشات اور منافع اور آسایشونکو قربان کرکے اور تمام تعلقات کو قطع کرکے دنیا پر یہ ثابت نہین کر چکا کہ خدا تعالیٰ

کے احکام کے بالمقابل یہ سب چیزین اسپر کوئی اثر نہین کر سکتین۔ اگر اسکے دلمین کوئی کمزوری ہوتی جو بڑی ہوئی خواہش کیوقت اسکو خدا کی فرمانبرداری سے الگ کر سکتی تو وہ اسوقت ظاہر ہونی چاہئے تھی جب تمام دنیا اُسکی مخالفت مین کھڑی ہوئی تھی جب دکھون تکلیفونکا کوئی انتہا نہ تھا اور جبکہ اپنے اغراض کے پیچھے چلنے اور اپنی خواہشات کی پیروی کرنیسے عملی طور پر اسے یہ فائدہ پہونچ سکتا تھا کہ تمام مخالفتین فرد ہو جائین اور تمام تکلیفون سے نجات ہو جاتی۔ مگر نہین وہ امتحانونکے جلتے ہوئے تنور مین ڈالا جاتا ہے اور مصائب و شدائد کی کٹھالی مین ڈالکر پاک کیا جاتا ہے اور اس طرحپر یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ اسکے دل مین کوئی کمزوری نہین اور خدا کی فرمانبرداری سے کوئی چیز اسے منحرف نہین کر سکتی اگر خدا کی اطاعت مین اسمین اسقدر فوق الطاقت استقامت اور وفاداری نہوتی تو وہ رسالت کے منصب کے لایق نہوتا اور اللہ تعالیٰ ایسے شخصکو نبی نہ بناتا جسکو وہ ایسا کمزور سمجھتا کہ خدائے تعالیٰ کے احکام فرمانبرداری کو چھوڑ کر اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی کریگا۔ ایسا آدمی ایک لمحہ کیلئے بھی دنیا کی مخالفت کی برداشت نہین کر سکتا اور نہ ان دکھون اور تکلیفونکو اٹھا سکتا ہے جو انبیاء کو اٹھانے پڑتے ہین۔ اس تمام تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کی نسبت یہ خیال کرنا کسیطرح جائز نہین کہ وہ خدا کی اطاعت سے پھر جاتے یا اپنی نفسانی خواہشونکیلئے گناہونکے مرتکب ہوتے ہین +

اب ہم حضرت آدم کے متعلق شرک کے الزام کو لیتے ہین پادری ایپسن اپنے دعویٰ کی تائید مین کشاف اور امام رازی کی تفسیر کو پیش کرتا ہے دونون تفسیرون مین سے ایک دو قول نقل کر کے وہ لکھتا ہے " اس طرحپر ہم دیکھتے ہین کہ بڑے بڑے مسلمان مفسرین نے ہماری بات کی تائید کر کے اپنے مقدمہ کو ہار دیا ہے "۔ ہمین بارہا اس مباحثہ کے اثنا مین عیسائی مناظرین کی غلط بیانی کی شکایت کرنیکا موقعہ ہوا ہے مگر تعجب ہے کہ پھر بھی پادریصاحبان اس امر کی طرف کچھ توجہ نہین کرتے۔ پادری ایپسن غلط بیانی کو اختیار کر کے کشاف کے الفاظ سے اپنے مطلب کے موافق ایک نتیجہ نکالتا ہے حالانکہ جو کچھ کشاف نے آگے چلکر لکھا ہے وہ پادریصاحب کے

قول کی تردید کرتا ہی- کشاف نے پہلے اِن معنونکا ذکر کیا ہی جنکے رو سی نفس واحدہ سی حضرت آدم مراد لئے گئے ہین اور جب وہ ان الفاظ کی تفسیر پر پہونچتا ہی- لئن اٰتیتنا صالحا لنکونن من الشکرین فلما اٰتٰهما صالحا جعلا له شرکاء فیما اٰتٰهما- تو لکھتا ہی- "اٰتینا اور لنکونن مین ضمیر کا مرجع وہ دونون اور انکی اولاد ہی- جعلا له شرکاء یعنے انکی اولاد نے خدا تعالےٰ کے شریک ٹھیرائے- مضاف حذف کرکے اور مضاف الیہ کو اسکے قائم مقام کرکے اور ایسا ہی فیما اٰتٰهما مین یعنی جو کچھ انکی اولاد کو دیا اور اسپر خدائے تعالےٰ کے یہ الفاظ فتعالی الله عما یشرکون دلالت کرتے ہین کیونکہ یہان ضمیر جمع لائی گئی ہی اور آدمؑ اور حوا شرک سی بری ہین.... ایک اور وجہ یہ ہے کہ اس آیت مین خطاب قریش کو ہی جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مد مقابل تھے اور وہ قصی کی اولاد ہے.... اس صورت مین معنے یہ ہونگے کہ خدا وہ ہے جسنے تم ایک نفس یعنی قصی سی پیدا کیا اور اسی جنس کی انکی بیوی بھی بنائی یعنی عربیہ- قریشیہ- لیسکن الیها- لیکن جب خدا تعالےٰ نے انکو جو مانگتے تھے ایک صحیح سالم بچہ دیا تو پھیر وہ اسکے شریک ٹھیرانے لگے کیونکہ انھون نے اپنے چارون بیٹونکے نام عبد مناف- عبد العزی- عبد قصی- اور عبد الدار رکھے اور یشرکون ضمیر ان دونون کیطرف پھیر نیز انکی اولاد کیطرف جو انکے نقش قدم پر چلے- اور یہ نہایت عمدہ تفسیر ہے جسمین کسی قسم کی مشکل نہین ہی" اخیری الفاظ پر پادری اپسن کو خاص طور پر غور کرنا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ کہین اسکے نتیجہ کے عین خلاف بڑے بڑے مسلمان مفسرین نے ان معنونکو پسند تو نہین کیا جو ہمنے اختیار کئے تھے اور جو نتیجہ وہ نکالتا ہے انکی صاف الفاظ مین یہ کہکر تردید تو نہین کی کہ آدمؑ اور حوا شرک سی بری ہین- امام رازی صاحب اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اپسن کے قول کو قول فاسد کہکر اسکی تردید کرتے ہین اور اسکے وجوہات دیتے ہین ان غلط بیانیونکے بعد پادری اپسن بڑی جرات کے ساتھ حضرت آدمؑ علیہ السلام کو "شریر مشرکین" مین داخل کرتا ہی (نعوذ باللہ من ہذا الکفر)

تعجب ہی کہ ایک شخصکو جو خود مشرک ہی اور ایک یہودی کو خدا سمجھ رہا ہے اسقدر دلیری ہو کہ خدا کے ایک برگزیدہ نبی کو شریر مشرک کہے۔ اسی نبی کو جسکی نسبت اللہ تعالے فرماتا ہے ثم اجتبٰہ ربّہ فتاب علیہ وھدٰی۔ خدا نے اسے برگزیدہ بنایا اور اسپر رجوع برحمت کیا اور اسکو سیدہی راہ پر چلایا۔

اب ہم الف میم کے بعض اعتراضات پر غور کرتے ہین وہ اسبات پر زور دیتا ہی کہ ان الفاظ هو الذی خلقکم من نفسٍ واحدۃٍ وجعل منها زوجها کیصورت ہی ایسی ہی کہ ان سے سوائے آدمؑ کے اور کچھہ مراد نہین ہوسکتی اور اسکی تائید مین سورہ نساء کی اس آیت کو پیش کرتا ہے۔ هو الذی خلقکم من نفسٍ واحدۃٍ وخلق منها زوجها۔ جس سے مفسرین نے عموماً حضرت آدم کو ہی مراد لیا ہے۔ اسکے علاوہ وہ ایک حدیث پیش کرتا ہی جسکا مضمون یہ ہی کہ حوا حضرت آدم کی پسلی سے پیدا ہوئین اور ایک اور حدیث کو پیش کرتا ہی جسکا مضمون یہ ہی کہ آدمؑ نے اپنے لڑکے کا نام عبد الحارث رکھا تھا۔ اور جلالین کے مصنف کی رائے کو بھی پیش کرتا ہی۔ جہانتک مفسرین کی رائے ہی اول تو ہم اسکے پابند نہین اور دوسرا کوئی مفسر حضرت آدم کو اس طرح مشرک نہین سمجھتا جس طرح کہ ایسن اور الف میم پبلک کو یقین دلانا چاہتے ہین۔ باقی رہین حدیثین سو آجتک اہل اسلام نے قرآن شریف کے برابر انکو نہین مانا اور اسلئے جو حدیث قرآن کریم کے مخالف ہوگی وہ رد کیجاویگی اسلئے صرف قرآن شریف کے الفاظ ہی زیر بحث ہین اس سے پہلے ہم مفصل بیان کرچکے ہین کہ قرآن کریم کے الفاظ کے معنی کرنے مین کس اصول کو مد نظر رکھنا چاہیئے۔ اگر ایک جگہ ایک لفظ یا فقرہ استعمال کرکے ایک معنی مراد لئے گئے ہین تو یہ اس امر کی دلیل نہین ہین کہ دوسری جگہ جہان اس لفظ یا فقرہ کا استعمال ہوا ہی وہان بھی وہی معنی مراد لئے جاوینگے جس اصول کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ ایسے معنے قرآن شریف کے الفاظ کے کئے جاوین جس سے مختلف حصوں مین اختلاف واقع نہ ہو۔ الفاظ اور فقرات اکثر اوقات مختلف معانی کی متحمل ہوتے ہین اور اسبات کا فیصلہ کرنا کہ کہین کسی خاص موقعہ پر کونسے معنی

لینے چاہئیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ان معنوں سے قرآن شریف کے کسی اور حصہ کی تردید نہ ہوتی ہو نہ یہ کہ انہیں الفاظ کے کسی اور جگہ جو معنے لئے گئے ہوں انکے علاوہ دوسرے معنے ہی نہ لئے جاویں۔ موخر الذکر قاعدہ کی پابندی کرنا نہ صرف زبان کی وسعت معنی کا انکار کرنا ہے بلکہ قرآن کریم کے بعض حصوں میں بعض سے اختلاف ڈالنا ہے ÷

اسلئے سب سے پہلے یہ امر غور طلب ہے کہ آیا قرآن شریف ہمیں یہ اجازت دیتا ہے کہ ایک نبی کیطرف شرک منسوب کریں مفصلہ ذیل آیات پر غور کرو۔ ان اللہ لا یغفر ان یشرک به (خدا شرک کو نہیں بخشتا . ومن یشرک باللہ فقد ضل ضلالا بعیدا (جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے وہ سخت گمراہی میں پڑ جاتا ہے) انه من یشرک باللہ فقد حرم اللہ علیه الجنة وماواه النار وما للظالمین من انصار (جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے اللہ تعالی اسپر جنت کو حرام کر دیتا ہے اور اسکا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں) ومن یشرک باللہ فقد افترى اثما عظیما (جو شخص اللہ سے شرک کرتا ہے وہ گناہ عظیم کا افترا کرتا ہے) ہم عیسائی صاحبان سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس امر پر غور کریں اور ایک سچے طالب حق کیطرح اور خدا کے خوف کو دل میں جگہ دیکر غور کریں کہ ان آیات کی وعید انبیاء علیہم السلام کیلئے ہو سکتی ہیں افسوس ہے کہ ان لوگوں نے انبیاء کی حقیقت کو کچھ بھی نہیں سمجھا اور کیونکر سمجھ سکتے ہیں جب وہ روحانیت سے اسقدر دور جا پڑے ہیں کہ مردہ پرستی میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ ان آیات کے مطابق مشرک مفتری ہے جسپر جنت حرام اور جسکا گناہ معاف نہیں ہو سکتا۔ کیا ایک پیغمبر کو خود خدا تعالی مفتری ٹھہراتا اور دوزخ اسکی جگہ قرار دیتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ یہی وجہ ہے کہ خواہ مفسرین نے الفاظ زیر بحث کے کوئی معنے اختیار کئے ہوں۔ انہوں نے حضرت آدم کو شرک سے بری سمجھا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ عیسائی اپنے ایمان کی کمزوری کے سبب سے جسکی بنا قصوں اور کہانیوں پر ہے اور سچے ایمان کے نشانوں سے بالکل خالی ہے۔

یہ سمجھ ہی نہیں سکتے کہ انبیاء کا ایمان اللہ تعالےٰ پر کس قدر مضبوط اور زندہ ایمان ہوتا ہے اور انکا تعلق اللہ تعالےٰ کیساتھ کیسا گہرا اور طاقتور ہوتا ہے ہمیں بعض اوقات یہی خیال گذرتا ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام کو ان لوگوں کا برا بھلا کہنا اسقدر کینہ کے سبب سے نہیں جتنا جہالت کے باعث ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس شخص کو بھی باہر نہیں چھوڑا جسکو وہ خدا بنا رہے ہیں عجیب مسئلے نجات کا ایجاد کیا ہے کہ اسکی خاطر نہ صرف تمام انبیاء کو ہی گنہگار ٹھہرا نا پڑا بلکہ یہ بھی جزو ایمان ٹھہرانا پڑا کہ یسوع نعوذ باللہ ملعون ہوا اور تین دن تک خدا کی لعنت کے نیچے رہ کر خدا سے بیگانہ بلکہ خدا سے بیزار اور خدا کا دشمن رہا۔ انکو معلوم نہیں کہ انبیاء کے دلوں کا خدا سے کیا تعلق ہوتا ہے اور اسلئے نادانی کے سبب جو منہ پر آتا ہے کہدیتے ہیں۔ اگر انکو اس گہرے تعلق کی کچھ بھی خبر ہوتی جو انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالےٰ سے ہوتا ہے۔ اور جو تعلق ہر ایک انسانکو پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے تو کبھی یہ جرأت نہ کرتے کہ اس قسم کی بیبا کی اور گستاخی کے الفاظ منہ سے نکالتے۔ اصل میں جن لوگوں نے انبیاء کے بعض افعال کو متعلق ٹھوکر کھائی ہے اپنی بیعلمی اور اللہ تعالیٰ سے بعُد کے باعث ہی کھائی ہے جن لوگونکو اللہ تعالےٰ سے کچھ بھی تعلق ہے وہ خوب سمجھتے ہیں کہ ان انبیاء کو جنکی برکت سے انہیں وہ تعلق حاصل ہوا ہے کس قدر اعلیٰ درجہ کا اور گہرا تعلق اللہ تعالےٰ سے ہوتا ہے جب ایک شخص خود اپنے نفس پر اس واقعہ کا مشاہدہ کرتا ہے کہ ایک مقدس اور برگزیدہ نبی کی پیروی اور اسکی برکات سے وہ اس اعلیٰ درجہ کی روحانی مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں وہ شیطان کی طاقت سے آزاد اور محض اللہ تعالیٰ کے تصرف میں ہو جاتا ہے تو اس مشاہدہ کے بعد وہ کیونکر یہ وہم بھی کر سکتا ہے کہ وہ برگزیدہ انسان کہ جسکی برکات سے ایک تھوڑا سا حصہ پاکر وہ اس اعلےٰ مقام روحانیت پر پہنچ گیا ہے۔ شیطان کے تصرف میں رہا اور نفسانی جذبات کے ماتحت ہو کر خدا کے حکم کی خلاف ورزی کرتا رہا۔ اور پھر وہ بھی قرآن شریف کی صریح صاف الفاظ کے ہوتے ہوئے جو فرماتا ہے۔ ان عبادی لیس لک علیھم سلطان۔ جو گناہ حضرت آدمؑ کیطرف منسوب کیا جاتا ہے۔ وہ اس قسم کا ایک قبیح فعل ہے کہ کوئی معمولی مسلمان بھی جسکو اللہ تعالیٰ کی ہستی پر کچھ بھی یقین حاصل ہے اسکا مرتکب نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ ایک برگزیدہ نبی کی

طرف سے منسوب کیا جاوے۔ جو توحید کے وعظ اور تعلیم کیلئے دنیا مین بھیجا جاتا ہے اور جسکا تعلق خدا تعالیٰ سے ایسا ہوتا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے توڑ نہین سکتی ہر ایک نبی کا سب سے پہلا اور اہم فرض دنیا مین آنیکا توحید الٰہی کا پھیلانا اور شرک کی بیخکنی کرنا ہی رہا ہے۔ کیونکہ شرک ایک ایسی بری چیز ہے جسپر سب سے بڑھکر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور یہ عیسائیون کا ہی خیال ہے کہ کسی نبی کو بھی شرک کا مرتکب سمجھین کیونکہ وہ اپنے نبی کو بھی ایسا ہی سمجھتے ہین کہ اسنے خدا سے برابری کا دعویٰ کیا اور دوسرونکو نہین تو اپنے آپکو خدا کا شریک بنایا قرآنکریم ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے کہ ہر ایک نبی کا سب سے پہلا پیغام دنیا مین خدا کی توحید ہی رہا ہے چنانچہ فرماتا ہے یٰقوم اعبدوا اللہ ما لکم من الٰہ غیرہ (اے میری قوم خدا کی عبادت کرو اسکے سوا کوئی بھی معبود تمہارا نہین) لا تشرکوا باللہ (اللہ کیساتھ کسی کو شریک مت بناؤ) ءالٰہ مع اللہ (کیا خدا کیساتھ کوئی اور معبود بھی ہو سکتا ہے۔) ایسا ہی کثرت سے اور آیات موجود ہین اور قوم یہی جواب دیتی ہے۔ (اجئتنا لنعبد اللہ وحدہ ونذر ما کان یعبد اباءنا فاتنا بما تعدنا ان کنت من الصادقین۔ کیا تو اسلئے آیا ہے کہ ہم اکیلے خدا کی پرستش کرین اور ان اپنے معبودونکو چھوڑ دین جنکی ہمارے آبا و اجداد پرستش کرتے چلے آئے ہین اگر تو سچا ہے تو وہ عذاب لا جسکا تو وعدہ کرتا ہے اب اگر خود نبی ہی خدا کے ساتھ اورونکو معبود بناتے تھے تو یادریصاحبان بتائین کہ یہ عذاب کس پر آنا چاہئے اسکے ساتھیون پر۔ یا اسکے مخالفین پر۔ یا ہر دو پر۔ اگر اب بھی یہ لوگ اپنی غلطی کو نہین سمجھ سکتے۔ تو پھر کوئی ذریعہ نہین کہ ہم انکو سمجھا سکین +

”الفاظ خلقکم من نفس واحدہ وجعل منہا زوجہا۔ اور انکے قریب قریب الفاظ جو سورہ نسا مین واقع ہوئے ہین گو انکے متعلق الف میم مانتا ہے کہ دونون جگہ مین آدمؑ کا نام نہین اور ہم تسلیم کرتے ہین کہ سورہ نسا مین مفسرین کی رائے کا رجحان اسی طرف ہے کہ ان الفاظ سے مراد حضرت آدم ہی ہین لیکن بعض لوگون نے یہ بھی خیال کیا کہ الناس سے جو ان الفاظ کے پہلے واقع ہوا ہے مراد حضرت

اہل مکہ ہی ہیں اور اسی آیت کا آخری حصہ واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام
شاہد ہے کیونکہ عرب میں ہی خصوصیت سے یہ محاورہ بولا جاتا ہی "انشدک اللہ والرحم" میں تجھ
خدا کی اور رحم (قرابت) کی قسم دیتا ہوں لیکن ہمیں اس بحث سے کچھ سروکار نہیں، ہم کہتے ہیں کہ یہ الفاظ
عام ہیں اور انسے مراد حضرت آدم یا کوئی اور ہو سکتا ہے جسپر ان لفظوں کا اطلاق ہو سکے خالی الفاظ
سے پورے یقین سے کوئی تعیین نہیں ہو سکتی اور اس امر کے فیصلہ کیلئے بہت سے دوسرے وجوہات پر غور
کرنا ضروری ہی چنانچہ بڑی وجہ جسکے سبب سے سورہ نساء میں مراد حضرت آدم لئے گئے ہیں یہ ہی کہ آگے
خطاب یہ ہی یاایھا الناس اتقوا ربکم اے لوگو اپنے خدا سے ڈرو۔ اور یہ خطاب عام سب
دنیا کیلئے ہی۔ اسلئے الناس سے مراد صرف اہل مکہ نہیں ہو سکتی بلکہ کل دنیا مراد ہے۔ برخلاف اسکے

سورہ اعراف ان الفاظ میں جو زیر بحث ہیں یہ وجہ موجود نہیں اور نہ صرف یہی بلکہ صاف الفاظ
میں الفاظ زیر بحث کے پہلے اور پیچھے مشرکین عرب کو خطاب کیا گیا ہی چنانچہ اس سے پہلا رکوع اس طرح
شروع ہوا ہی۔ والذین کذبوا بایتنا سنستدرجھم من حیث لا یعلمون
جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی ہی انپر بتدریج ہم اپنا عذاب ایسی راہ سے لائینگے جسکو وہ نہیں جانتے
واملی لھم ان کیدی متین۔ اور میں انکو ڈھیل دے رہا ہوں میری تدبیر بڑی مضبوط ہے
یسئلونک عن الساعۃ ایان مرسٰھا۔ یعنی اس عذاب کی گھڑی کا وقت پوچھتے ہیں کہ
وہ کب آئیگی۔ جواب ملتا ہی کہ کہدے آئیگی ضرور مگر اسکا علم اللہ تعالےٰ کو ہی ہی کہ کب آئیگی۔ جب آئے گی تو ناگہاں ہی
آئیگی۔ ظاہر ہے کہ یہ خطاب مخالفین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی۔ پھر اسی خطاب کے اثنا میں فرماتا ہی
ھو الذی خلقکم الخ۔ جو آیات متنازع فیہا ہیں جنکا ترجمہ یہ ہے۔ وہی خدا ہی جسنے تمہیں ایک نفس سے پیدا
کیا۔ اور اسکی جنس سے اسکی بیوی بنائی۔ لیکن جب خدا نے انکو صالح بچہ دیا تو وہ اسکے ساتھ شریک ٹھہرانے لگے اس
چیز میں جو انکو دی مگر بلند تر ہے خدا اس سے جو یہ لوگ اسکے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں جنکو جو کچھ پیدا نہیں کرسکتے

اور خود پیدا کئے گئے ہین - اور نہ اپنے پرستارونکی مدد کر سکتے ہین اور نہ اپنی مدد کر سکتے ہین اور اگر تم ان لوگونکو ہدایت کیطرف بلاؤ تو تمہارے پیچھے نہین چلتے برابر ہی تمہارے لئے کہ تم انکو بلاؤ یا خاموش رہو - یقیناً وہ جنکو تم خدا کے سوا بلاتے ہو تمہاری طرح مخلوق ہین - پس انکو بلاؤ اگر تم سچے ہو تو چاہیے کہ وہ تمکو جواب دین - کہو بلاؤ اپنے شرکا کو پھر تدبیر کر لو اور مجھے کچھ مہلت بھی نہ دو یقیناً میرا کارساز خدا ہی جسنے مجھپر وحی نازل کی ہی - اور وہی اپنے صالح بندونکا متولی ہوتا ہے اور وہ جنھین تم اسکے سوا بلاتے ہو نہ وہ تمہاری کچھ مدد کر سکتے ہین اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہین ٭

جو شخص ان آیات کو غور سے پڑھیگا اسپر واضح ہو جائیگا کہ انمین ایک ہی مضمون پر بحث کیگئی ہے اور وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کا شرک اور اسکی سزا ہی اور یہ بھی بتایا گیا ہی کہ وہ بت جنکو وہ خدا کے شریک ٹھہراتے ہین وہ نہ خود تباہی سے بچینگے اور نہ اپنے پرستارونکو بچا سکینگے - بفرض محال اگر حضرت آدم شرک کے مرتکب بھی ہوئے ہوں تو کیا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین مین داخل تھے جو انکا ذکر اس مضمون مین کیا گیا - قرآن کریم دو جماعتون کا ذکر کرتا ہے ایک انبیاء علیہم السلام اور ایک انکے مخالفین - انبیاء علیہم السلام خدا کی توحید اور راستبازی کا پیغام لاتے ہین اور انکے مخالفین انکا مقابلہ کرتے ہین اور انکے انذار کی کچھ پروا نہین کرتے اسلئے جب انبیاء علیہم السلام کو بہت تکلیفین دیجاتی ہین اور انکے کام مین طرح طرح کی روکین ڈالکر اسکو بند کرنیکی کوشش کیجاتی ہی تو وہ عذاب الٰہی جسکا پہلے سے وعدہ ہو چکا ہوتا ہی انبیاء علیہم السلام کے مخالفین پر نازل کیا جاتا ہی اور نصرت الٰہی انبیاء علیہم السلام کے شامل حال ہوتی ہی - ہر ایک پیغمبر کا ذکر جو قرآن کریم مین ہوا ہی وہ اس عام اصول کی ایک تشریح ہی - اور ان آیات کے یعنی آیات زیر بحث کے پہلے اور پیچھے ہین ایسا ہی عذاب کا ایک وعدہ دیا گیا ہی - یہ دراصل پیشگوئی ہی کہ تمام بت ہلاک کئے جائینگے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخرکار اپنے مخالفین پر فتحیاب ہونگے اور آپکے مخالفین ذلیل و خوار ہونگے ایسے مضمون کے اندر حضرت آدم کے ذکر کو داخل سمجھنا محض حماقت ہی - الف میم نے یہ بھی لکھا ہی کہ امام رازی نے دوسری جگہ جہان مخالفین کے اعتراضونکا ڈر نہین تھا سچی بات کا بھی اعتراف کر لیا ہی ہم پوچھتے ہین کہ کیا رازی نے کہین اب بھی تسلیم کیا ہی کہ حضرت آدم شرک کے مرتکب ہوئے ہی ہرگز نہین بلکہ ایک اور بحث کرتے ہوئے اتفاقاً انھون نے یہ بھی لکھدیا ہی کہ آیت ھو الذی

خلقکم من نفسٍ واحدةٍ وجعل منہا زوجہا سے آدم اور حوا مراد ہین لیکن وہان
انہون نے نہ ان معنون پر کوئی بحث کی ہے اور نہ انکی تائید یا انکے خلاف دلائل پر غور کیا ہے لیکن جب اس آیت کی
تفسیر پر پہنچے ہین اور ان دلائل پر غور کیا ہے جو مختلف معنون کی تائید مین یا انکے خلاف پیش ہو سکتے ہین تو انہون
نے اسی معنے کو اختیار کیا ہے جو ہم نے بیان کئے ہین۔ علاوہ ازین بعض مفسرین نے نفس واحدہ سے حضرت آدم کو
بھی مراد لیا ہے لیکن وہ آیت کے اخیری حصے کی جہان شرک کا ذکر ہے اور تفسیر کرتے ہین جیسا کہ ہم نے کشاف کے
حوالے سے اوپر لکھا ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہین کہ ان الفاظ کے معنے کے متعلق مختلف رائین ہون بلکہ ہم
اوپر یہ بھی دکھلا چکے ہین کہ سورہ نساء مین ایسے ہی الفاظ جہان آتے ہین انکے متعلق بھی مفسرین مین اختلاف
رائے ہے +

اسکے بعد الف میم ایک حدیث پیش کرتا ہے لیکن ہم لکھ چکے ہین کہ کوئی حدیث جو قرآن کے مخالف ہوگی ہم
اسکو نہین مانتے۔ قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرماتا ہے۔ قل یا ایہا الکافرون
لا اعبد ما تعبدون۔ یعنے اے کافرو مین ہرگز اس چیز کی عبادت نہین کرتا جسکی تم عبادت کرتے
ہو۔ ان الفاظ مین قرآن شریف نے گویا ہر نبی کی فطرت کا نقشہ کھینچ دیا ہے اور یہ الفاظ جیسے آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم پر چسپان ہین ویسے حضرت آدم پر بھی چسپان ہین ایسا ہی حضرت یوسف قیدیونکو مخاطب کرکے فرماتے
ہین ما کان لنا ان نشرک باللہ من شیءٍ۔ یعنے یہ کب ہو سکتا ہے کہ ہم یعنی گروہ انبیاء اللہ کیساتھ
کسی کو شریک کرین۔ تمام نبی ایک جماعت کے حکم مین ہین اور جو نقشہ قرآن شریف کسی ایک نبی کا کھینچتا ہے وہ سارے
جماعت کا نقشہ ہے۔ ایسا ہی یہان قرآن شریف عباد الرحمٰن کی صفات بیان کرتا ہے۔ تو ایک صفت انکی یہ بیان
فرماتا ہے۔ والذین یدعون مع اللہ الٰہا آخر۔ اور وہ لوگ جو اللہ کیساتھ کسی دوسرے کو نہین پکارتے۔ اب
یہ ظاہر ہے کہ انبیاء سب سے پہلے عباد الرحمٰن مین شامل ہین اور اسلئے جب حضرت آدم نبی ہین ثابت ہوا کہ انہون نے شرک
نہین کیا ہم خیال نہین کرتے کہ کون سمجھدار آدمی قرآن شریف کے ان صاف و صریح الفاظ کے بالمقابل اب بھی حضرت آدم کو
شرک کا مرتکب سمجھیگا +

تمام شد

آؤ عیسائیو! ادھر آؤ ⸻ نورِ حق دیکھو راہِ حق پاؤ

جسقدر خوبیاں ہیں قرآں میں ⸻ کہیں انجیل میں تو دکھلاؤ

سر پہ خالق ہے اُسکو یاد کرو ⸻ یونہی مخلوق کو نہ بہکاؤ

کب تلک جھوٹ سے کروگے پیار ⸻ کچھ تو سچ کو بھی کام فرماؤ

کچھ تو خوفِ خدا کرو لوگو! ⸻ کچھ تو لوگو خدا سے شرماؤ

عیشِ دنیا سدا نہیں پیارو ⸻ اس جہاں کو بقا نہیں پیارو

یہ تو ہنسنے کی جا نہیں پیارو ⸻ کوئی اس میں رہا نہیں پیارو

اس خرابہ میں کیوں لگاؤ دل ⸻ ہاتھ سے اپنے کیوں جلاؤ دل

کیوں نہیں تمکو دینِ حق کا خیال ⸻ ہے سوسو اٹھتے ہیں دل میں اُبال

کیوں نہیں دیکھتے طریقِ صواب ⸻ کس بلا کا پڑا ہے دل پہ حجاب

اسقدر کیوں ہے کین و استکبار ⸻ کیوں خدا یاد سے گیا یکبار

تمنے حق کو بھلا دیا ہیہات ⸻ دلکو پتھر بنا دیا ہیہات

اے عزیزو سنو کہ بے قرآں ⸻ حق کو ملتا نہیں کبھی انساں

جن کو اِس نور کی خبر ہی نہیں ⸻ اُنپہ اُس یار کی نظر ہی نہیں

ہے یہ فرقاں میں اک عجیب اثر ⸻ کہ بناتا ہے عاشقِ دلبر

جس کا ہے نام قادرِ اکبر ⸻ اُسکی ہستی سے دی ہے پختہ خبر

کھینچ کے دلبر میں کھینچ لاتا ہے ⸻ پھر تو کیا کیا نشاں دکھاتا ہے

دل میں ہر وقت نور بھرتا ہے ⸻ سینہ کو خوب صاف کرتا ہے

اُسکے اوصاف کیا کریں بیاں ⸻ وہ تو دیتا ہی جاں کو اور اک جاں

وہ تو چمکا ہے نیرِ اکبر ⸻ اس سے انکار ہو سکے کیونکر

وہ ہمیں دلستاں تلک لایا ⸻ اُسکے پانے سے یار کو پایا

۵ جلد کے خریدار کے لئے خاص رعا[illegible] ہوگی۔

اشتہار کتب موجودہ

غلامی:۔ اس مین اسلام کے وہ اصول جو غلامون اور لونڈیونکے بارے مین بتائے گئے ہین قرآن شریف در موقع موقع پر حدیث نبوی سے ثابت کرکے دکھایا گیا ہے کہ اب کوئی مخالف اعتراض نہین کر سکتا دیکھنے کے قابل ہی **قیمت** ۴ر

سرمہ چشم آریہ **قیمت** ۱۲؍

عقائد اہل سنت الجماعت اردو مصنفہ حجۃ الاسلام امام محمد غزالی علیہ الرحمۃ۔ **قیمت** ۴ر

مسٹر ویب کے لکچر **قیمت** ۳ر

تائید محمد والقرآن یعنے ترجمہ اپولوجی فار محمد اینڈ قرآن مصنفہ جان ڈیون پورٹ **قیمت** ۷ر

براہین احمدیہ معہ سوانح عمری امام ربانی میرزا غلام احمد صاحب قادیانی نیا چھاپا **قیمت** ۵ر

درثمین نو طبع **قیمت** ۶ر

کشف المحجوب اردو مصنفہ حضرت علی ہجویری گنج داتا گنج بخش صاحب لاہوری **قیمت** ۴ر

تذکرۃ الاولیا مصنفہ حضرت شیخ عطار رحمتہ اللہ علیہ **قیمت** ۴ر

قرآن کی حقیقت کا جواب **قیمت** ۱ر

تفسیر کبیر مترجم جلد اول اردو [illegible] امام فخر الدین رازی تقطیع کلان [illegible] کاغذ [illegible] **قیمت** للعہ ر

انوار قدسیہ مترجم اردو حضرت امام شعرانی رحمتہ اللہ علیہ۔ یہ کتاب امام [illegible] بینظیر یادگار ہے اس کتاب مین مبردار ان علامات [illegible] نشانات کا مفصل ذکر ہے جسکا پایا جانا ہر ایک [illegible] لئے ضروری ہے صفحہ ۱۳۰ تقطیع کلان **قیمت** [illegible]

کتاب الروح مترجم اردو۔ اس مین روح کے [illegible] نہایت شرح وبسط کیساتھ بحث کی گئی ہے **قیمت** [illegible]

حدوث مادہ اس رسالہ مین مادہ کے حادث ہونے پر نہایت دلچسپ بحث کی گئی ہے **قیمت** ۱

دیانندی الہام اس رسالہ مین وید کے منتر [illegible] ان شرائط کی تردید کی گئی ہے جنکی بناپر دیانند نے الہامی قرار دیا ہے۔ **قیمت** ۳ر

بدور السافرہ مترجم اردو۔ یہ کتاب امام جلال الدین سیوطی رح کی تصنیف ہے اسمین قرآنکریم کے رو سے ان [illegible] کو جنمین حشر ونشر حساب کتاب پلصراط حوض کوثر شفاعت میزان نشر اعمال بہشت دوزخ کا بیان ہے قابل دید کتاب ہے۔ **قیمت** ۹ر

ملنے کا پتہ درخواستین بنام شیخ محمد الدین پنشنر کشمیری بازار کوچہ ٹھیداران آنی چاہئے